8462

1055

4/3
10

DATE LABEL

Call No ________ *Date* ________

Acc No. ________

UNIVERSITY OF KASHMIR
LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of 10/20 Paise will be levied for each day, if the book is kept beyond that date.

1326

ریاض مختاریہ

سلطنت آصفیہ

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اُردو نشان

The J & K University Library
Acc. No. 24481
23-1-59

ریاضِ مختاریہ

سلطنتِ آصفیہ

مؤلفۂ
میر دلاور علی دانش مرحوم

مطبوعۂ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
۱۹۴۳ء

SHARFUDDIN AULADHU
BOMBAY
15/-

Jammu & Kashmir University Library
No. 24481
Date 23.1.59
Srinagar

ALLAMA IQBAL LIBRARY
24481

U092
144 >

M5AR

فہرست مضامین ریاض مختاریہ سلطنت آصفیہ

باب اول

باب دوم

القاب سلاطین آصفیہ بعد رحلت

۱۔ آصف جاہ بہادر اول
مغفرت مآب

۲۔ میر نظام علیخاں بہادر آصفجاہ ثانی
غفران مآب

۳۔ سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث
مغفرت منزل

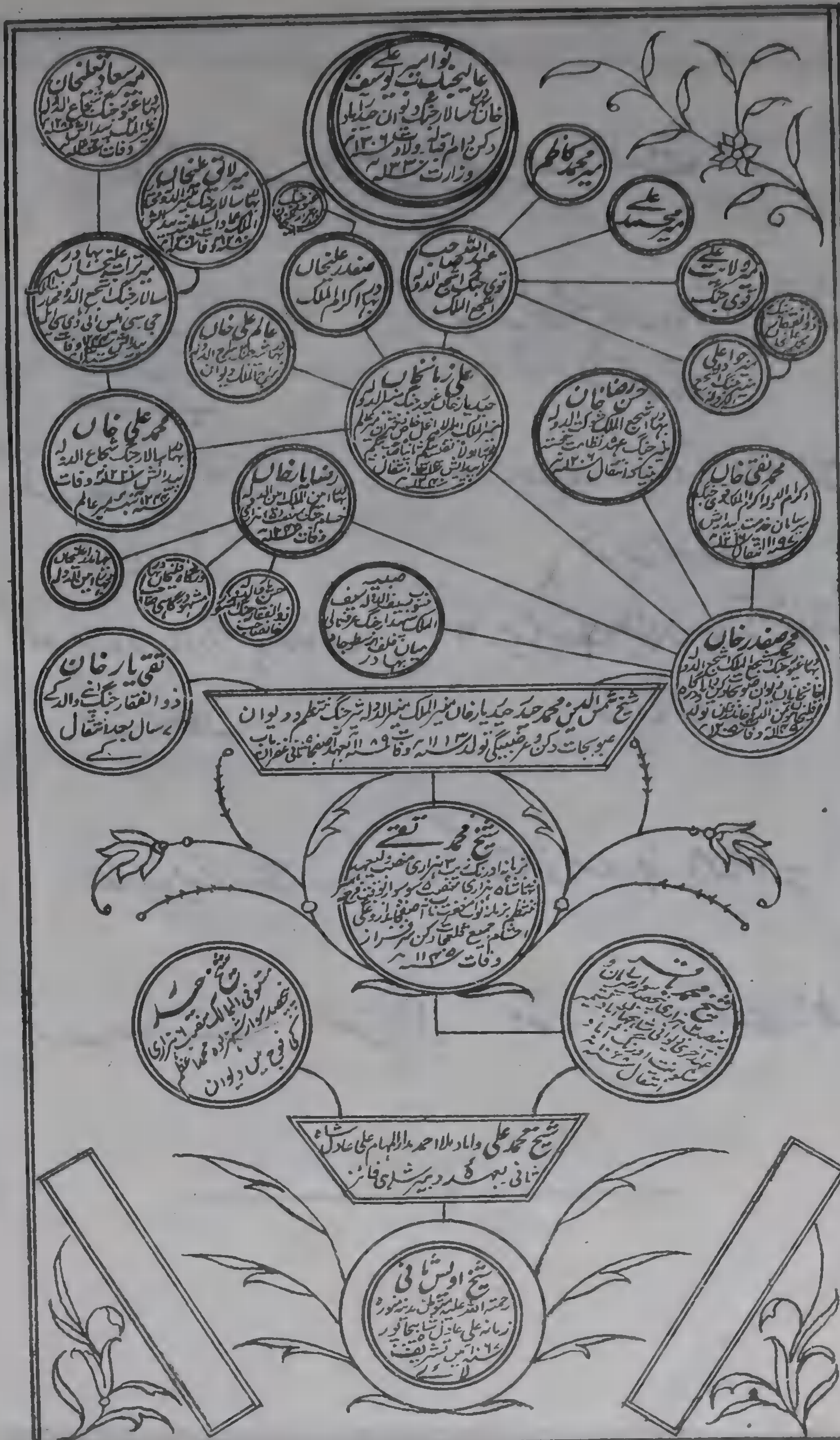
۴۔ ناصر الدولہ بہادر آصفجاہ رابع
غفران منزل

۵۔ افضل الدولہ بہادر آصفجاہ خامس
مغفرت مکان

۶۔ میر محبوب علیخان بہادر آصفجاہ سادس
غفران مکان

القاب میر تراب علی خاں بہادر مختار الملک مغفور مندرجۂ ریاض مختاریہ

نواب صاحب مغفور ۔ مغفور اوّل ۔ مغفور ۔ سالارجنگ اعظم


عالیجناب نواب میر یوسف علی خان
میر محمد کاظم
صفدر علیخاں
عالم علی خاں
علی زمان خاں
محمد علی خاں
رضا یار خاں
حسن رضا خان
محمد نقی خاں
محمد صفدر خاں
تقی یار خان
شیخ محمد تقی
شیخ اویس ثانی



میر دلاور علی دانش

سنہ ۱۲۴۴ھ تا سنہ ۱۳۴۰ھ

مصنف ریاض مختاریہ، تحفۂ عثمانیہ، حسن یوسف، پنجۂ حیدری
کمال دانش، ہفت بند، کلیات فارسی اردو وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

حمد و ثنا کیوں کر ادا ہو اُس خلاق جہاں کی جس کے نظام عالم کو دیکھ کر حکمائے کاملین و انبیائے مرسلین کی عقل حیران ہے۔ اگرچہ کما حقہٗ دیکھنے اور سمجھنے کے لائق بصیرت و ادراک کسی کو کہاں ہے جَل جلالہٗ عظم شانہٗ۔ مگر ہاں! وہ سمجھ سکتا ہے جس کو خلاقِ عالم نے اپنے نور پاک سے بنایا ہے۔ اور بصیرت و ادراک کامل سے سرفراز فرمایا ہے۔ یعنی سالار انبیا محبوب خدا احمد مختار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الاطہار و اصحابہ الاخیار وسلّم۔

بعد حمد ایزد پاک و نعت شہ لولاک واجب ہے دعا و ثنائے پادشاہ عہد و ولی نعمت رعایا پرور، عدل گستر، منبع فیض و عطا۔ معدنِ رحم و سخا نواب مستطاب عالی جناب فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ سابع ظل اللہ اعلیٰ حضرت

بندگانِ عالی مدّ ظلّہ العالی مادامت الایّام و اللّیالی۔ لمولفہ

موردِ الطافِ حق ظلِّ الہٰ
حبّذا عثماں علیخاں بادشاہ

نوجوانی میں ہوئے گو حکمراں
عقل سے لیکن ہوئی پیری عیاں

قدردانِ ماہرِ کارِ سخن
صیرفیٔ درِّ شہوارِ سخن

قدرافزائے ہنرمندانِ ملک
پرورش فرمائے باشندانِ ملک

رحم و جود و ضبط و حزم و عزم و جزم
جملہ اسرارِ نظامِ رزم و بزم

ہیں بحمد اللہ حاصل شاہ کو
کیوں نہوں لازم ہیں ظلّ اللہ کو

معدلت سے ہر کہ و مہ شاد ہے
مملکت سب خرّم و آباد ہے

کون ہے دنیا میں ایسا بادشاہ
پرورش فرمائے مخلوقِ الہٰ

منصب و جاگیر سے انعام سے
پالتا ہے ہم کو کس آرام سے

فکر کیا پسماندگوں کی ہوں جے
فضلِ حق سے پالنے والا تو ہے

پشتہا پلتے یوں ہی آئے ہیں سب
اس کو ظلّ اللہ زیبا ہے لقب

خوش رہیں یارب بحقِ پنجتن
ہفتم آصف جاہ سلطانِ دکن

سلطنت آباد یہ دایم رہے
حکمرانی شاہ کی قایم رہے

رازقُ العِبادُ اس بندہ پرور بادشاہ کو مع شہزادگان بلند اقبال خرم و شاد اور سلطنت کو دایم آباد رکھے بحقِ محمّد و آلہ الامجاد علیھم الصلوٰۃ

والسَّلام۔ پروردگار کیوں نہ شاد و آباد رکھے گا کہ اس ریاست میں پرورش اُس کے
بندوں کی ایسی ہے کہ کسی ریاست میں نہیں ہے۔

بعد دعا و ثنائے شاہِ ذی جاہ نیز لازم ہے ستایش وزیر سلطنت کی۔ وزیر بھی وہ
جس کے اوصاف جدّ مغفور کا نمونہ یہ کتاب ہے۔ کتاب نہیں بلکہ ابواب اوصافِ موصوف
میں کا ایک باب ہے۔ یعنی نیّر آسمانِ امارت و وزارت۔ معدنِ مراحم و مروت۔
ذکی الطبع کریم النفس۔ سخن شناس، نکتہ رس ملولفہ

از نیک و بد کلام واقف — آقا و مربیِ مولّف

وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر سلطنتِ آصفیہ
عالی جناب نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ بہادر دام اللہ اقبالہٗ۔

واہ کیا عہد مبارک ہے کہ پادشاہ ذی جاہ نوجوان باعقلِ پیر، تو وزیر بھی تازہ
جوان باتدبیر۔ وہ شہریار قدرداں، تو یہ وفادار دیواں۔ وہ خدیو سکندر صولت، تو یہ
دستور ارسطو فطرت۔ وہ فرماں روائے رعایا پرور، تو یہ فرماں بر عدل گستر۔ وہ مہر سمائے
ہفتم آصف جاہی، یہ ہفتم وزیر و دیوانِ خاندانِ منیر الملک خلد آرام گاہی۔

حافظ حقیقی اس شاہ و وزیر کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں خوش و خرم اور عدل
گستری و رعایا پروری میں شہرۂ عالم رکھے

خدایا ز چشمِ بداں دور باد
بد اندیشِ شاں خوار و مقہور باد

سببِ تالیفِ کتاب

جس وقت سنہ ۱۳۰۰ھ میں مختار الملک مغفور اول نے رحلت کی تو سب کو یہ خیال تھا کہ جب تک یہ ریاست ابد مدت قایم ہے اس وزیر باوفا کی جاں فشانیاں بھولی نہ جائیں گی لیکن اس تیس برس کے عرصہ میں جو غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ خیال محض خیال تھا۔ کیوں کہ جو مسن لوگ ملک کی خستہ حالیٔ سابق کا معائنہ کئے ہوئے تھے سِن طبعی کو پہنچ کر اکثر اُٹھ گئے اور اُٹھے جاتے ہیں۔ جو حضرات زمانہ مابعد کے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قدیم سے ملک کی یہی حالت تھی جو اس وقت ہے فقط اتنا خیال ہے کہ مختار الملک مغفور دانش مند وعقیل مدار المہام گزرے ہیں۔ بلکہ بعض ناواقفوں کا خیال یہ ہے کہ غیر ملکیوں کو اس ملک میں مغفور نے بھر دیا اور عہدوں پر مسلّط کر دیا جس کے باعث اہلِ ملک کو کوئی خدمت نصیب نہیں ہوتی ہے۔ اس خیال کی برطرفی تو باب دوم میں اس مقام پر ہوگی جہاں ضلع بندی کا ذکر آئے گا۔ مگر افسوس ہے کہ مغفور موصوف نے رفاہِ عام ملکی میں جو مشقتیں اٹھائی ہیں اور جو خونِ جگر تیس سال پیا ہے وہ ایسا نہ تھا کہ اس قدر جلد بھولا جائے۔ جلال الدولہ مرحوم۔ ناظم الدولہ مرحوم۔ صدیق یار جنگ مرحوم ناظم دفتر ملکی۔ حکیم باقر نواز جنگ مرحوم۔ حکیم حیدر نواز جنگ مرحوم۔ سید عبدالوہاب صاحب مرحوم داروغہ باورچیخانہ وغیرہ۔ متوسلین و ملازمین جو سفر و حضر میں حاضر رہتے تھے، ان میں سے تعجب ہے کہ کسی نے سوانح عمری نواب صاحب مغفور کی مفصل لکھنے کا خیال نہ کیا۔ اگر لکھی جاتی تو ایک تاریخِ عمدہ و تالیفِ فرخندہ مرتب ہوتی۔ حتیٰ یہ کہ

کسی سفر کا سفرنامہ تک نہ لکھا۔ منشی محمد صدیق صاحب ناظم دفتر ملکی نے جو مختصر سفرنامۂ لندن کا لکھا ہے جس کو ان کے عزیزوں نے سفرنامۂ مختار الملک مغفور قرار دے کر طبع کرایا ہے، وہ دراصل سفرنامہ منشی صاحب موصوف کا ہے کیوں کہ اُس میں جس قدر اپنی سرگزشت مفصلاً لکھی ہے اُس قدر مغفور کے حالات نہیں۔ بسا تواریخ چھوٹ گئی ہیں کہ ان میں مغفور کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ نواب خان خاناں بہادر و سیدی عنبر خانساماں وغیرہ ہمراہانِ مغفور سے اکثر حالات مغفور کے سُنے گئے ہیں اور مرقعۂ عبرت میں مندرج ہیں جو سفرنامۂ مذکور میں نہیں ہیں۔ پس ایسی حالت میں مولوی سید حسین صاحب بلگرامی، نواب عماد الملک بہادر نے جو مغفور کے دلی خیر خواہ و معتمد خاص و واقف کار تھے بعد وفات نواب صاحب مغفور مختصر سوانح عمری مغفور کی زبانِ انگریزی میں جو تالیف کی ہے جس کا ترجمہ مولوی مہدی حسن فتح نواز جنگ مرحوم نے اردو میں کر کے **مرقعۂ عبرت** نام رکھا ہے۔ وہ نہایت اعلیٰ و عمدہ تالیف ہے۔ خاندانی حالات اور بدانتظامی زمانہ سابق، و زیر باری ریاست کی کیفیت اور واقعات حضر و سفر اور حسن انتظام ملک میں از ابتدائے مدار المہامی تا زمانۂ وفات جس قدر زحمتیں اس وزیر باتدبیر نے اٹھائی ہیں اور جاں فشانیاں کی ہیں وہ سب مرقعۂ عبرت میں مختصر و مفید بیان کی گئی ہیں۔ اُن میں سوء انتظام زمانۂ سابق کا بیان بھی مختصر ہوا ہے حالاں کہ وہ جس قدر مفصل بیان کیا جائے مناسب تر ہے۔ تاکہ اُس وزیر باتدبیر وفادار کی کارگزاریاں اہل زمانہ حال و آئندہ پر بخوبی انکشاف پائیں اور اس وزیر مغفور کی جاں فشانی ہائے سی سالہ کا (جو

محض خیر خواہی سلطنت و رفاہِ عام میں کی ہیں) مقتضا بھی یہی ہے کہ جملہ اہل ملک ان خیر خواہ رئیس و رعایا کی ریاضتوں کو ہمیشہ قدر دانی کی نظر سے دیکھا کریں اور بہ آگاہی حالات بدنظمی زمانہ سابق و بملاحظہ حسن انتظام و فرط آرام زمانہ حال مغفور کو دعائے خیر کے ساتھ یاد کریں ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

مگر افسوس ہے کہ کمترین مولّف کو اس تالیف کی ضرورت نے ایسے بے سر و سامانی کے وقت مجبور و مامور کیا ہے۔ کاش چند سال قبل انتقال مغفور اس امر کی توفیق ہوتی کہ اُس وقت آلام و آفاتِ دنیوی و ضعفِ پیری سے دل و دماغ مولّف کے محفوظ تھے۔ عہد وزارت مغفور ممدوح تھا۔ باخبرانِ کبیر السّن موجود تھے۔ حالات اول و آخر باطمینان کامل فراہم و تالیف ہونے کی امید تھی۔ مگر اب کیا کیا چاہئے۔ کُل کے افسوس میں جزو کو بھی ہاتھ سے دینا خلافِ عقل و دانش ہے۔ لہذا کمترین ہیچ مداں، کج مج زباں، نمک پروردہ موروثی سرکار عالی۔ وابستہ قدیمی درِ دولت سالار جنگی میر دلاور علی دانش ابن آقا سید علی رشتی مرحوم المتخلص بہ سید نے باوصفِ عدم لیاقت و پریشان خاطری و ضعفِ پیری اس کام پر نظر بخدا کمرِ ہمت باندھی ہے۔ لفظ رشتی سے مراد یہ ہے کہ مولّف کے والد ماجد ملکِ رَشت سے تھے جو من جملہ بلادِ ایران ہے۔ یہ سن ہجدہ سالگی اواخر عہد مغفرت منزل میں آکر ملازم سرکار عالی و شریک دربار شعرائے مہاراجہ مدار المہام متوفی ہوئے۔ تا آں کہ ہمراہ مدار المہام خدمت سراج الملک بہادر میں آئے سو برس اسی در دولت سے مدت العمر خود مع اولاد وابستہ و متوسل رہے۔ سراج الملک بہادر نے

والدِ مولّف کو جو اہلِ زبان و نہایت خوش لہجہ و خوش بیان تھے اتالیقی و تعلیم زبان فارسی کے لئے نواب میر تراب علی خاں بہادر سالار جنگ کی خدمت میں متعین فرمایا تھا۔ والدِ مرحوم کے اشعار جو کچھ مرقوم تھے طغیانی رودِ موسیٰ میں مع بیت و اثاث البیت تلف ہو گئے۔ چند شعر غزل کے جو مولّف کے حافظے میں محفوظ رہے سو یہ ہیں ؎

چوں جانبِ گلشن رود آں گلبدنِ من
خواہم کہ شود خاکِ رہش جان و تنِ من

با غیر تو ہر گہ بہ تماشا بخرامی
از رشک بہ تن چاک شود پیرہنِ من

آں خنجرِ مژگانت چناں بر جگرم خورد
خوں تا بہ صفِ حشر چکد از کفنِ من

سیّد تو مکن نالہ و فریاد ازیں بیش
شاید کہ بہ دادِ تو رسد ذوالمننِ من

والدِ مرحوم فرماتے تھے کہ یہ غزل حسب ایمائے مغفور کہی گئی تھی۔ بجوابِ غزل محمد اعظم علی خاں اُمید۔

الحَاصِلُ خیال یہ ہے کہ مآثر الامرا۔ حدیقۃ العالم۔ مرقعہ عبرت رشید الدین خانی۔ خورشید جاہی۔ سوانح عمری امیر علی ٹھگ۔ رسالہ تالیف لالہ برج ناتھ خیال۔ رسالہ امانی علاقہ برار۔ رسالہ خصوصیات اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہ۔ ہدیہ مہدویہ۔ رویداد حیدر آباد دکن۔ موازنہ بابتہ ۱۲۸۰ھ ف جو ابتداءً بحکم مغفور اول مرتب ہوا تھا۔ نو بہار دکن۔ تاریخ دکن۔ مجموعہ قصاید و تواریخ عہد ارسطو جاہ مرحوم جس کا دیباچہ شاہ تجلی نے لکھا ہے۔ ایضاً مجموعہ بابت عہد

میر عالم مرحوم موسوم بہ بُستانِ سخن ایضاً بابتہ عہد منیر الملک مرحوم موسوم بہ اوصافِ نیر۔ ایضاً بابت عہد مختار الملک مغفور اول موسوم بہ حدیقہ مختاریہ۔ سفرنامہ منشی محمد صدیق موسوم بہ سفرنامہ مختار الملک مغفور اول' وغیرہ کتب کتاب خانہ علاقہ سرکار فیض آثار نیّرِ اعظم آسمانِ امارت۔ سراج منیر دودمان وزارت درثمین بحرِ فیض و کرم۔ سالار زماں امیرِ عالم۔ یوسف مصر عزت و اقبال۔ ماہِ منیر فلکِ جاہ و جلال عالیجناب نواب میر یوسف علی خاں بہادر سالار جنگ طال اللہ عمرہٗ و دام اقبالہٗ مدار المہام سرکار عالی سے جو بدولت مہتمی کتاب خانہ موصوف مولّف کو میسر ہیں مدد لی جائے۔ نیز ابتدائے سن شعور سے خود مولّف نے جو کچھ معاینہ کیا ہے اور قدیم بزرگوں سے سُنے ہوئے حالات زمانۂ سابقہ جس قدر یاد ہوں لکھے جائیں کہ شاید آئندہ کسی سے یہ بھی ممکن نہ ہو۔

پہلے زمانہ سابق یعنی قبل مدار المہامی مغفور موصوف جو حالت اس ملک کی ظاہراً و باطناً تھی اُس کا نقشہ حتیٰ الامکان کھینچا جائے کہ اصل مقصود بھی اس تالیف سے یہی ہے تاکہ اہل زمانہ حال و آئندہ پر منکشف ہو کہ ملک کی حالت کیسی ہو گئی تھی اور اس کو مختار الملک مغفور اول نے بکمالِ جاں فشانی و ریاضت کیا کر دکھایا ہے اور نام اس کارنامہ کا ریاضِ مختاریہ بہ سلطنتِ آصفیہ مناسب جانا اور اس میں ایک مقدمہ دو باب ایک ضمیمہ قرار دیا۔ ناظرین کی نیک نفسی سے امید ہے کہ اگر کوئی سہو و خطا اس میں پائیں گے تو معاف فرمائیں گے کہ ہیچ فرد بشر خالی از خطا نبود۔

مردِ دانا بہر چہ درنگرد — عیب بگزارد و ہنر نگرد
ہست در عیب ہا ہنر بینی — از میانِ صدف گہر چینی

مقدمہ واضح ہو کہ طبعِ نازک شاہاں متحملِ زحماتِ شاقہ نہیں ہوتی ہے اس لئے انتظامِ سلطنت کا بار **وزیر** کے سر ہوتا ہے، چنانچہ وزیر کے معنےٰ بار اٹھانے والے کے ہیں۔ اب رہا انتخابِ وزیر، تو وہ بھی حسبِ مناسبت ہر زمانہ بہت اچھا ہوا ہے:۔

(۱) حیدر یار خاں بہادر شیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک اول
(۲) سید موسیٰ خاں بہادر نصیر جنگ رکن الدولہ
(۳) محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک خانخاناں
(۴) سہراب جنگ معین الدولہ مشیر الملک اعظم الامرا ارسطو جاہ بہادر
(۵) سید ابو القاسم میر عالم بہادر
(۶) علی زماں خاں بہادر غیور جنگ منیر الدولہ منیر الملک ثانی
(۷) راجۂ راجگان مہاراجہ چندو لعل بہادر
(۸) فخر الدین خاں شمس الامرا امیر کبیر بہادر
(۹) عالم علی خاں بہادر شیر جنگ سراج الدولہ سراج الملک

سلطنتِ آصفیہ کے یہ جملہ دیوان و وزرائے موصوف ماقبلِ مختار الملک مغفور اول منتظم و مدبر گذرے ہیں۔ ہر ایک نے خیر خواہیٔ آقا میں بقدرِ امکان جانفشانی کی ہے اور دادِ وفاداری دی ہے۔ از آں جملہ مشہور تر رکن الدولہ بہادر، ارسطو جاہ بہادر

میر عالم بہادر ہیں، اور ان وزرا کی خلاصہ جاں فشانیاں اور کارِ نمایاں از روئے تواریخ جس قدر مولف کی نظر سے گزرے ہیں، بر محل و مقام ہر یک بیان کیے جائیں گے۔
اس میں شک نہیں کہ یہ وزرا کارگزاری و جاں نثاری میں بے مثل تھے لیکن نواب صاحب مغفور نے رئیس و ریاست کی بہبودی و ترقیٔ دولت کو باتحملِ مصائب و کاہشاتِ روحی، جان پر کھیل کر درجہ کمال تک جو پہنچایا ہے اور ریاستِ ضعیف جاں بلب کے حق میں بتائیدِ الٰہی جو مسیحائی کی ہے اس امرِ عظیم میں نواب صاحب مغفور آپ اپنی نظیر تھے۔ بعد معائنہ حالات ہر ایک ناظرین معدلت آئین خود انصاف فرما سکتے ہیں۔ اس تفصیلِ وزرا میں از روئے سنین سلسلہ برابر نہ ہو، یا ان کے سوا اور کوئی وزیرِ مستقل کا اسم رہ گیا ہو تو مولف معذور ہے کیونکہ تفصیل وزرا سلسلہ وار صحیح طور پر کہیں نظر نہیں آئی۔ بستانِ آصفیہ جو حال میں طبع ہوئی ہے اس کے مولف مانک راؤ وٹھل راؤ نے بھی اس بارے میں کچھ ایسا ہی عذر کر کے تفصیل وزرا بتلائی ہے جس پر اعتمادِ کامل ہو نہیں سکتا۔ مقامِ غور ہے کہ مولف موصوف حیدر آبادی اور منیر الملک بہادر و سراج الملک بہادر وزرائے سلطنت آصفیہ میں سے جن کا زمانہ حال کا، اُن کی نسبت صفحہ ۱۳۹ بُستانِ آصفیہ میں لکھا گیا ہے کہ نواب میر عالم بہادر کے بعد اُن کے داماد اور نواب سالار جنگ اعظم کے پدر عالی قدر نواب منیر الملک بہادر ۱۵ رجب ۱۲۲۴ھ کو مدار المہام ہوئے الخ۔ اس کے دوسرے صفحہ میں مرقوم ہے کہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ کو سراج الملک نے جو منیر الملک مدار المہام کے بھائی اور سالار جنگ اعظم کے چچا تھے

خدمت دیوانی کا جائزہ لیا الخ یعنے جد کو پدر لکھا ہے اور پدر کو بھائی۔ منیر الملک ۱۲۲۴ھ میں مدار المہام ہوئے جو مرقوم ہے اس میں بھی تامّل ہے کیونکہ مرقعۂ عبرت وغیرہ تواریخ سے اور قطعہ تاریخ من جملہ کتاب اوصافِ منیر سے ۱۲۲۳ھ ثابت ہے۔ قطعۂ مذکور ضمیمہ میں لکھا جائے گا۔

جب متاخرین کے احوال کا یہ حال ہے تو کوائفِ متقدمین کی کیا کیفیت ہوگی چنانچہ اس کے اوپر میر موسیٰ خاں رکن الدولہ مرحوم کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ۱۱۸۹ھ میں قتل ہوئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد نواب وقارالدولہ خدمت دیوانی کو انجام دیتے تھے مگر فیضو نامی ایک سپاہی نے انھیں قتل کیا الخ حالاں کہ تواریخ میں مذکور اور دکن میں مشہور ہے کہ رکن الدولہ بہادر کو فیضو نامی گاردی نے قتل کیا ہے نہ کہ وقارالدولہ کو۔ باوجودیکہ مولف موصوف نے بقول خود بُستانِ آصفیہ کی تالیف میں سالہائے سال بڑی بڑی زحمتیں اُٹھائی ہیں اُس پر یہ کیفیت ہے۔ اصل یہ ہے کہ سہو و خطا لازمۂ بشری ہے خصوصاً تالیف و تصنیف نہایت نازک و سخت مشکل کام ہے اور ہر ایک شخص اس کام کا اہل ہو نہیں سکتا۔ بہر حال جس قدر حالات حکام و آثار وغیرہ قدیم و جدید دکن بُستانِ آصفیہ میں ہیں ایسے کسی میں نظر نہیں آئے۔ یہ تاریخ اپنے ہمعصر تواریخ سے بڑھی ہوئی ہے۔ مولف نے واقعی بڑی زحمت اٹھائی ہے۔

مولّف ہیچ مداں نے یہ چند جزو جو لکھے ہیں معلوم کیئے ہوئے کچھ حالات زمانۂ قبل مدار المہامی نواب صاحب مغفور کے ہیں اور کسی قدر کیفیت خاندانِ مغفور کی او

عہد مدار المہامی مغفور موصوف کی ہے۔ ضمناً متقدمین کا کچھ ذکر آ گیا ہے سو وہ از روئے تواریخ وغیرہ بقدرِ امکان تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ برایں ہم اگر کوئی غلطی وقوع میں آئے تو عجب نہیں کہ مولّف بھی انسان ہے اور ضعیف۔

مجملاً احوال حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

سر سلسلہ دودمانِ عالیشان نواب مختار الملک سر سالار جنگ مغفور اول

تذکرۃ الاولیا مولفہ حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ اور تاریخ روضۃ الصفا وغیرہ سے معلوم ہوا کہ ملک یمن میں ایک موضع کا یا ایک سردار قبیلہ کا نام قرن ہے اُس سے منسوب خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مشہور عاشقِ نادیدہ جناب رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اور ولی کامل بارگاہ احدیت کے تھے جن کے اوصافِ حمیدہ تذکرۂ موصوف وغیرہ سے بہت کچھ عیاں ہیں محتاجِ بیان نہیں۔ تمام عالم میں مشہور اور فریقین میں مذکور ہیں۔

جناب شاہِ اولیا علی ابن ابی طالب علیہ التحیتہ والثنا جس وقت عازمِ جنگ صفّین ہوئے تو خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ آخر عمر میں بکمالِ شوقِ شرفِ ملازمت وذوقِ سعادتِ شہادت خدمت مبارک میں شاہِ اولیا کی حاضر وقدم بوس ہوئے۔ جناب شاہ اولیا بھی اس بزرگ کی ملاقات سے نہایت خوشنود ہوئے اور تعظیم سے پیش آئے۔ تاآں کہ وہ ولی خدا یعنے حضرت خواجہ اویس قرنی بہ نصرت ورفاقت جناب شاہ اولیا علیہ التحیتہ والثنا جنگ مذکور میں درجۂ شہادت پر فائز

ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

اُن کی اولاد میں ملقب و موسوم بہ شیخ اویس دو بزرگ اور ہوئے ہیں۔ ایک شیخ اویس ثانی، دوسرے شیخ اویس ثالث۔

مآثر الامرا۔ تزک آصفی۔ حدیقۃ العالم۔ نظام الانساب وغیرہ تواریخ سے ظاہر ہے کہ ۱۶۵۶ء سنہ میں بقولے ۱۶۷۲ء مطابق ۱۰۶۷ھ میں شیخ اویس ثالث جو مدینہ طیبہ کے متولی اوقاف تھے اور اُس زمانہ میں وہ بہترین خدمت وہاں کی تھی۔ مع یک فرزند شیخ محمد علی نام، مدینہ طیبہ سے نکل کر چندے بحرین میں رہے پھر وہاں سے دریا کی راہ سے بندر کوکن میں آئے جو کہ سمت جنوب دکن کنارہ دریائے شور واقع ہے۔ بعد ازاں کوکن سے روانہ ہو کر بیجاپور میں وارد ہوئے تو پادشاہ عہد علی عادل شاہ ثانی ابن سلطان محمد عادل شاہ ابن سلطان ابراہیم عادل شاہ نے اُن کے مقدم خیر کو مغتنمات سے سمجھ کر بہ کمالِ اصرار اپنے پاس رکھا اور اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اُن کے لئے قریب درگاہِ قدمِ رسول ایک مکان عالیشان تعمیر کر دیا تھا۔ شیخ محمد علی موصوف کو زیور قابلیت سے آراستہ پا کر عہدۂ دبیری سے ممتاز کیا اور یہ عہدہ اُس وقت میں بہت جلیل سمجھا جاتا تھا۔ ان کا باقی احوال آئندہ پر رکھا گیا ہے۔ پہلے مختصر حال ملّا احمد نایت اور درگاہ قلی خاں سالار جنگ کا بیان کر دینا مناسب ہے کیونکہ یہ ہر دو بزرگ خاندانِ عالی شان سر سالار جنگ مغفور اول سے تعلق رکھتے ہیں، اور آئندہ برمحل ان ہر دو معززین کا ذکر آئے گا۔

مختصر احوال ملّا احمد نایت مرحوم

قبیلۂ بنی قریش کے شرفائے مدینہ منورہ جو بخوفِ ظلم حجاج بن یوسف ظالم وطن چھوڑ کر نکل گئے اور ۱۵۲ سنہ ہجری میں بذریعہ جہاز بندر کوکن علاقہ دکن میں آکر مقیم ہوئے تھے۔

لفظِ نایت کی تحقیق تاریخ مآثر الامرا سے یہ ہوئی ہے کہ ابتدائے اہل کوکن وغیرہ ان تازہ واردوں کو نو آمد یا نو آمدہ کہنے لگے تھے۔ رفتہ رفتہ کثرتِ استعمال سے مخفف و محذوف ہو کر نایت قرار پایا۔ الحاصل اُن کی اولاد میں سے ملّا احمد نایت تھے جو بوجہ علم و فضل و کمال و ذکاوت و قابلیت والیٔ بیجاپور علی عادل شاہ ثانی ابن سلطان محمد عادل شاہ کے موردِ عنایات ہو کر تھوڑے عرصہ میں رکنِ رکین ریاست و مدار المہام سلطنت ہو گئے۔ بعد ازاں کسی وجہ سے ملازمت علی عادل شاہ موصوف سے برداشتہ خاطر ہو کر بہ تمنائے ملازمتِ عالم گیر بادشاہ مع فرزند روانہ ہندوستان ہوئے تھے۔ بادشاہ موصوف نے بھی خبر پاکر بہ کمالِ قدر دانی ان کے مصارفِ راہ کے لئے دو لاکھ روپیے اور ان کے فرزند کے لئے پچاس ہزار روپئے بذریعہ راجہ جے سنگھ جو بالشکر گراں منجانب بادشاہ موصوف دہلی بہ قصدِ بیجاپور آیا تھا۔ مرحمت فرمائے تھے۔ اور عطائے منصب ششش ہزاری و شش ہزار سوار مع خطاب و

عہدۂ جلیلہ کا غائبانہ وعدہ سرفرازی فرمایا تھا۔ لیکن ملا احمد موصوف نے احمد نگر تک پہنچ کر وفات پائی۔ گویا ان کی خاک نے کہا، یہ احمد نگر ہے، اپنے نگر میں آکر اب کہاں جاتے ہو یہیں رہ جاؤ۔

ان کا فرزند محمد اسد حسب فرمان عالم گیر بادشاہ کی حضوری میں پہنچ کر منصب ہزار و پان صدی ہزار سوار و خطاب اکرام خاں وغیرہ عطایا سے سرفراز ہوا۔

مجملاً احوال درگاہ قلیخاں سالارجنگ مرحوم

واضح ہو کہ نواح مشہد مقدس میں ایک قبیلہ ترکوں کا موسوم بہ بور بور الوس خانان سیہ خیمہ ہے اُس قبیلہ سے درگاہ قلی خاں سالارجنگ ابن خاندان قلیخاں ابن نوروز قلیخاں ابن درگاہ قلیخاں ابن خاندان قلیخاں تھے۔ خاندان قلیخاں کو صوبہ دار کشمیر علی مردان خاں نے بکمال اعزاز و اکرام اپنے پاس رکھا تھا۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے فرزند درگاہ قلیخاں کو بہ اعانت علی مردان خاں موصوف پیشگاہ شاہ جہاں پادشاہ سے منصب و جاگیر بہ نواح ٹھٹہ مرحمت ہوئی۔ نیز خدمت میر سامانی سرکار علی مردان خاں متعلق ان سے تھی۔

علی مردان خاں کی رحلت کے بعد شہزادہ اورنگ زیب کے متعین منصب داروں میں مقرر ہو کر ہمراہ رکاب شہزادہ موصوف دکن میں آئے۔ پھر دکن سے ہندوستان واپس جا کر رحلت کی۔ ان کا فرزند نوروز قلی خاں قلعہ داری قلعہ دار دار علاقہ بیجاپور سے سرفراز ہو کر وہیں فوت ہوا۔ اُن کا فرزند خاندان قلی خاں منصب و جاگیر سے ممتاز ہو کر منصب داران متعین اورنگ آباد میں معمور رہا اور عہد شاہ عالم خلد منزل میں وقایع نگاری سنگمنیر اور فوجداری محالات پر وہاں کے ممتاز ہوا۔ نواب آصف جاہ طاب ثراہ نے اپنے عہد میں اپنی خاص خدمتوں پر معمور فرمایا۔ ان کے خلف الصدق درگاہ قلی خاں

سالار جنگ بتاریخ ۲۹ ر ماہ رجب ۱۱۲۲ھ شگیر میں متولد ہوئے۔ جب چودہ[۱۴] برس کا سن ہوا تو نواب آصفجاہ مغفرت مآب نے انہیں منصب و جاگیر سے سرفراز فرمایا۔ جب بیس[۲۰] برس کا سن ہوا تو اپنے اسٹاف میں شریک فرما کر اکثر کام اپنی پیشی کے لینے لگے۔ انھوں نے ان خدمات کو کمال خوبی سے ادا کیا جس کے باعث تادم آخر مورد عنایات مغفرت مآب رہے۔ ماہ جمادی الآخر ۱۱۶۳ھ میں کوتوال بلدہ خجستہ بنیاد ہوئے۔ معرکۂ نادر شاہی میں ہمراہ رکاب رہ کر حد سے زیادہ جاں فشانیاں کیں۔ عصر نظام الدولہ ناصر جنگ بہادر میں بھی سربرآوردہ رہے۔ عہد امیر الممالک نواب صلابت جنگ میں منصب ششہزاری اور خطاب موتمن الدولہ و صوبہ داری اورنگ آباد سے کامیاب ہوئے۔ جب جملہ حکومت دکن ذات آصفجاہ ثانی سے متعلق ہوئی تو منصب ہفت ہزاری و ماہی و مراتب و خطاب موتمن الملک کا مرتبہ حاصل کیا۔ نیز عماری دو جھالردار کا اختصاص پایا اور ۱۱۷۵ھ میں مخاطب بہ خاندوران ہوئے۔ بعد قتل راجہ بہادر جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہوا تھا۔ اور شاہی چھاونی خجستہ بنیاد میں پڑی تھی تو بکمال کرم و مرحمت نواب آصفجاہ ثانی نے مع محلات مبارک ان کی حویلی میں فروکش ہو کر چندے اقامت فرمایا تھا۔ بعد ازاں بمقتضائے دور فلک جو یکساں نہیں رہتا غرہ ماہ رجب ۱۱۷۹ھ کو صوبہ داری اورنگ آباد سے معزول ہو کر پنجم ماہ ذیحجہ سنہ مذکور کو بہ کمال تحمل اپنی جاگیر نظام آباد میں جا کر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں پھر بحالی کے اسباب مہیا ہو رہے تھے کہ مرض سرسام سے بتاریخ ۱۸ ر ماہ جمادی الاولی ۱۱۸۰ھ

رحلت کی۔ ان کی میت کو نظام آباد سے اورنگ آباد میں لاکر ان کے والد کے مقبرے میں دفن کیا۔

درگاہ قلیخاں اور شیر جنگ بہادر آبائی امرائے دربار شاہی سے تھے متعین ہوکر ہمراہ آصفجاہ بہادر دکن میں آئے تھے۔ الحاصل درگاہ قلیخاں مرحوم موصوف امیر ذیجاہ دانش آگاہ خلق و رحم وکرم و شجاعت و ذکاوت میں بے مثل تھے۔ ان کی سواری جس میں الغوزہ نواز بھی رہتے تھے نہایت باتجمّل ہوتی تھی۔ ان کے دو فرزند اور ایک دختر تھیں۔ ایک امام قلیخاں دوم وصی قلی خاں۔ بعد انتقال درگاہ قلیخاں مرحوم ہر دو فرزند موصوفین بتوجہ و امداد شیر جنگ مغفور پیشگاہ آصفجاہ ثانی سے سرفراز ہوئے یعنی امام قلیخاں اکبر فرزند بہ ارث پدری خطاب مؤتمن الملک سالار جنگ خان عالم و جاگیر ذات علاقہ برار و خجستہ بنیاد میں۔ وصی قلیخاں بخطاب درگاہ قلیخاں خاں زماں و جاگیر ذات علاقہ مذکور سے سرفراز و ممتاز ہوئے۔ دختر درگاہ قلی خاں مسماۃ بہجت بیگم جو بطن صبیہ حنیف الدین خاں علیہ الرحمہ سے تھیں ان کا ذکر احوال محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ میں آیندہ آئیگا۔

اب یہاں سے بقیہ احوال فرزند خواجہ اویس ثالث یعنی شیخ محمد علی کا بیان کرنا لازم ہے کہ بیجاپور میں ملا احمد نایت مدار المہام علی عادل شاہ ثانی نے جس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اپنی دختر عفیفہ شیخ محمد علی موصوف دبیر خاص علی عادل شاہ ثانی کو دی۔ شیخ محمد علی موصوف مرحوم نے ایک حمایل قلمی خوشخط جو اپنے فرزند محمد باقر مرحوم

کو ہبہ کیا تھا وہ حمایل کتاب خانہ سرکار نواب سالار جنگ بہادر حال میں موجود ہے بنظر اختصار صرف مہر کی نقل یہاں کر دی گئی ہے جو خاتمہ عبارت ہبہ پر ثبت ہے وھو ھذا[1] محمد علی شیخ اویس الحاصل اس بی بی کے بطن سے شیخ محمد علی کے

[1] ایک کلام اللہ حمایل قلمی خط کتاب خانۂ نواب سالار جنگ بہادر میں موجود ہے جس کو شیخ محمد علی موصوف مرحوم نے اپنے فرزند محمد باقر کو ہبہ کیا تھا۔ اور محمد باقر نے اس کو وقف کر کے اس کا متولی اپنے برادر زادہ محمد رضا ابن محمد حیدر کو قرار دیا تھا۔ اس جملہ عبارت عربی مرقومہ حاشیہ حمایل موصوف معہ دو مہر کی نقل یہ ہے۔

بر حاشیہ کلام اللہ

وهبت هذا المصحف المجيد لولد الرشيد محمّد باقر طال عمره وبقاوه ووقع الايجاب والقبول والقبض والاقباض وصار ملكاً له وفقه الله تعالى تلاوته مع شرايط

انا الفقير محمد علے ابن المرحوم شيخ اويس طاب ثراه

محمد علی شیخ اویس

قد دخل فی ملکی بهبة ابی وانا الفقیر الی الله الغنی

محمد باقر ابن شیخ محمد علے بیض

وقفت هذا المصحف المجيد علے جميع المومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات الموجودين والموجودات والمتولدين والمتولدات قربةً الى الله وجعلت نفسی الناظر والمتولی عليه ما كنت حيا وبعد وفاتی النظر والتولد عليه لمحمّد رضا ابن اخی المرحوم محمّد حيدر بيد والواقف محمّد باقر ابن شيخ محمّد علی ابن شيخ اويس الاويسی نسباً والاوقافی لقباً بيض

محمد باقر علی ابن شیخ محمد

دو فرزند تھے ایک شیخ محمد باقر دوم شیخ محمد حیدر۔ شیخ محمد باقر کو سرکار علی عادل شاہ موصوف میں خدمت میر سامانی عطا ہوئی۔ اور شیخ محمد حیدر کو عہدہ مستوفی الممالک کا مرحمت ہوا۔ یہ دونوں بھائی عہد سکندر عادل شاہ تک بیجاپور میں اپنے عہدوں پر قایم تھے۔ بعدازاں جب مصطفیٰ خاں وزیر سکندر عادل شاہ سے ناسازی پیدا ہوئی تو عالمگیر پادشاہ کی خدمت میں عرضداشت روانہ کی اور حسب الطلب پادشاہ موصوف بہ ہر دو برادر شرف اندوز دربار عالمگیر پادشاہ ہوکر شیخ محمد باقر منصب دو ہزاری پانصد سوار فوجدار و دیوانی دارالخلافت شاہ جہاں آباد و کشمیر سے سرفراز ہوئے۔ اور شیخ محمد حیدر منصب ہزار و پانصدی سہ صد سوار و عہدۂ دیوانی فوج پادشاہزادہ محمد اعظم شاہ سے ممتاز ہوئے۔ اور ایک مدت تک ان خدمات پر مقرر تھے تا آنکہ شیخ محمد باقر نے بتوسّل اسد خاں وزیر اعظم معروضہ گذرانا کہ آب و ہوائے ہندوستان فدوی کے ناموافق ہے امیدوار ہوں کہ دکن پر متعین کیا جاؤں۔ بادشاہ نے براہِ عنایات معروضہ پذیرا فرمایا اور دیوانی کل دکن نظام شاہی و عادل شاہی پر معمور فرماکر رخصت فرمایا۔

شیخ محمد باقر نے دکن میں آکر بہ کمال معتبری بسر کی۔ آخر عمر میں خدمت سے مستعفی ہوکر اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی اور تاحیات جاگیر ذات بحال تھی تا آنکہ ۱۱۲۸ھ میں رحلت کی۔ یہ مرحوم علوم معقول و منقول میں عالم جیّد اور صاحب تصنیفات و متّقی و زاہد تھے۔ کتاب تلخیص المرام فی علم الکلام نیز روضۃ الابرار

وزبدۃ الافکار علم حکمت وغیرہ میں ان کی تصانیف سے ہیں۔ ملا محمد فصیح تبریزی نے کتاب مذکورہ ودم کا یہ نام رکھا ہے۔ ان کے فرزند شیخ محمد تقی کو عہد عالمگیر پادشاہ میں سہ صدی اور عصر بہادر شاہ میں پانصدی منصب پنجاہ سوار تھے۔ عہد محمد فرخ سیر میں داروغہ جزیہ خجستہ بنیاد ہوئے۔ جب نواب مغفرت مآب آصفجاہ حکومت دکن پر آئے تو پیشگاہ نواب ممدوح سے داروغگی احتشام جملہ قلعہ جات دکن مرحمت ہوئی تاآنکہ سنہ ۱۱۴۵ء م سنہ ۱۷۲۲ء میں مرحوم ہوئے۔

خلاصہ حال حیدر یار خاں بہادر شیر جنگ نیر الدولہ نیر الملک اوّل

شیخ محمد تقی موصوف مرحوم کے فرزند شمس الدین محمد حیدر المخاطب بہ حیدر یار خاں بہادر شیر جنگ نیر الدولہ نیر الملک اول سرداد نواب صاحب مغفور اوّل کے ۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۱ئہ میں متولد ہوئے۔ ان کا مادہ تاریخ عالی بخت ہے صغیر سنی میں منصب صدی عالمگیری سے سرفرازی پائی۔ جب سن تمیز کو پہونچے تو ملازمت میں نواب آصفجاہ کی پہونچ کر منصب دو صدی و داروغگی فیلخانہ سے سرفراز ہوئے۔ بعد انتقال والد باضافہ صدی منصب ان کا سہ صدی تک پہونچا تھا۔ نواب مغفرت مآب دکن سے عازم شاہ جہاں آباد ہوئے تو شمس الدین محمد حیدر ہمراہ رکاب تھے۔ تقرب روز افزوں ہوتا گیا تا آنکہ خدمت عرض بگی کا اعزاز حاصل ہوا۔ بعد جنگ نادر شاہی ۱۱۵۲ھ میں منصب شش صدی و خطاب حیدر یار خاں سے ممتاز ہو کر ایسے معتمد علیہ و مشار الیہ ہوئے کہ نواب مغفرت مآب جب کبھی حضوری میں شہنشاہ کی جاتے تھے تو سوائے حیدر یار خاں موصوف اور درگاہ قلیخاں کے کسی تیسرے کو ہمراہ نہ لیجاتے تھے۔ شاہ جہاں آباد سے جب دکن میں واپس آئے تو بعد معرکۂ ناصر جنگ و تسخیر قلعہ ترچناپلی منصب حیدر یار خاں کا ہفت صدی ہشت صد سوار تک پہونچا۔ عہد مظفر جنگ میں منصب ہزار و پانصدی

پانصد سوار تک ترقی کی ۔ اور امیر الممالک صلابت جنگ کے زمانے میں اولاً منصب پنجہزاری چہار ہزار سوار پالکی جھالدار و علم و نقارہ و خطاب نیر الدولہ نیر جنگ بہادر دوبارہ باضافہ دو ہزاری منصب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار و ماہی و مراتب و خطاب نیر الملک و خدمت میر سامانی سرکار والا سے نامور ہوئے ۔ بعد ازاں دیوانی صوبجات دکن سے ۱۱۶۸ھ میں سرفراز ہوئے چنانچہ اسناد دو مہری عہد نیر الملک و غیور جنگ جو ہیں وہ دلیل ہیں ان کی اس خدمت پر ۔

نواب آصفجاہ ثانی کے عہد میں اگرچہ بسبب کبر سنی امور وزارت سے کنارہ کش ہوئے تھے اور زمانہ اوایل مدار المہامی رکن الدولہ بہادر کا تھا ۔ جب بھی اکثر امور سترگ حسب صلاح و مشورت نیر الملک بہادر موصوف طے ہوتے تھے ۔ مقدمات متعلقہ سرکار پنڈت پردہان پیشوا و محمد علیخاں والاجاہ بہادر میں سوال و جواب حسب رائے صاحب بہادر موصوف لکھے جاتے تھے ۔

بسبب کبر سنی جب قوہ نہایت ضعیف ہو گئے تو ترک خدمت کر کے اورنگ آباد میں منزوی ہو گئے تھے ۔ تو بھی بندگان عالی آصفجاہ ثانی کے اصرار سے اورنگ آباد کی نظامت کو قبول کر کے باقی عمر کے پانچ سال بہ کمال عدل و غربا پروری و فیض رسانی بسر کئے اور ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں بعمر ہفتاد و ہشت سال رحلت کی ۔ ان کے اوصاف حمیدہ و خصایل پسندیدہ ۔ ماثر الامرا ۔ تزک آصفی ۔ حدیقۃ العالم وغیرہ تواریخ سے ظاہر ہیں ۔ اس عہد کے تمام امرا ان کا احترام و اعزاز خوردانہ

کرتے تھے۔ اور یہ سب کے ساتھ بزرگانہ شفقت فرماتے تھے۔ رکن الدولہ بہادر انہیں اپنا بزرگ جانتے تھے اور عمو صاحب کہتے تھے۔ بجائے خط کے ان کو عرضی لکھتے تھے۔

منیرالملک بہادر اول کے دو فرزند تھے۔ کلان محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ جن کا مفصل حال بعد ذکر رکن الدولہ بہادر بیان کیا جائے گا۔

چھوٹے فرزند تقی یار خاں بہادر ذوالفقار جنگ کو دیوانی و امانت پایباقی وتحصیلداری مطالبہ وغیرہ صوبہ برار ۱۱۹۴ھ میں ہوئی تھی۔ بعد انتقال والد اپنے برادر کلاں موصوف کے ظلّ عاطفت میں ساٹھ سال زندہ رہ کر بعارضۂ فالج لاولد انتقال کیا۔

مجملاً ذکر نواب میر موسیٰ خاں بہادر احتشام جنگ رکن الدولہ[1]

سید محمد ترکنجاں کلید برداران روضہ رضویہ مقدسہ میں سے جب ہند میں آئے تو بلاحظہ علم و فضل ترکنجاں موصوف کو نواب فیروز جنگ بہادر نے اپنے فرزند آصفجاہ بہادر کی معلمی پر متقرر فرمایا۔ بوجہ لیاقت خان موصوف اور ان کی اولاد نے ترقی کی تا آنکہ ان کے پوتے میر موسیٰ خاں رکن الدولہ بہادر ۱۱۷۷ء میں دیوان ہو کر جانفشانی و خیر خواہی نواب نظام علیخاں بہادر غفران مآب میں جو کہ عین جنگ و جدال کا زمانہ تھا کمی نہ کی۔ ماثرالامرا۔ حدیقۃ العالم وغیرہ تواریخ سے معلوم ہوا کہ ۱۱۸۹ء میں بمقام موضع نبیر جب کہ غفران مآب عماری سے اتر کر محلسرائے میں تشریف لے گئے اور رکن الدولہ بہادر کوئی واقعات عرض کرنے کے لئے خیمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ فیضو نامی گاردی نے رکن الدولہ بہادر کے بائیں پہلو میں کٹار سے ایسا مارا کہ خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ یہ واقعہ سن کر غفران مآب برآمد ہوئے تو رکن الدولہ بہادر باوجود زخم کاری کھانے کے ایک ساعت تک کلمات خیر خواہی دولت و وصایا عرض کرتے رہے

---

[1] رقعہ جات شاہ نواز خاں صمصام الدولہ سے معلوم ہوا کہ رکن الدولہ کا نصیر جنگ خطاب تھا۔

بعدازاں انہیں خیمہ قیام میں لے گئے مگر خیمہ میں پہونچے تک روح پرواز کر گئی۔ ان کا یادگار یہاں ایک چشمہ واقع بیرون فتح دروازہ موسوم بہ رکن الدولہ کا بم ہے اور بوجہ خوشگواری وخوبی آب بلدہ میں مشہور اور نگرانی سرکار عالی میں ہے کیونکہ اس چشمہ سے آب خاصہ شاہی جایا کرتا ہے۔ کسی نے یہ تاریخ بنائی چشمہ مذکور خوب کہی ہے

قطعہ

چو آں رکن دولہ بنام حسین بناکرد ایں چشمۂ فیض عام
پے سال تاریخ گفتہ خرد بخور آب سردی بیاد امام
۱۱۸۴

بالائے کوہ شریف مولا علیؑ بھی تین چبوتروں پر مختصر عمارتیں پختہ ان کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض کہتے ہیں راجہ راؤ رنبھا جیونت متوفی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

مجملاً ذکر محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک[۱]

شیر جنگ نیر الملک بہادر اوّل کے فرزند کلاں اشجع الملک بہادر موصوف جو پردادا نواب صاحب مغفور کے تھے بتاریخ ۲۴ ماہ جمادی الاخری ۱۱۴۵ھ م ۱۷۳۲ء متولد ہوئے۔ عہد مغفرت مآب میں منصب دوصدی و نیابت داروغگی فیلخانہ سے سرفراز ہوئے۔ مظفر جنگ بہادر کے عصر میں منصب پانصدی چار سو سوار

نوٹ۔ یہاں ایک علحدہ کاغذ چسپاں ہے جس پر حسب ذیل قطعات تاریخ لکھے ہوئے ہیں۔ مصنف کا نام نہیں ہے۔

[۱] اشجع الملک اشجع الدولہ — خان خاناں بدل غلام بتول
از سر آہ سال رحلت او — حشر او بشود بآل رسول
۱۴ر شعبان ۱۲۰۴ھ

تاریخ انتقال محمد حیدر مخاطب بہ نیر الملک (ربیع الاخری)

"حیدر یار خاں با ایمان" ۱۱۸۹ھ

"حیدر یار خاں عادل" ۱۱۸۹ھ

اُمّ خسان عالم والا نژاد — کرد رحلت از قضا فریاد و داد
سال تاریخش بہ تربت شد رقم — خوابگاہِ بیگم جنت نہاد
۱۲۲۰ھ

وخطاب خانی سے اور زمانۂ نواب امیر الممالک صلابت جنگ بہادر میں اولاً کوتوالی خجستہ بنیاد سے بارِ دوم منصب سہ ہزاری دو ہزار سوار وعلم و نقارہ وخطاب بہادری سے

حاشیہ صفحہ گزشتہ۔

بیگم کالی لقب عالی گہر قدسی جناب
رفت ازیں دار فنا در قرب رب العالمیں

مصرع تاریخش از عرشِ بریں آمد چنیں
مرقدِ پر نور بیگم جلوۂ روئے زمیں
۱۲۴۱ھ

آرامگاہِ خان دوران
۱۱۸۰ھ

اہل عالم سینہ چاک از ماتم سالار جنگ
۱۱۸۰ھ

رحمت النساء خانم اہل خانہ خان زمان
جان بحق تسلیم کردند از دنیا بہ عالم جاودان
۱۲۷۳ھ

فغان از جہان شد امیر کبیر
بدرد و الم خویش ہمسایگان

چو کردم بدل فکر تاریخ او
شدہ میر علیخان بہ مینو مکان
۱۲۲۸ھ

خلفِ موتمن الدولہ امیر والا
ہمخطاب پدر خود بزبانِ عالم

کرد رحلت ز جہاں ہاتف غیبی فرمود
جائے فردوس بود بودن خان عالم
۱۲۳۰ھ

بار سوم بعہد غفران مآب نظام علیخان بہادر سنہ ۱۱۷۴ھ مطابق سنہ ۱۷۶۰ء میں منصب چہار ہزاری و خطاب غیور جنگ بہادر اشجع الدولہ سے جس کا مصرع تاریخ

خطاب اشجع الدولہ ہمایوں

ہے سرفراز ہوئے۔ بار چہارم منصب پنجہزاری چہار ہزار سوار و پالکی جھالردار سے سرمایۂ افتخار حاصل کیا اور منصب ششہزاری ششہزار سوار۔ اس کے بعد بتاریخ ۲۸ ماہ رمضان سنہ ۱۱۹۷ھ مطابق سنہ ۱۱۹۴ف خدمت آبائی دیوانی صوبجات دکن اور خطاب اشجع الملک سے اور بتاریخ ۸ ماہ صفر سنہ ۱۲۰۴ھ مطابق سنہ ۱۷۹۰ء خطاب خانخاناں سے سرفراز ہوئے۔ بتاریخ ۱۴ ماہ شعبان سنہ ۱۲۰۴ھ جب کہ شاہی چھاونی پانگل میں تھی بعارضہ خفقان وغیرہ مرحوم ہوئے۔ مادہ تاریخ رحلت مندرجۂ تزک آصفی یہ ہے۔

حشر او می شود بآل رسول۔

ان کی میت کو اورنگ آباد لیجا کر ان کے والد شیر جنگ مرحوم کے مقبرہ میں دفن کیا۔ ان کی نسبت اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ متانت و بردباری وغیرت و مروت و دینداری و پاس دوستی و رحم و غربا پروری میں بے مثل تھے۔ اور مدعا نویسی و فن نظم میں نہایت صاحب امتیاز تھے۔ یہ چند طبعزاد ان کے ہدیہ ناظرین ہیں ؎

سحر چو برق بت سرخ پوش رفت و گذشت ٭ بیک کرشمہ او عقل و ہوش رفت و گذشت
طریق عشق ز پروانہ مینواں آموخت ٭ کہ سوخت جان عزیز و خموش رفت و گذشت

ولہ درخلوت جنوں کہ دلم آرمیدہ است ۞ خود را ز گیر و دار حوادث کشیدہ است
حاشا کہ آشنائے شکایت شود لبم ۞ از قسمت است انچہ زیاران رسیدہ است
از میکدہ بردن نروم تا ظہور حشر ۞ ساقی مرا بساغر و مینا خریدہ است
زاہد ترا بہ میکشی ما چرا حسد ۞ ما را خدا برای ہمیں آفریدہ است

ان کی شادی درگاہ قلیخاں سالار جنگ موصوف کی دختر بہجت بیگم عرف بہجو بیگم سے ہوئی تھی جو کہ بطن دختر حنیف الدین خاں علیہ الرحمۃ سے تہیں جس کا نسب شریف ابراہیم ادہم قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ اس عفیفہ زمان کے بطن سے محمد صفدر خاں غیور جنگ مرحوم کے چار فرزند اور دو دختریں تہیں۔ ایک دختر مسماۃ فرزند بیگم صاحبہ تہیں جن کی شادی سپہدار جنگ سیف الدولہ بہادر عرف مالی میاں فرزند ارسطو جاہ بہادر سے ہوئی۔ ان کے بطن سے جہاں پرور بیگم صاحبہ تہیں۔ ان کی شادی بعہد نواب نظام علیخاں بہادر ولیعہد سے یعنی نواب سکندر جاہ بہادر سے ہوئی ان کے بطن سے میر پادشاہ فرزند اور دو دختریں تھیں ایک غفور النسا بیگم صاحبہ جو ناکتخدا فوت ہوئیں دوسری۔ نامدار النسا بیگم صاحبہ ان کی شادی نواب ناصر الدولہ بہادر نے ایک منصبدار میر ابوالقاسم المخاطب بہ نصیب الدولہ بہادر شیعی مذہب سے کردی کیونکہ یہ مرشد زادی شیعہ تہیں اور یہ معاہدہ ہوا تھا کہ جہاں پرور بیگم صاحبہ کے بطن سے جو فرزند ہو اپنے آبائی مذہب پر رہے۔ اور دختر اپنی والدہ کے مذہب پر چنانچہ میر پادشاہ حنفی تھے۔ دختر دوم مالی میاں

کی امت اسلام بیگم صاحبہ تھیں جو شہیار الملک بہادر سے بیاہی گئیں۔

دوم دختر غیور جنگ بہادر کی فاطمہ بیگم صاحبہ ان کی شادی میر سید و فرزند ماہ بیگم عرف جہاں بیگم اورنگ آبادی سے ہوئی۔ ان کے بطن سے نجیب النساء بیگم عرف مغل صاحبہ بی بی پیدا ہوئیں جن کو لعل کچہری کا کام تھا۔ ان کی شادی محمد عیسیٰ خاں ابن میر محمد سعید سعید الدولہ کلاں سے ہوئی۔ بعد انتقال شوہر ایک زمانے کے بعد لاولد رحلت کیں ۱۲۸۰ھ یا ۱۲۸۱ھ میں یہ مرحومہ نہایت نیک و عابدہ تھیں۔ کیفیت چہار فرزندان موصوف یہ کہ بعد رحلت والد جاگیرات چاروں فرزندوں پر علی السویہ تقسیم ہوی۔ فرزند کلاں اکرام الملک محمد تقی خاں بہادر قوی جنگ جس کو سرکار آصفجاہ ثانی کی میر سامانی کا اعزاز حاصل تھا اور بوجہ کارگزاری ترقی کر رہے تھے کہ بتاریخ ۴ ماہ جمادی الاخری ۱۲۱۳ھ ہجری مرض اسہال سے انتقال کیا۔

دوسرے فرزند حسن رضا خاں بہادر شوکت الدولہ نیر جنگ جو ابتدائے داروغگی باورچیخانہ بندگان عالی سے بعد ازاں نظامت بلدہ خجستہ بنیاد سے سرفراز ہوئے تھے بتاریخ ۲۸ ماہ شعبان ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء مرض اسہال وغیرہ سے رحلت کی۔

تیسرے فرزند علی زماں خاں المخاطب بہ حیدر یار خاں بہادر میر الملک ثانی کا مفصلاً ذکر بحسب ضرورت سلسلہ دیوانی بعد کیفیت ارسطو جاہ بہادر و میر عالم بہادر

کیا جائے گا۔ فرزند چہارم امین الملک امین الدولہ رضا یار خاں بہادر حسام جنگ تھے جو کہ پئیگاہ بندگان عالی سے بخدمت داروغگی فیلخانہ سرکار سلیمان جاہ بہادر خلف نواب آصف جاہ ثانی متعلق پائیگاہ ارسطو جاہ بہادر معمور تھے۔ عقب بادشاہی عاشور خانہ امین باغ جو مشہور ہے وہ انہیں کا تھا جو بسبب حوادث زمانہ سرکار عالی کے علاقہ میں ہوگیا ہے چنانچہ اوسی استحقاق سے چند علاقہ داران امین الملک مرحوم کو سرکار عالی سے اب تک ماہواریں ملتی ہیں۔ نیز حویلی موسوم بہ فتح محل جو قریب بادشاہی عاشور خانہ سر راہ واقع ہے جس میں مجلس مرافعہ قایم ہے یہ حویلی بھی امین الملک مرحوم ہی کی تھی۔ ان کے ایک فرزند حسن رضا خاں بہادر ذو الفقار جنگ بہادر حسن یاور الدولہ دوسرے درگاہ قلیخاں بہادر عرف درگاہی صاحب ان کی ایک دختر شمس النسا بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی سرفراز جنگ بہادر سے ہوئی تھی ان کے بطن سے میر فدا علی خاں عرف سید صاحب موجود ہیں۔ تیسرے جہانگیر علیخاں بہادر امین الدولہ تھے۔

امین الملک مرحوم کی دختر کی نسبت مختلف اقوال ہیں مولف تزک محبوبیہ ساکن مکان علاقہ نبین علی بیگ خان بخشی مرحوم اپنی تالیف مذکور میں لکھتے ہیں کہ بخشی موصوف کی شادی امین الملک موصوف کی نواسی جو دختر اعجاز الدولہ ابن رفعت الملک کے بطن سے تھی ہوئی۔ یعنی نانی بڑی بیگم زوجہ بخشی موصوف امین الملک کی نواسی بطن سلطانی بیگم سے اور رفعت الملک کی پوتی تھیں۔

بعض وابستگان امین الملکؒ کا بیان ہے کہ امین الملک

کی دختر نانی بڑی بیگم کے سوائے دوسری دختر الفت النسا بیگم بھی تھیں جن کی شادی
اعظم میرزا خاں ابن شہریار جنگ سے ہوئی۔
بعض قدما کا قول ہے کہ امین الملک مرحوم کو دختر ہی نہ تھی۔

کیفیت مشیر الملک اعظم الامرا ارسطو جاہ بہادر

ارسطو جاہ بہادر کا نام تاریخی غلام سید تھا یعنی ۱۱۴۵ھ میں متولد ہوئے والد کا نام فرخ نژاد خاں تھا ان کے بزرگ سامانہ کے رہنے والے تھے سلسلہ نسب ان کا نوشیروان عادل تک پہنچتا ہے مجموعہ قصائد و تواریخ عہد ارسطو جاہ بہادر سے پیدا ہے کہ بہادر موصوف کو پیشگاہ آصفجاہ بہادر ثانی سے جاگیر ذات تعلقہ الگندل میں جب مرحمت ہوئی تو بہادر موصوف نے فی البدیہہ یہ مادہ تاریخ انشا فرمایا وَاِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ ۱۱۷۹ھ ۔ نیز محمد تقی خاں بہادر اکرام الملک برادر مشیر الملک بہادر ثانی کی تاریخ بلوغ بھی یہ خوب کہی ہے سالم بیت میں ؎

زامداد الہ بندہ ایجاد ٭ بجوشید از سر فوارہ سیماب ۱۱۸۱ھ

ارسطو جاہ بہادر ۱۱۹۵ھ میں دیوان سلطنت ہوئے ۱۲۰۲ھ میں خطاب اعظم الامرا پایا۔ بوجہ سرکشی ٹیپو سلطان ۱۲۰۶ھ میں برائے گوشمالی لشکر گراں لے کر ہمراہی ولیعہد نواب سکندر جاہ بہادر جب گئے تو ٹیپو سلطان تاب مقابلہ نہ لاکر خواہان صلح ہوا بناءً علیہ اس سے ملک وجواہر زر نقد و اسپ و فیل وغیرہ تحائف مالیتی بقدر دو کروڑ روپیہ بطور نذرانہ لے کر واپس آئے قطعہ تاریخ گذرانیدہ شیر محمد خاں ایمان یہ ہے ؎

بہ تسخیر ممالک شاہزادہ ٭ برآمد ہمچو خورشید جہاں گرد

بگفت ایمان تاریخ مبارک ✽ سکندر جاہ فتح عالمی کرد سنہ ۱۲۰۶ھ

سنہ ۱۲۰۹ھ میں منجانب غفران مآب پونا جاکر سنہ ۱۲۱۱ھ میں بکمال دانائی و تدبر قلعہ دیوگیر دولت آباد اور ملک وزر چوتھ صوبہ بیدر کا مع جواہر گراں بہا وغیرہ لے کر حیدرآباد واپس آئے ہیں جس کے باعث غفران مآب نے نہایت عزت افزائی و قدردانی اعظم الامرا کی فرمائی ہے قطعۂ تاریخ واپسی از پونا گذرانیدہ سپہر یہ ہے ؎

چو اعظم الامرا باسعادت و اقبال ✽ ز ملک مرہٹہ بس شاد و کامراں آمد
سپہر گفت بتاریخ مقدمش مصراع ✽ شیر ملک دکن صاحب قراں آمد سنہ ۱۲۱۱ھ

اس کے دوسرے سال یعنی سنہ ۱۲۱۲ھ میں خطاب ارسطوجاہ مرحمت ہوا۔ اس کی تاریخ منظومہ ارشد یہ ہے ؎

یافتہ چوں شیر ملک خطاب ✽ تازہ از آصف زماں دل خواہ
گفت ارشد برای تاریخش ✽ بازوی دولت است ارسطوجاہ سنہ ۱۲۱۲ھ

نوازشات ناز برداری غفران مآب اور کامیابی و اولوالعزمی ارسطوجاہ بہادر کا اندازہ اس کیفیت سے ناظرین کر سکتے ہیں کہ ایک صاحب کو باہر سے یعنی اپنے وطن سے طلب کر کے بعطائے جاگیرات و منصب و نشان و نوبت و خطابات وغیرہ سرکار آصفیہ میں امیر اعظم بنا دیا اور بمقابلہ نواب شمس الامرا بہادر خطاب نورالامرا بہادر دلوا کے کہا ہیں نے شمس میں سے نور نکالا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے کہ نواب شمس الامرا بہادر بسبب خویشی خاندان آصفیہ ارسطوجاہ بہادر کی پروا نہیں کرتے تھے۔

فرزند ارسطوجاہ المخاطب سیف الدولہ المعروف بہ مالی میاں کا مجملاً ذکر
بضمن کیفیت غیور جنگ اشجع الملک مرحوم کیا گیا ہے۔
نتہائے مراحم خسروانہ غفران مآب یہ کہ جب ایک پوتہ فرزند مذکور کے انتقال سے
ارسطوجاہ بہادر کو سخت صدمہ ہوا تو خود بدولت غفران مآب نے برسم تعزیت مع شہزادگان
رئیس الملک سلیمان جاہ بہادر و سیف الملک کیوان جاہ بہادر تشریف فرما ہو کر بہ کمال مرحمت
ارسطوجاہ سے فرمایا کہ تمھارا ایک فرزند جاتا رہا ہے اس کے عوض دو فرزند تمھیں ہم دیتے ہیں
اپنی فرزندی میں لو۔ اور اس طیب خاطر سے دیے کہ اپنے مذہب کے موافق تعلیم و تربیت
کر لینے کا اختیار دیا چنانچہ ارسطوجاہ بہادر نے ویسا ہی کیا۔ سیف الملک بہادر کا دماغ
بسبب لاحق ہونے عارضہ لقوہ و فالج کے صحیح نہ تھا اُن کے پوتے رحمن علی پادشاہ
نواب سیف الملک بہادر حال سے معلوم ہوا کہ ہر عشرہ محرم میں علموں کو نیزوں پر سے
دن میں کئی بار اتار لیتے تھے پھر نصب کرتے تھے۔ ان کی زیست زیادہ نہ ہوئی
بقول مولف دبدبہ نظام ۱۷ ماہ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ میں رحلت کی۔
رئیس الملک سلیمان جاہ بہادر سن طبعی کو پہونچ کر مرحوم ہوئے۔ عشرہ شریف میں
علانیہ سیہ پوش و عزادار رہتے تھے اور بافیض و کرم تھے۔
مشیر آباد جو حسین ساگر کے قریب واقع ہے مشیر الملک ارسطوجاہ بہادر کا
۱۲۰۲ھ میں بنوایا ہوا ہے۔
سرور نگر کی کیفیت یہ ہے کہ ارسطوجاہ بہادر کی منکوحہ سرور افزا بیگم کو غفران مآب نے

بیرون بلدہ جانب شرق ایک گاؤں مرحمت فرمایا تھا۔ اس کو بیگم مزبورہ نے بہ تعمیر حصار وبرج سنگ بستہ وغیرہ آباد کر کے سرورنگر نام رکھا۔ اس کی تاریخ بنا منظومۂ صفدر علیخاں صفدر یہ ہے ؎

شداز برای سرور دل ارسطو جاہ ٭ عطاز حضرت جمجاہ آصف داور
بنام بیگم علیا قدر سرور افزا ٭ دہے کہ کامل آں باج خواہد از کشور
بحسن نیت او گشت ہمچو شہر صبا ٭ کہ بردہ خطۂ کشمیر رشک از اں یکسر
چوں خواست سال بنا صفدر از خرد گفتا ٭ بود بہ امن واماں یارب ایں سرورنگر ۱۲۱۳ھ

تاریخ رحلت ارسطو جاہ مرحوم ۲۸ ماہ محرم ۱۲۱۹ھ ۔

مجملاً ذکر سید ابوالقاسم المخاطب میر عالم بہادر

سید رضی ابن نورالدین موسوی[۱] سادات جلیل القدر و علمائے شوستر سے عالم جوانی میں جب یہاں آئے تو غفران مآب نے ان کی نہایت قدر دانی فرمائی۔ جاگیر عطا کی۔ ہر شنبہ کو باریاب ہو کر بندگان خدا کے کام نکالتے تھے اور صاحب زہد و تقویٰ و بافیض و کرم تھے۔ ۲۴ر جمادی الاول ۱۱۹۴ھ میں مرحوم ہوئے۔
نشانات اعلیٰ ان کی منجانب سرکار نظام الملک بہادر و سلطان روم و امرا وغیرہ کتابخانہ نواب سالار جنگ بہادر میں موجود ہیں۔ ان کے مہین فرزند سید ابوالقاسم مخاطب میر عالم بہادر، ۷ر ماہ رمضان ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں یہاں متولد ہوئے۔ جس وقت جوان ہوئے ہیں تو ان کی لیاقت علمی و ذہانت طبعی ارسطوجاہ بہادر کے دل میں کھٹکنے لگی۔

شجرۂ نواب میر عالم بہادر کہ در نسب سادات نوریہ

[۱] دربیان نسب عالی سید نعمت اللہ جزایری بن السید[۲] عبداللہ بن السید[۳] محمد بن السید[۴] حسین بن السید[۵] احمد بن السید[۶] محمود بن السید غیاث الدین بن السید مجد الدین بن السید[۹] نورالدین بن السید سعد الدین بن السید[۱۱] عیسیٰ بن السید[۱۲] موسیٰ بن السید[۱۳] عبداللہ بن الامام ابی الحسن موسیٰ کاظم علیہ و علیٰ آبائہ السلام۔ (سلا منحہ پر)

اپنے مصاحبوں سے کہتے تھے کہ یہ تو شستری بچہ بلائے بے درماں ہے دور ہی سے صرف میرے ہونٹوں کی حرکت پر میری باتوں کو سمجھ لیتا ہے ۔ میرے بعد عجب نہیں کہ یہی دیوان ہو ۔ یہی وجہ تھی جو ارسطو جاہ بہادر ہمیشہ بظاہر مہربان اور بباطن میر عالم بہادر کے درپے رہے۔

۱ سید نعمت اللہ جزائری چہار پسر داشتند

سید نور الدین	سید حبیب اللہ	سید محمد شفیع	سید جمال الدین
ہشت پسر مخلف شد	در صغر سن فوت کرد	اولاد ذکور مخلف نشد	یک پسر مخلف شد بنام سید مجد الدین بہ ہندوستان آمد از و خبری نشد

۱ سید عبداللہ

۲ سید نعمت اللہ الشہیر بہ آغائی

۳ سید حسین

۴ سید محمد

۵ سید فرج اللہ

۶ سید مرتضیٰ

۷ سید طالب

۸ سید رضی والد نواب میر عالم مرحوم

کے فرزند محمد شفیع ۔ محمد شفیع کے فرزند سید عبد اللطیف خاں مصنف تحفۃ العالم برادر نواب میر عالم مرحوم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷ پر ملاحظہ ہو۔)

بعض تواریخ سے معلوم ہوا ہے کہ سرکار انگریزی کا وکیل مسٹر جانسن کا تقرر منجانب
لارڈ منویل بہادر گورنر جنرل کلکتہ ابتداء ۱۱۹۶ھ میں حیدرآباد دکن پر ہوا۔
قدما سے معلوم ہوا ہے کہ رزیڈنسی میں جو کوٹھی رزیڈنٹ بہادر کی سکونت کے لئے ہے
وہ حسب رائے میر عالم بہادر تعمیر ہوئی ہے

المختصر ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۷ء میں مسٹر جانسن بہادر یہاں کے رزیڈنٹ تھے اس وقت
میر عالم بہادر درمیان وزیر نظام اور رزیڈنٹ بہادر کے وکیل قرار پائے تھے۔ مرہٹوں کی
سرکشی و غارتگری اور ٹیپو سلطان کی تمردی کے انسداد کے لئے یہ رائے قرار پائی کہ سرکار انگلشیہ
سے بناء دوستی و اتحاد تازہ و قائم کی جائے تاکہ وقت ضرورت ہمارے شریک حال رہیں۔
بناءً علیہ میر عالم بہادر نے ۱۲۰۴ھ م ۱۷۹۰ء میں سرکار نواب نظام علیخاں بہادر کی طرف سے
کلکتہ جا کر لارڈ کارنوالس سے تعلق اور دوستی کا عہدنامہ قائم کیا اور ٹیپو سلطان وغیرہ سے جنگ
کرنے میں دونوں قوتیں شریک رہنے کا بندوبست فرمایا۔

نسب نامہ سید[1] ابوالقاسم المخاطب بہ میر عالم مرحوم

بن سید[2] رضی بن سید[3] نورالدین بن سید[4] نعمت اللہ جزیرای بن سید[5] عبداللہ بن
سید[6] محمد بن سید[7] حسین بن سید[8] احمد بن سید[9] محمود بن سید[10] غیاث الدین
بن سید[11] مجدالدین بن سید[12] نورالدین بن سید[13] سعدالدین بن سید[14] علی بن سید[15] موسیٰ
بن سید[16] عبداللہ بن الامام ابی الحسن موسیٰ کاظم علیہ و علی آبائہ السلام۔

دبدبہ نظام سے ظاہر ہے کہ لارڈ موصوف نے عہدۂ وکالت کو تابقائے سلطنت آصفیہ میر عالم بہادر کے خاندان میں قائم رہنے کا ذکر عہد نامے میں مندرج کرنا چاہا تھا مگر میر عالم بہادر نے براہ وفاداری کہا کہ مالک وآقا کا اختیار ہے جس سے چاہے کام لے وکالت وراثت ہو نہیں سکتی ۔

وقت روانگی کلکتہ میر عالم بہادر کی پانچہزار روپے ماہوار قرار پائی اور دو لاکھ روپے نقد مصارف سفر کے لئے عطا ہوئے ۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد اُسی سال خطاب میر عالم بہادر سے سرفراز ہوئے یہ خطاب بطرز ایران اپنے حسب خواہش لیا اور مدت العمر اسی پر قانع رہے کسی اور خطاب جنگی و دولائی وغیرہ کی خواہش نہ کی ۔

۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں پھر ٹیپو سلطان کی عہد شکنی و تمرد کی وجہ سے میر عالم بہادر سرگروہ فوج نظام ہو کر گئے اور باشتراک فوج انگریزی سرنگ پٹن فتح کر کے جب واپس آئے ہیں تو نواب نظام علیخاں بہادر نے اپنا خاص ہاتھی میر عالم بہادر کے واسطہ روانہ فرمایا اور تین کوس تک استقبال کو جانے کے لئے امرائے سلطنت کو حکم دیا ۔ اور بکمال عزت وشوکت شہر میں لائے گئے ۔ اس فتح سرنگ پٹن کے جلدو میں جو روپیہ انعام ملا تھا اس سے میر عالم بہادر نے مچھلی بندر پونا اورنگ آباد وغیرہ کے راستوں پر مسافروں کے واسطے ہر مقام پر سرا باولی مسجد نہایت پختہ تعمیر کرادی جن کی مسافروں کے لئے سخت ضرورت تھی اور اب تک موجود ہیں ۔

بموجب تاریخ رشید الدین خانی وغیرہ ۱۲۱۹ھ میں جب میر عالم بہادر دیوان ہوئے تو

رگوتم راؤ راجہ اندر کو پیشکاری سے موقوف کر کے بمنظوری اعلیٰ حضرت سکندر جاہ بہادر راجہ چندو لعل بہادر کو پیشکاری دلائی اور اپنا پیش دست بنایا قطعہ تاریخ وزارت میر عالم بہادر گزرانیدہ میر حسن علیخاں جولاں یہ ہے ؎

الٰہی در حضور میر عالم ٭ بود پیوستہ جشن عشرت اندوز
خرد فرمود تاریخ ہمایوں ٭ مبارک باد مہر بہجت افروز ۱۹ ۱۲ھ

بیرون بلدہ قصبۂ بدویل کے قریب ۱۲۲۲ھ میں بائیس ۲۲ لاکھ روپے صرف کر کے تالاب بنوایا اور اس کی نہر بلدہ میں لائی جس کی تاریخ بناء اتمام کسی نے کہی ہے قطعہ

میر کہ عالم شدہ فرمان برش ٭ نہر رواں کرد بیاد حسین ۴
پیر خرد گفت بمن سال آں ٭ آب بخور مہر دبیاد حسین ۱۲۲۲ھ

ایضاً بابت اتمام۔ میر عالم نمود کار ثواب۔ اس تالاب کا سد و بند عجائب روزگار سے ۱۲ ۲۱ بطرز جدید یعنی فقط دیوار سنگ بستہ ہے اور اس میں جانب آب برج بشکل قوسی بنائے گئے ہیں۔

پختہ نہریں تعمیر ہونے کے بعد بتاریخ نیک تالاب کا پانی بلدہ میں ابتداً جاری کیا گیا ہے تو اس روز ہرکارے متعین ہوئے تھے اور وہ دمبدم خبر دے رہے تھے کہ فلاں مقام تک پانی آگیا فلاں محلے میں پہونچا تا آنکہ جب بلدہ میں پانی داخل ہونے کی خبر آئی تو میر عالم بہادر نے فی الفور سجدۂ شکر باری ادا کیا۔

تالاب مذکور سے آب شیریں کی نہریں جو شہر میں آئیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک

جسم ناتواں کی رگوں میں گویا خون تازہ دوڑ گیا ہے۔ جان آگئی ہے۔ خصوصاً بفیض دریادلی و مراحم رعایا پروری غفران مکان ۱۳۱۱ھ میں بصرف زر کثیر آہنی نلیں بلدہ میں جہاں تک پانی کی رسائی ممکن تھی بچھ گئیں ہیں۔ شاہروں پر جا بجا برائے فیض عام ٹونٹیاں نصب ہوگئیں۔ اعلیٰ و ادنیٰ جس نے درخواست مع خرچ داخل کی اس کے مکان میں پانی کا نل آگیا۔ نل کیسا بلکہ کہنا چاہیئے کہ تالاب میر عالم مرحوم اس کو ملا ہے۔ جس قدر پانی جس وقت چاہو لے لو۔ چھنا ہوا نفیس پانی مخلوق کو بآرام میسر ہو رہا ہے۔ جو پانی انسانوں کو نصیب نہ تھا اب اس سے جانور چوپائے تک سیراب ہو رہے ہیں۔ ورنہ قبل تعمیر تالاب مذکور محلات شاہی کے حوض موٹ کشی کے ذریعہ کھاری پانی سے بھرے جاتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس وزرائے امرائے عظام کے ہاں بھی باولیوں ہی سے اجرائے کار ہوتا تھا۔ آب خاصہ شاہی اور چند امرائے عظام کے لئے چشمۂ واقع بیرون بلدہ سے جس کا ذکر حالات رکن الدولہ مرحوم میں کیا گیا ہے میٹھا پانی آتا تھا۔ باقی جملہ بندگان خدا اعلیٰ و ادنیٰ باولیوں کا پانی پیتے تھے۔ کسی باولی یا کنویں کا پانی زیادہ شور نہ ہوتا اور کسی قدر گوارا ہوتا تھا تو وہ میٹھے پانی کی باولی کہلاتی تھی۔ اس کو غنیمت جان کر دور دور سے لوگ آکر پانی لیجاتے تھے۔ ساکنان قریب رود موسیٰ ندی کے چشموں کا پانی پیا کرتے تھے جس کے باعث صحت درست نہیں رہتی تھی۔

المختصر میر عالم مرحوم کی یادگار یہ تالاب بلدہ کی جان ہے۔ منجملہ یادگار و آثار میر عالم مرحوم درگاہ پنجۂ شاہ ولایت مع حوض ہشت پہل وغیرہ جو روبروئے درگاہ موصوف

قریب حویلی نواب صمصام الملک بہادر سرراہ واقع تھا جس کو ۱۲۱۹ھ میں بنوایا تھا
چنانچہ شیر محمد خاں ایمان کا یہ **قطعہ** تاریخ تعمیر حوض مذکور ہے ؎

شرف بخش وزارت میر عالم ٭ بنا فرمود ایں فرخندہ درگاہ
الٰہی درجہاں ایں فیض جاری ٭ بماند موجزن شام وسحرگاہ
حضور آستان شاہ مرداں ٭ چو وضع حوض عالی شد سرراہ
خرد فرمود تاریخ بنائش ٭ ببیں کوثر بکام تشنۂ شاہ ۱۲۱۹ھ

یہ حوض بعہد میر عالم مرحوم تالاب مذکور کی نہر سے پرآب رہتا تھا گویا سبیل تھی
جس سے عام مخلوق سیراب وفیض یاب ہوتی تھی۔

قدیم بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ تالاب مذکور کا پانی جو بلدہ میں آیا تو اس پانی سے
پہلے پہل **فی سبیل اللہ** یہی حوض بھر گیا تھا اور اس روز درگاہ موصوف میں بحکم میر عالم بہادر
کئی پلہ شکر شکریہ کامیابی عام مخلوق کو تقسیم ہوئی تھی۔

اس حوض کو بسبب صغیر سنی نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ بوجہ نارسائی
سیدھی عنبر خانساماں نے ۱۳۱۶ھ میں منہدم کر کے اس کے حاشیہ وغیرہ کے پتھروں سے
جو کہ نہایت مصفّا تھے مسجد منصور خاں کے لئے جو اسی محلے میں واقع ہے حوض بنوا دیا ہے۔
حالانکہ کسی کی وقف کردہ و یادگار تعمیر کو ایسا نابود کر دینا جائز نہ تھا۔

خانساماں مذکور کی ایک اور کارروائی اسی قسم کی جو خالی از دلچسپی نہیں ہے۔
بین ضمیمہ بیان کرنے میں آئے گی۔

بعہد میر عالم بہادر مرحوم ۱۲۲۰ھ میں **باغ بارہ دری** بھی لب رود موسیٰ تیار ہوا
علاوہ کئی مکانات تیار کرنے کے ایک قصر عالیشان موسوم بہ **گلزار محل** بطرز ایرانی بنوایا۔
اس باغ کی تاریخ ایمان نے خوب کہی ہے اور وہ یہ ہے ؎

ہر قصر ز حسن رشک ایوان بہشت ❊ ہر نہر رواں ز آب خوش جان بہشت
آراستہ شد چو باغ میر عالم ❊ رضوان تاریخ گفت بستان بہشت

قصر ند کور کو لکڑ کوٹ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں زیادہ تر چوبینہ صرف ہوا ہے۔ اس کے
نیچے کے درجے میں جو بیچ کی رواق کلاں ہے اس کی پیشانی کے تختے چوبین پر جو کندہ ہے
نقل اس کی یہ ہے۔ **یا اللہ یا حفیظ یا قہار بسم اللہ خیر الاسما
ذات التی من منزلا مبارکا و انت خیر المنزلین والحمد للہ
رب العالمین** ؎

مقصد ز کاخ و صفہ و ایوان نگاشتن **یا اللہ** کاشانہ ہای سر بفلک بر فراشتن
گلہائے رنگ رنگ درختان میوہ دار **الحفیظ** در باغ و بوستان ز سر شوق کاشتن
دانی کہ چیست تا بمراد دل اندر آ **یا قہار** یک لحظہ دوستی بتواں شاد و داشتن
ورنہ چگونہ مردم عاقل بنا کنند ❊ از گل عمارتی کہ ببا ید گذاشتن

سنہ فی یکہزار و دو صد بست و سہ ہجری نبوی۔ بقلم نادر قلم خان عمل امام یزدی
کتبہ محمد باقر خاں نادر قلم

سبحان اللہ بنائے باغ و عمارت کی وجہ کیا پاکیزہ بتلائی ہے۔ اور کمال ثروت

وحکومت کے عالم میں بصد شوق اپنی بنوائی ہوئی عمارت کو بجائے تہنیت و دعائے بقا ناپایدار اور گذاشتنی کہنا بلکہ کندہ کرا دینا دال ہے میر عالم مرحوم کے بیدار دل و باخدا ہونے پر۔

نیز مسجد جلو خانہ جو فی الحال میر عالم کی منڈی کہلاتی ہے ۱۲۱۶ھ میں تعمیر ہوئی ہے جلو خانہ مذکور کی اتمام تعمیر ۱۲۲۰ھ میں ہوئی۔ اسی زمانے میں آبادی کربلای معلی کا اور نجف اشرف کا حصار خشت و گچ سے بنوایا کیونکہ وہاں پتھر نہیں ہے۔ پرانی عیدگاہ بہت فاصلے پر ہونے سے مخلوق خدا مسلمانان مقیم بلدہ کو نماز عیدین کے لئے زحمت ہوتی تھی اس لئے قریب بلدہ اپنے تالاب کے پاس نئی عیدگاہ ۱۲۲۱ھ میں تعمیر کی۔

اس زمانے کے بعض بدگمانان بے خبر کا یہ خیال ہے کہ میر عالم مرحوم اس قدر املاک و عمارات و تالاب وغیرہ بغیر ناجائز آمدنی کے کیونکر بنائے ہوں گے۔ مگر افسوس ہے ایسے خیال کرنے والوں سے کہ پہلے یہ نہیں دریافت کرتے کہ میر عالم مرحوم کی آمدنی کیا تھی۔ موازنہ مذکور بابتہ ۱۲۰۸ف میں ہر ایک وزیر زمانہ سابق کی تحریر دیوانی بتلائی گئی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ فی روپیہ تین آنے کے حساب سے جس کا تخمینہ بائیس ۲۲ لاکھ روپے سالانہ ہوتا ہے میر عالم بہادر کو فقط تحریر دیوانی ملتی تھی۔ اس کے سوائے جاگیریں تھیں۔ اور فتح سرنگ پٹن کے صلہ میں زر کثیر خزانہ شاہی سے عطا ہوا تھا۔ نیز مصارف سفر کلکتہ وغیرہ کے لئے لاکھوں روپے عطا ہوئے ہیں۔ پس بمقابل آمدنی مذکورہ یہ املاک کچھ ایسی زیادہ تو نہیں ہیں۔ اور املاک بھی اکثر باقیات الصالحات و باعث آرام مخلوقات مساجد سرا چاہ مسافروں کے واسطے اہل شہر کے لئے مساجد عیدگاہ خصوصاً تالاب تو ایسا بنوایا ہے

کہ تمام بلدہ کی جان ہے۔ ایسے سید جلیل القدر و بزرگ بافیض مرحوم کی نسبت بدگمانی و بہتان گناہ عظیم ہے۔

اندرون دروازہ چادر گھاٹ ایک باغ زیب النساء بیگم کا کہلاتا تھا جس میں دو منزلہ بارہ دری عالیشان تقریباً چالیس برس کے قبل تک بھی خستہ حالت میں باقی تھی اس کے روبرو ایک حوض بہت بڑا تھا جس میں تالاب میر عالم مرحوم سے نہر آئی ہوئی تھی۔ نیز باغ میں ایک باولی کئی موٹ کی تھی اور چھوٹے حوض کیاریاں پختہ نیز آثار دیگر امکنہ وغیرہ تھے اس باغ کی دیوار جانب شرق فصیل شہر پناہ تھی۔ جانب غرب اس کا بہت بڑا مستحکم دروازہ سرراہ واقع تھا کہ ہاتھی مع عماری جس میں سے جاسکتا تھا۔ فی الحال اسی مقام پر بنڈی خانہ علاقہ صرفخاص مبارک تیار ہوا ہے۔ بیگم موصوف مرحومہ زوجہ میر عالم مرحوم کی تھیں۔ معلوم نہیں کہ وہ باغ کس وجہ سے سرکار عالی کے علاقہ میں ہو گیا۔ اب اس باغ کی زمین پر ایک محلہ آباد ہوا ہے موسوم بہ عثمان پورہ۔

میر عالم مرحوم کی دو دختریں ایک بطن سے تھیں جس کا ذکر احوال منیر الملک بہادر ثانی میں کیا جائے گا۔

تیسری دختر خیر النساء بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی محمد نقی خاں سے ہوئی جو کہ پردادا میر امام علیخاں عرف حاجی صاحب مرحوم کے تھے۔ اور ایک فرزند سید رضی نام ۱۱۹۹ھ میں متولد اور ۱۲۱۵ھ میں مخاطب بہ میر دوراں ہوئے ان کی شادی نور جہاں آرا بیگم بنت بہرام الملک ثانی سے ہوئی تھی۔ انتقال پر ملال ان کا در عین شباب بلکہ در آغاز شباب ماہ رجب ۱۲۱۶ھ میں ہوا۔

میر عالم مرحوم کے ایک بھائی سید زین العابدین تھے جن کی اولاد صاحب جاگیر ایرانی گلی میں سکونت پذیر ہے۔

میر عالم بہادر بتاریخ ۲۳ ماہ شوال ۱۲۲۳ھ دنیائے فانی سے عازم بہشت بریں ہوئے انہیں حسب وصیت درگاہ پنجہ شاہ میں دفن کرنے والے تھے لیکن نواب سکندر جاہ بہادر نے ارشاد فرمایا کہ میر صاحب کو میر صاحب کے پاس رکھنا مناسب ہے یعنی دائرہ میر مومن صاحب قدس سرہٗ میں لہذا دایرۂ مذکور میں ان کا دفن ہوا۔ میر عالم مرحوم نے درگاہ موصوف میں جو قبر اپنے بنوا رکھی تھی وہ قبر خالی ہنوز باقی ہے۔

میر عالم مرحوم صاحب علم و فضل تھے۔ نظم و نثر میں کمال مہارت و طبع رنگیں رکھتے تھے باوجود کثرتِ اشتغالِ خدمت و مہماتِ دولت امور اخروی سے غافل نہ تھے۔ منجملہ تصنیفات و تالیفاتِ مرحوم موصوف جو کتبخانہ نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ میں موجود ہیں یہ ہیں۔ مصباح العارفین در طریقۂ نماز تہجد وغیرہ عبادات۔ رسالۂ ترکیبِ زیارت عاشورہ وغیرہ دہ مجالس عزائے سید الشہدا علیہ السلام۔ حدیقۃ العالم تاریخ مشہور و مطبوعہ ۱۲ سنہ اس کو بستانِ آصفیہ میں مولفۂ سید عبد اللطیف خاں بتلایا ہے حالانکہ مولفۂ خان موصوف یہ نہیں ہے بلکہ تحفۃ العالم ہے جو کہ ۱۲ سنہ میں طبع ہوئی ہے۔ مثنوی جس کے چند شعر بغرض ملاحظہ لطف طبع ناظم ہدیۂ ناظرین یہ ہیں ؎

ای مہر سپہر آشنائے ٭ سرتا پائے تو دلربائے

ای مردم دیدۂ محبت ٭ سرتا قدمت طلسم الفت

شکل تو بہ کلکِ دل مصوّر ❊ جسم تو بآب جان مخمّر
از شوق تو شد جہاں جہاں شور ❊ از رگ رگ من عیاں چو طنبور
شور تو عیاں بہ برز بانم ❊ سوزِ تو نہاں بمغز جانم
تاروی ترا بمن نمودند ❊ درہائے بلا بمن کشودند

نخستات بنام ارسطو جاہ بہادر وغیرہ موسوم بہ **باغ بہار** اسمِ تاریخی جن میں کا ایک رقعہ مختصر یہ ہے۔ **بنام اعلیحضرت آصفجاہ ثانی در شکر عنایاتِ خربوزہ توام** در موقوف ادائی آداب دوگانہ شکر نعمت والا و مرحمت دو بالا یعنی زوج خربوزہ توام کہ از پیشگاہ فضل وکرم بغایت آنہم آغوش افتخار و امتیاز دوش بدوش مکرمت و اعزاز گردیدہ شجرۂ قامت عبودیت استقامت را بہ ثمرۂ قواعد کورنش و تسلیم راکع و ساجد ساختہ میوۂ مزلوپر مضاعف رسم معہود از نظر عالم پرور میگذراند لیکن چوں اینقدر قسم اوّل یک دفعہ بہم نمیرسد بدفعات بمعرض عرض خواہد رسانید تا مزرعہ اخضر فلک بہ اثمار کواکب مثمر و بارور است حدیقہ عمر و اقبال خدیو بیہمال از آبیاری لطف حضرت باری تازہ و ریان و بسرسبزی خلود و دوام تواماں باد برب العباد۔

ان کا ایک اور مجموعۂ انشا موسوم بہ انشاء عالم تھا جس کا ذکر مرقعہ عبرت میں ہے۔
میر عالم مرحوم کی قابلیت معقول ومنقول کا اندازہ اس واقعہ سے ناظرین فرما سکتے ہیں کہ ایک روز ملا طاہر دہریہ مذہب ایرانی خدمت میر عالم مرحوم میں حاضر ہوا تھا۔ اثنائے تقریر میں عقد نکاح کا ذکر آگیا تو کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ

دو کلمہ صیغۂ نکاح میں کیا اثر ہوئے گا کہ اس کے پڑھنے سے مرد کے لئے عورت حلال ہو جاتی ہے ورنہ حرام۔ یہ سن کر میر عالم مرحوم نے ای زنجلب (بہڑوے) کہا اور ساتھ ہی کھڑے ہو کر مشغول نماز ہو گئے۔ اس خطاب سے ملّا طاہر کا رنگ رو متغیر ہو گیا اور پیچ و تاب کھانے لگا تا آنکہ میر عالم مرحوم نماز سے فارغ ہوئے اور اس کو برہم دیکھ کر فرمایا اے ملّا دیکھا تم نے کلمہ میں کیا اثر ہوتا ہے اب تو نہ کہو گے کہ دو کلمہ عقد نکاح میں کیا اثر ہو گا۔

تتمہ احوال علی زمانخاں المخاطب حیدر یارخان بہادر
نیرالدولہ نیرالملک ثانی امیرالامرا

واضح ہو کہ تیسرے فرزند محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ مرحوم کے نیرالملک ثانی موصوف جدّ امجد نواب صاحب مغفور کے جو بسبب قابلیت و اقبالمندی ارشد اولاد تھے بعد وفاتِ والد پیشگاہ غفران مآب میر نظام علی خاں بہادر سے بخطاب حیدر یارخاں بہادر غیور جنگ نیرالدولہ نیرالملک و منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار علم و نقارہ و پالکی جھالردار سے سرفراز ہوئے۔ نیز از روے سیاہہ دفتر تاریخ رشید الدین خاں وغیرہ ثابت ہے کہ ۱۲۴۶ھ میں خطاب امیرالامرا سے بھی ممتاز ہوئے تھے۔ جب کہ ارسطوجاہ بہادر پونا گئے تھے اون کے متعلق جملہ کاموں یعنی نظم و نسق ابواب خاص حضوری و بندوبست فوج سرکاری کو نواب غفران مآب نے بہ کمال عنایات و اعتماد نیرالملک بہادر ممدوح کے اختیار میں دے دیا تھا۔

میر عالم بہادر مرحوم نے حدیقۃ العالم میں تحریر فرمایا ہے کہ جیسا کہ حضرت رسول الثقلین ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر خاتون جنت بحکم الٰہی حیدر صفدر سے منسوب ہوئیں اسی طرح نورچشمی مجہ ابوالقاسم کی جو ذرّیت رسول اکرم سے ہے اس حیدر ابن صفدر سے یعنی حیدر یار خاں نیرالملک ابن محمد صفدر خاں اشجع الملک سے

بامر تقدیر الٰہی وحکم بندگان عالی حین حیات والد نامزد ہوئی۔ بعد والد یعنی بعد رحلت اشجع الملک مرحوم بندگان عالی نواب آصفجاہ ثانی نے بہ کمال مراحم خسروانہ نواب نیر الملک بہادر کو اپنے دولت خانہ میں طلب فرماکر مکان گلشن محل شادی کے لیے عنایت فرمایا۔ رسوم ابتدائی مانند رنگپاشی وغیرہ لوازم شادی کو بھی بتوجہ خاص بہ کمال بشاشت ادا فرمائے ستر۱۷ہ ماہ ربیع الاولی سے یعنی تاریخ آغاز شادی سے مع محلات مبارک بالباس رنگین روزانہ دو مرتبہ تا ختم شادی رونق افزائے بزم شادی ہوتے رہے۔ اور جملہ مصارف شادی خزانہ شاہی سے مرحمت فرمائے۔ بتاریخ چارو۱۴ہم ماہ ربیع الاخری ۱۲۱۴ھ جو کہ جلوہ کا روز تھا ہار۔ سرپیچ مع جیغہ۔ کلگی۔ طرہ۔ دستبند مرصع یہ سب اپنے دست مبارک سے نوشہ کے سر و بازو پر باندھے۔ عروس کو بھی بعطائے زیورہ جواہر گراں بہا زینت بخشی نیز نوشہ کی والدہ کو جواہر بیش قیمت مرحمت فرمایا۔

واضح ہو کہ اس شادی کے قبل نیر الملک بہادر موصوف کے ایک اکبر اولاد تھی۔ یعنی محمد صفدر خاں بہادر ذو الفقار جنگ اکرام الدولہ اکرام الملک۔ ان کی شادی بنت حسن یار جنگ حسن یاور الدولہ ابن امین الملک مرحوم مسماۃ مبارک بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ جن کا انتقال ہشتم ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ کو ہوا۔ اس مرحومہ کے بطن سے اکرام الملک مرحوم کو ایک فرزند تھا اور ایک دختر تھی۔ فرزند کا نام از روئے بیاہہ دفتر لالہ بہادر میر بہرام علیخاں بہادر غیور جنگ تھا جو ہمراہ پدر عربوں کے ساتھ مقتول ہوا۔ ان کی یعنی میر بہرام علی خاں کی ایک دختر نظام النسا بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی میر حیدر علیخان

ابن میر مہدی حسن خاں مرحوم ابن داور جنگ مرحوم سے ہوئی۔ بطن نظام النسا بیگم صاحبہ سے تین فرزند ہیں ایک تراب جنگ بہادر دوسرے حسن یار جنگ بہادر تیسرے حیدر یار جنگ بہادر۔ اور ایک دختر شہر بانو بیگم صاحبہ تھیں جن کی رحلت ہوگئی ہے۔

اکرام الملک مرحوم کی دختر کا نام سلطانی بیگم صاحبہ تھا اور وہ نیر جنگ اشجع الدولہ مرحوم سے جن کا ذکر آیندہ آئیگا بیاہی گئیں۔

الحاصل شادی کے بعد دختر میر عالم مرحوم مسماۃ نفیسہ بیگم صاحبہ کے بطن سے بتاریخ بست و ہشتم محرم ۱۲۱۵ھ منیر الملک بہادر کو فرزند خدا نے دیا مگر بعد دو ساعت صاحبہ موصوفہ نے انتقال کیا۔ اس واقعہ کے بعد اعلیحضرت نے بہ کمال نوازش ارسطو جاہ بہادر کو میر عالم بہادر کے پاس برسم تعزیت روانہ فرمایا اور یہ ارشاد ہوا کہ اس مولود کا نام سید عبداللہ خاں بہادر رکھا جائے۔ سید عبداللہ خاں بہادر موصوف المخاطب بہ قوی جنگ اشجع الدولہ کے چار فرزند تھے اور دو دختر۔ ایک فرزند میر جواد علی نیر جنگ اشجع الدولہ بہادر جو کہ عہد دیوانی نواب صاحب مغفور میں افسر اعلیٰ نظم جمعیت سرکار عالی کے ہوئے تھے۔ جن کی رحلت انیسؔ ماہ شعبان ۱۳۰۹ھ میں ہوئی۔ ان کا ایک فرزند محمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ تھا جو روبروے پدر ۱۳۰۸ھ میں مرحوم ہوا۔ اور ایک دختر مسماۃ دیدار النسا بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی نواب نظام یار جنگ بہادر خانخاناں بہادر سے ۱۳۰۷ھ میں ہوئی۔ بعد رحلت دیدار النسا بیگم صاحبہ جو ۱۳۱۰ھ میں واقع ہوئی دختر متوسطہ ذوالفقار جنگ موصوف خیر النسا بیگم صاحبہ

کا عقد بتاریخ گیارہ ماہ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ نواب خانخاناں بہادر ممدوح سے ہوا۔ دختر کلاں منور بیگم ناکتخدا ہنوز موجود دختر سومی خورد مسماۃ کا انتقال میں ہوا

دوسرے فرزند سید عبداللہ خاں بہادر کے میر ولایت علی خاں بہادر قوی جنگ ان کی دختر مسماۃ ریاض النساء بیگم زوجہ میر موسی رضا خاں مرحوم ابن سید عاقل خاں مرحوم نبیرہ بہرام الملک مرحوم۔

تیسرے فرزند میر محمد سلیخاں بہادر۔ ان کی ایک دختر مسماۃ دلارا بیگم زوجہ میر عنایت علی ابن میر پرورش علی جاگیردار داروغہ پادشاہی عاشور خانہ وغیرہ جس کا انتقال پہلی زچگی کے چھہ روز بعد ہوگیا اور مولود بھی نہ رہا۔

چوتھے فرزند میر محمد کاظم علیخاں لاولد فوت ہوئے۔

دختر سید عبداللہ خاں موصوف کی ایک مسماۃ امیر النسا بیگم صاحبہ جن کی شادی سزاوار جنگ بہادر ابن مختار الدولہ بہادر سے ہوئی۔ ان کے بطن سے میر یاور علیخاں بہادر شہاب جنگ افتخار الملک حال پیدا ہوئے۔

دوسری دختر کریم النسا بیگم صاحبہ ان کی شادی مرزا شمشیر علیخاں ابن مرزا محمد علیخاں مستقیم الدولہ ثانی سے ہوئی۔ بعد زچگی کے ان کا بھی انتقال مع مولود ہوگیا۔

میر عالم بہادر نے اپنی پہلی دختر نفیسہ بیگم صاحبہ فوت ہونے کے بعد دوسری دختر عفیفہ مسماۃ ضیا صاحبہ بیگم صاحبہ ہمشیرہ حقیقی نفیسہ بیگم مرحومہ کو باجازت و ایماے اعلیٰحضرت مغفرت منزل سنہ ۱۲۱۹ھ میں منیر الملک بہادر موصوف سے شادی کردی۔

قطعہ بند تہنیت وتاریخ منظومہ میر جولان یہ ہے ؎

زہی شادی کہ از جوشش مسرت — جہاں یکسر چو گلشن یافت تزئیں
برونق بزم چنداں منعقد شد — کہ حسرت می نماید عقد پرویں
ببر دارد ہمہ اوقات ہر یک — قبائے مثل گل خوشبو و رنگیں
برای آسماں قوس قزح شد — حمایل آنقدر ہا ساخت گلچیں
چنیں جشن طرب افزا ندیدند — بعہد خویشتن پرویز و شیریں
بخلقت آنقدر شد بذل انعام — زباں بکشاد یک عالم بہ تحسیں
چو شد مہر و منیر و ماہ باہم — زمانہ یافت از آشوب تسکیں
دعا کردیم جولاں بہر دولت — ملایک بر فلک گفتند آمیں
خرد فرمود تاریخ مبارک — قرآن نیرین عزت آمین ۱۲۱۹ھ

اس بی بی کے بطن سے دو فرزند۔

ایک والد نواب صاحب مغفور کے میر محمد علی خاں بہادر سالار جنگ شجاع الدولہ ۱۲۲۲ھ میں متولد ہوئے۔ ان کا قطعہ تاریخ میلاد منظومہ سید میر زاقال یہ ہے ؎

چوں بنواب ما منیر الملک — داد ایزد پسر بوجہ احسن
سال میلاد او چو پرسیدم — عقل گفتا ستارۂ روشن

ان کی رحلت عین شباب میں یعنی پچیس ۲۵ برس کے سن میں ۱۲۴۷ھ میں ہوگئی۔

ان کی مہر کا سجعہ یہ تھا۔ بود جانشین محمد علی [۱۲۳۷]
دوسرے فرزند میر عالم علیخاں بہادر سراج الملک عمو نواب صاحب مغفور کے
سنہ ۱۲۲۴ھ میں متولد ہوئے۔ ان کے تولد کا مادہ تاریخ طبعزاد بابورائے یہ ہے۔
خورشید جہاں آمد۔ ان کا سجعہ مہر یہ تھا۔ بود یاور مہر دو عالم علی [۱۲۳۷]
ان کا باقی احوال [۱۲۴۴] بسلسلۂ وزرا آئندہ برمحل بیان کیا جائے گا۔ فی الحال کیفیت
منیر الملک بہادر ثانی کی تکمیل لازم ہے کہ بعد رحلت میر عالم بہادر ماہ شوال سنہ ۱۲۲۳ھ میں
نواب منیر الملک بہادر موصوف دیوان سلطنت ہوئے۔ مادہ تاریخ من اوصاف منیر طبعزاد
نورعلی یہ ہے۔ منیر الملک شد وزیر دکن سلمہ اللہ۔ بہادر موصوف نے اپنے عہد وزارت
میں حتی الامکان انتظام سلطنت میں کوششیں [۱۲۲۳] کیں۔ عدالت کا انتظام جو سلطنت کے لیے
واجبات سے ہے فرما رہے تھے چنانچہ ایک عدالت موسوم بعدالت بزرگ قایم کی گئی تھی۔
جس کے ناظم مولوی شرف الدین وغیرہ ہوئے تھے۔ اسی طرح اور امور سلطنت وغیرہ
کی اصلاح کا خیال تھا۔ مگر بہادر موصوف خاطر خواہ کیا کر سکتے تھے کہ برائے نام وزیر تھے
نہ دفتر دیوانی نہ خزانہ عامرہ نہ کوئی اختیار حاصل تھا۔ عطائے جاگیرات و انعام وغیرہ
جملہ مداخل و مخارج ریاست کے متعلق خاص اعلیحضرت کے احکام جاری ہوتے تھے۔
وثائق و اسناد خوشحال چند اہل دفتر کے پاس داخل ہوتے تھے۔ مدار المہام وقت کو
کوئی پوچھتا نہ تھا۔ مہاراجہ بہادر تو پیشکار و مرجع ریاست ہی تھے ان کا ذکر کیا ہے
بلکہ خوشحال چند و لالہ بہادر کے دیوانخانہ میں روزانہ دربار رہتا تھا۔ جاگیردار و تعلقدار

وانعامدار ومنصبدار وغیرہ حاضر رہتے تھے۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جس سے کام نکلتا ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں اپنے مقاصد انسان پاتا ہے اسی کی طرف دوڑتا ہے ؂

ہر کجا چشمۂ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آنید

الغرض منیر الملک بہادر برائے نام مدار المہام رہ کر جملہ کاروبار دیوانی بمقتضاء مصلحت وقت اپنے پیشکار مہاراجہ چندولال بہادر کے ذمے کر دیے تھے کیونکہ بقول مؤلف رشید الدین خانی و مسٹر کریبل مولف امانی علاقہ برار۔ مہاراجہ بہادر پیشکار بھی اور رزیڈنٹ بہادر عہد کے سازگار بھی تھے اور میر عالم بہادر مرحوم کے دستگرفتہ و ہوشیار بھی تھے پیشکاری و دیوانی ہر دو خدمات کو ہوشیاری و ہمت سے انجام دیا۔ نذرانہ و پیشگیات سے کام لیا۔ جس کو چاہا جاگیریں عطا کیں جس کو چاہا اس سے لے لیں۔ نزدیک و دور سخاوت میں مشہور ایسے ہوئے کہ اہل بنارس وغیرہ اس حیدرآباد کو چندو لعل کا شہر کہنے لگے تھے۔

المختصر منیر الملک بہادر ثانی ۱۱۸۴ھ میں متولد ہوئے اور پچیس سال وزیر سلطنت رہ کر ۱۲۴۸ھ میں مرحوم ہوئے۔

مرقعہ عبرت میں مرقوم ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے کو یہی خطابات دیے گئے اور وہ منیر الملک ثالث ہوئے اور ان کی شادی میر عالم مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔

حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ خود منیر الملک ثانی کی شادی دختر میر عالم مرحوم سے ہوئی ہے اور ان کے فرزندوں میں کسی کو منیر الملک خطاب نہیں ہوا ہے غالباً ترجمہ کرنے میں یا کتاب مرقعہ عبرت میں یہ غلطی واقع ہو گئی ہے۔

مختصر ذکر دیوانی راجایاں راجہ مہاراجہ راجہ چندو لعل بہادر

کسی قدر بیان کارگزاری عہد پیشکاری مہاراجہ بہادر جو در اصل وہ مدار المہامی تھی بضمن ذکر منیر الملک بہادر مرحوم کیا گیا ہے۔

باقی اجمالاً کیفیت یہ ہے کہ تولدان کا سنہ ۱۱۷۷ھ میں ہوا۔ بعہد سکندر جاہ مغفرت منزل خطاب راجگی و بہادری و عطائے عماری سنہ ۱۲۱۲ھ میں۔ خدمت پیشکاری سنہ ۱۲۲۱ھ میں۔ خطاب مہاراجگی مع پالکی و نوبت سنہ ۱۲۳۵ھ میں اور ایک کرور روپیہ بطور قرض مرحمت ہوا۔ بعد مغفرت منزل کے نواب ناصر الدولہ بہادر نے بصلہ خیر خواہی وہ قرضہ کلہم معاف کر دیا اور سنہ ۱۲۴۶ھ میں خطاب راجہ راجایاں راجہ مہاراجہ راجہ چندو لعل بہادر سے سرفراز فرمایا تا آنکہ بعد وفات منیر الملک مرحوم سنہ ۱۲۴۸ھ میں مہاراجہ چندو لعل بہادر بالذات مدار المہام بھی ہو گئے تھے۔ نہایت منتظم و زکی و سخی و جفاکش و لائق تھے۔ شب و روز دربارداری و کارگزاری میں سرگرم رہے۔ دربار کے وقت قوال گاتے تھے۔ حتیٰ نصف شب کے وقت بھی شعرا کا دربار منعقد ہوتا تھا جس میں علاوہ اہل ملک و اہل ہند کے شعرا و فضلائے اہل ایران بھی حاضر رہتے تھے۔ اور خوان کرم سے ان کے مستفیض و ماہوار یاب تھے

جن میں مولّف کے والد مرحوم بھی شریک تھے۔ مہاراجہ بہادر کو مذاق سخن بدرجہ کمال تھا۔ اہل سخن کی نہایت قدر فرماتے تھے اور خود بھی زبان فارسی اور اردو میں عمدہ شعر کہتے تھے۔ **شاداں** تخلص تھا۔ چنانچہ دیوان ان کے فارسی اور اردو ہردو کتابخانۂ سرکار نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ میں موجود ہیں۔

المختصر تخمیناً گیارہ سال بالاستقلال مدارالمہام و مرجع خاص و عام رہ کر ۱۲۵۹ھ میں مدارالمہامی کا استعفا دیدیا۔

بستان آصفیہ میں مرقوم ہے کہ جب نیرالملک مدارالمہام کا انتقال ہوا تو امورات دیوانی معطل رہے لیکن اپنے بڑھے ہوئے رسوخ کے باعث راجہ صاحب تمام ملکی و مالی انتظامات کرتے رہے آپ کی فیاضی و خیرات کا یہ انجام ہوا کہ ملک کے مخارج مداخل سے زیادہ ہو گئے۔ افواج اور اعزائے حضور پرنور کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور لوگوں کو تکلیف ہونے لگی اور آخرکار حضور نظام نے فریزر رزیڈنٹ بہادر کے مشورہ سے بتاریخ ۱۱ر شعبان ۱۲۵۹ھ مہاراجہ کو معزول کر کے تیس ۳ ہزار روپے ماہانہ مقرر فرمایا۔

مہاراجہ ۱۲۶۱ھ میں فوت ہوئے ان کے عہد وزارت میں بھی مقدمات فوجداری کے لیے ایک عدالت قائم ہوئی تھی اس کے ناظم مولوی کرامت علی تھے اس زمانے میں بعض عدالتی مقدمات خاص مدارالمہام کے پاس بھی پیش ہوتے تھے اور مدارالمہام جو مناسب جانتے تھے اس کے متعلق حکم دیتے تھے اس حکم کو اکثر

متخاصمین مال بھی لیتے تھے۔

مہاراجہ چندو لعل کے بعد راجہ رام بخش بہادر وغیرہ کے ذمہ چندے انصرام امور دیوانی رہا۔

سترہ ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ میں نواب سراج الملک بہادر دیوان ہو کر حتی الامکان انتظام امور مملکت اور عدل و انصاف کا سامان کر رہے تھے کہ معزول ہو گئے۔

مجملاً ذکر وزارت نواب فخرالدینخاں شمس الامراء امیر کبیر بہادر

بعد عزل سراج الملک بہادر نقل عبارت مندرجہ تاریخ رشید الدینخانی یہ کہ ۱۲۶۵ھ میں نواب شمس الامراء امیر کبیر بہادر دیوانی سے سرفراز ہوکر سپاس بے قیاس احدیت کا ادا کر کے بقائے دولت ولی نعمت چاہی۔ پانچ ماہ چند روز کے عرصہ میں اہل غرض نے اعلیٰحضرت کو بدظن کر دیا۔ مگر اس عرصہ میں تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ ادا کرتے رہے اور انتظام اچھا ہو رہا تھا کہ بار دیوانی سے سبکدوش کیے گئے۔ مگر اتنا ہوا کہ پانچ لاکھ روپے جو بابت کنٹنجنٹ و رسالہ اور پائیگاہ کے اخراجات دیوانی میں فاصل ہو گئے تھے ناحق ان لوگوں کا بھی جو ماہا چڑھ گیا اور دنگا دیئے بعادی ماہ بماہ تقسیم لینے کے تھے اذیت اٹھانی پڑی الخ

امیر کبیر بہادر کا تولد ۱۵ ر ماہ رمضان ۱۱۹۵ھ میں ہوا اور ۱۹ ر ماہ شوال ۱۲۷۹ھ میں رحلت ہوئی۔

مختصر احوال نواب میر عالم علیخاں بہادر شیر جنگ سراج الدولہ سراج الملک

ان کا سنہ میلاد وحسب ونسب کا ذکر نیر الملک بہادر ثانی کے حالات میں کیا گیا ہے۔ مجملاً یہ کہ بعد عزل نواب امیر کبیر بہادر دوبارہ آخر شعبان ۱۲۶۷ھ میں مدار المہامی سے سرفراز ہوئے اور تادم رحلت یعنی ۷ ارشعبان ۱۲۶۹ھ تک اپنے آقائے ولی نعمت کی خیر خواہی وکارگزاری میں حتی الامکان سعی کی اور ادائے فرض منصب کا لحاظ رکھا جیسا کہ سابق کے ہر ایک دیوان کارگزار کو رہا ہے۔ حالانکہ غفران منزل سے اکثر اختلاف رہا ہے۔ سراج الملک بہادر جب کبھی باریاب ہو کر معروضہ کرتے تھے تو غفران منزل کو یہ خیال ہوتا تھا کہ مجھ سے آنکھیں نکال کر باتیں کرتا ہے۔ حالانکہ ان کی بڑی بڑی آنکھیں خلقتاً ویسی ہی تھیں۔ سیدی عنبر خانساماں کا بیان تھا کہ خصوصاً جب نیند سے بیدار ہوتے تھے تو شیر کی سی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں استغنائی وبے پروائی تھی جیسی کہ کارگزاران متدین کے طبایع میں ہوا کرتی ہے چنانچہ یہ واقعہ اب تک بین قدما یہاں مشہور ہے کہ جس روز غفرآن منزل نے وزارت ان سے لے لی تھی اور اس روز مخفی طور پر انکی خبر منگوائی تو معلوم ہوا کہ رقص ارباب نشاط ہو رہا ہے۔ یہ سن کر فرمایا عجب بے پروا آدمی ہے۔

تعلیم طب انگریزی کا مدرسہ انہیں کے یعنی سراج الملک بہادر کے عہد دیوانی میں بمقام رزیڈنسی ابتداءً قایم ہوا تھا۔ اور مطبع سنگی بمبئی سے منگوایا گیا تھا۔ نیز انتظام عدالت ومیر عدل وغیرہ کی تجویزیں تھیں مگر زندگی نے وفا نہ کی بتاریخ ۷ ار ماہ شعبان ۱۲۶۹؁ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ تین چار سال میں کیا ہو سکتا تھا خصوصاً اس زمانے میں جس کا بیان آیندہ ہوگا اس زمانے کے لئے تو خالق نے **سر سالار جنگ مختار الملک بہادر اوّل** ہی کو خلق فرمایا تھا جس کی نسبت یہ کہنا زیبا ہے کہ خلاق عالم کو منظور ہوا تھا کہ یہ ریاست ضعیف شدہ از سر نوجوان اور رئیس ورعایا کی آسودگی ومرفہ الحالی کا سامان ہوجائے لہذا ایک انسان ایسے دل ودماغ کا پیدا فرمادیا جس کو اہل یورپ نے بسمارکِ انڈیا کہا ہے۔ واضح ہو کہ مختار الملک مغفور اوّل کے حالات کو مولف باب دوم میں بیان کرے گا کیونکہ پہلے زمانۂ قبل مدار المہامی نواب صاحب مغفور کے حالات حتی الامکان بتالانا مقصود ہے۔

باب اوّل

دربیان حالات ریاست حیدرآباد دکن قبل زمانۂ مدار المہامی نواب میر تراب علیخاں بہادر سر سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک جی سی ایس۔ آئی ڈی۔ سی۔ ایل۔

پہلے مجملاً کیفیت جمع و خرچ عملہائے سابقہ منجملہ موازنہ جمع و خرچ سنہ ۱۲۰۹ف جس کو مولّف نے فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے درج ذیل کی جاتی ہے۔ اور جمع و خرچ عمل مدار المہامی نواب صاحب مغفور مندرجہ موازنہ مذکور بیانِ عمل موصوف میں بتلایا جائے گا۔

یہ موازنہ وہ ہے جو ابتدائے حسب الحکم مدار المہام نواب مختار الملک مغفور اوّل بہ نگرانی کرم الدولہ بہادر مرحوم صدر المہام مال مرتب ہوا تھا۔ اس کے قبل ممالک محروسہ سرکار عالی کا موازنہ مداخل و مخارج اس ترتیب و تفصیل کے ساتھ کبھی مرتب نہیں ہوا تھا۔

(۱) چونکہ یہ پہلا موازنہ ہے جو حسب منشا و مقصود خاص لکھا گیا ہے جس میں محاصل و مصارف ۱۳۴۲ف کا اندازہ جو کچھ ہو مرتب کیا جائے لہذا مناسب ہے کہ پہلے کچھ حالات جمع و خرچ عہدہائے سابقہ اور انتظام حال کی افزایشِ محاصل و اعتدال جمع و خرچ بیان کیا جائے۔

(۲) اس کے قبل ایک عرصۂ دراز سے محاصل دیوانی گھٹتا چلا آ رہا تھا اور اخراجات بڑھتے جا رہے تھے۔ عمل مہاراجہ چندو لعل متوفی کے قبل سے انتظام مال عموماً بذریعۂ تعہد و تعلقداری ہوتا تھا۔ رقم نذرانہ و پیشگی جو زیادہ دیتا انتظام تعلقات اس کے سپرد ہوتا تھا۔ اسی سبب سے اکثر تعہددار اور تعلقدار سختی اور روپیہ کھینچنے میں کمی نہیں کرتے تھے۔ رعایا سے زیادہ لینا اور سرکاری رقم کو گھٹانا ان کا شیوہ تھا اس لیے اکثر تعلقات کی رعایا روز بروز تباہ اور محاصل تعلقوں کا کم ہو رہا تھا۔ اخراجات عمل مہاراجہ موصوف روز افزوں تھے خصوصاً بالائی مصارف۔ ان مصارف کے وجوہ غالباً علاج پذیر نہ ہوں گے ورنہ مہاراجہ متوفی سے لائق و ہوشیار درصورت امکان ضرور اُن کا انسداد کرتے۔ اور جمعیت و منصب کے اخراجات آمدنی سے زیادہ تھے۔ عہد مہاراجہ متوفی کا جمع و خرچ کامل مرتب نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کا جمع و خرچ دیکھنے کے لیے اب کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ فقط مداخل و مخارج ہیں جو کہ قابل اطمینان نہیں۔ ان میں رقوماتِ معمولی عہد مذکور کے سوائے جملہ جمع و خرچ نقدی کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

(۴۳) چونکہ اخراجات معمولی طور پر آمدنی سے زیادہ تھے اس لیے پیشگی رقمیں اور زیادہ نذرانے لینے کا دستور تعہد تعلقات کے لیے تھا اور جلد جلد اہل معاملہ کو موقوف کر دیتے تھے۔ اور مال و املاک و رسوم زمینداری ضبط کرنے کا اور مالی عدالتی مقدمات میں جرمانہ و نذرانہ لینے کا طریقہ اسی لیے رواج پایا تھا بلکہ ایسے رقوم ہر ماہ میں بنام فروعی اہل دفتر وغیرہ کے ذریعے سے جمع ہوتے تھے۔ اور جو کچھ کہ رقم دفتر کے ذریعہ سے جمع ہوتی تھی اس کی فردیں بغیر مداخل و مخارج کے دستخطی مہاراجہ متوفی آتی تھیں۔ خالصہ کے تعلقات ادائی پیشگیات و نذرانہ کے لئے پیشگی و نذرانہ دینے والوں کے قبضے میں رہتے تھے بسبب خزانہ خالی رہتے اور وصول نہ ہونے زر تنخواہ کے جمعداروں اور تنخواہ داروں اور قرض خواہوں نے اکثر دیہات و تعلقات اپنی تنخواہ میں بطور تنخواہ جاگیر لے لیے تھے۔ اسی سبب سے لاکھوں روپے محاصل کا ملک تنخواہ جاگیروں میں اور ادائی قرضہ میں مقرر ہو گیا تھا۔ اور بہت کچھ ماہواریں جمعیت و منصب و اقربایان خاص کی برآیندہ ہو جاتی تھیں اور سپاہ بسبب نہ صادر ہونے احکام تنخواہ کے سرکشی کرتی تھی۔ قرض خواہ سختی کے ساتھ تقاضہ کرتے تھے اور اہل منصب وغیرہ بھی تکلیف میں بسر کرتے تھے۔

(۴۴) مہاراجہ متوفی کے بعد بھی بہ سبب زیر باریِ سرکار وہی حالت ابتری و بدنظمی کی روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ راجہ رام بخش کی عمل تیکاری میں جمعیت کنیٹجنٹ کی تنخواہ بہت کچھ چڑھنے کے سبب خزانہ رزیڈنسی سے ادا ہو رہی تھی

سوائے دوسرے قرضوں کے فقط تنخواہ کنٹینجنٹ کا قرضہ اسّی لاکھ روپے کے اندازے میں ہو گیا تھا جس کی ادائی مشکل تھی کیونکہ سرکاری اعتبار اس قدر گھٹ گیا تھا کہ ساہو کاروں سے قرض بھی سوائے ضمانت جمعداروں کے ملتا نہ تھا اور سود دو چند سے زیادہ۔ جمعداران عرب وغیرہ سے جو قرض سرکار کو وصول ہوتا تھا تو بحساب فی لاکھ روپے دو دو چار چار سو نفر جوان کی تنخواہ بحساب فی نفر چودہ روپے ماہوار یا کچھ کم جمعیت بھرتی کرنے کے نام سے لیتے تھے خواہ بھرتی کی گئی ہو یا فقط کاغذی عمل ہو۔ بہرحال تنخواہ تو جاری ہو جاتی اور اس کے سوائے سود۔

(۵) سابق زمانے کی طرز انتظام مالگزاری کے اصول و فروع تشفی بخش نہ تھے۔ تشخیص و تحصیل مالگزاری کا انتظام عام طور پر تعہد اور ٹھیکہ کے ذریعے سے تھا اور اگر امانی رکھے جاتے تھے تو تعلقداری امانی کہلاتی تھی مگر اس میں بھی تعلقے کے معاملے تعہد سے دیے جاتے تھے۔ پس وہ تعہد و امانی ہر دو طریقے جو بیان کیے گئے خرابیوں سے خالی نہ تھے۔ جبر و زیادہ ستانی رعایا سے بد قولی اکثر تعلقداروں کے نزدیک معمولی بات تھی۔ اور جمع کے اندازے کا کوئی دستور مقرر نہ تھا۔ ہر سال اضافہ کے ساتھ رقم جمع موضع واری یا پرگنہ واری سربستہ قرار دیکر اس کی تفریق ہر ایک کاشتکار پر کرتے تھے جو کسی اصول پر مبنی نہ تھی اور دستور بٹائی کا قابل اطمینان نہ تھا۔ تیاری مال کے وقت

کھیت کاٹنے کے قبل ہی بسبب احتیاج زر مالگزاری کا مطالبہ کر کے کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے ہاتھوں میں پھنسا کر سود میں زیر بار کرتے تھے۔ رعایا سے دیہات سے پٹیات ناجائز لیتے تھے۔ اہل حرفہ بھی پٹیات دیتے تھے اور بقالوں سے نیز عام طور پر بیوپاریوں سے محصول راہداری دہ بہ دہ وصول کرتے تھے۔ غرض ایسے ہی مضرت رساں طریقوں سے رعایا کی حالت تباہ ہوتی تھی۔ زمیندار سرکشی اختیار کرتے تھے رعایا کمزور پائمال ہوتی تھی۔ زراعت وحرفت گھٹ ہی تھی۔ سرکاری اہل کار جن کے ہاتھ میں تعلقوں کے معاملے تھے نیز دیسکھ اور دیشپانڈیہ سوائے روپیہ لینے اور اپنا نفع کرنے کے دوسرے امر کا خیال ہی نہیں کرتے تھے اس لیے رقم مداخل علاقہ دیوانی سرکار گھٹ گئی تھی۔

(۶) اخراجات مقرری یا کاغذی یعنے مداخل ومخارج دفتر مال میں جس قدر لکھے جاتے اور در اصل وہ بھی فرضی تھے اور مخارج میں اگرچہ سالم تنخواہ وغیرہ خرچ میں لکھی جاتی تھی لیکن اس کی نصف بھی ادا نہ کرتے تھے۔ بموجب مندرجہ ذیل تین قسم کے تھے اور بسا مداخل و اخراجات ایسے تھے جو حسابات سرکاری یا کاغذی میں مطلق لکھے نہیں جاتے تھے۔

(۱) منہا مداخل سے۔ اور اس میں زیادہ تر رقم سہ بندی وصادر اور رسوم وطنداری اور رقم یومیہ وسالانہ ودیہہ صادر وغیرہ اخراجات متعلق محال محبوب ومجرا ہوتے تھے۔

(۲) تنخواہ محالات:۔ زر نقد جو خزانے سے خرچ ہونا چاہئے تھا اس کے عوض تعلقات و دیہات محاصلی مساوی رقم سالانہ تنخواہ جمعیت و منصب و ساہوان قرض خواہ کے حوالے ہوتے تھے۔

(۳) مخارج نقد خزانہ اور محالات سے:۔ جن میں سرکاری علاقے کے اخراجات اور تحریر دیوانی و پیشکاری اور تنخواہ جمعیت و منصب و شاگرد پیشہ کے اخراجات، اور بعض جمعیت قلعہ جات کے اور کسی قدر یومیہ اور بعض متفرقات شامل تھے۔

(۷) (۱) قسم اول سہ بندی و صادر میں جو اخراجات لکھے ہیں وہ اخراجات واقعی کے طور پر نہ تھے بلکہ اکثر فی روپیہ ۲ر کے حساب سے مقرر تھے اور دراصل ان میں کے نصف بھی خرچ واقعی میں نہ آتے تھے۔ بلکہ دوسرے اخراجات رسوم و یومیہ وغیرہ متعلق محال جو فی روپیہ ۲ر کے سوائے تھے وہ بھی مستحقوں کو برابر نہیں پہونچتے تھے لیکن تعلقدار و تعہد دار سرکار سے اخراجات مذکور لازمی طور پر ہمیشہ سبیل بندی کے رو سے پورے مجرا لیتے تھے۔ یہ بھی ایک بڑا سبب تھا نقصان سرکاری و محرومی مستحقین کا کہ جس خرچ کے نام سرکار سے رقم مجرا لی جاتی تھی اس میں خرچ نہیں ہوتی تھی۔

(۲) اخراجات قسم دوم یعنے تنخواہی محالات حقیقت میں جمع و خرچ کے حساب سے خارج تھے۔ لیکن چونکہ تعلقات و دیہات خالصہ کی تنخواہیں جمعداران و منصبداران وغیرہ کے عوض مقرر ہوئی تھیں اور سرکار کو ہر وقت اختیار تھا کہ اجرائے تنخواہ

نقد یا موقوفی کے لیے تعلقات مذکور کو واگزاشت کر لے اس کے تنخواہی محالات شریک مداخل و مخارج کیے جاتے تھے۔

(۳) اخراجات سوم عام طور پر مصارف ماہوارات و تقاریب علاقہ صرفخاص حضور پرنور اور تنخواہ جمعیت و منصب کے متعلق تھے اور چونکہ رقم مداخل سے بعد نہائی اخراجات متعلق محال اور جو کچھ ادائی پیشگی وغیرہ میں دئیے جاتے تھے زیادہ تھے اس وجہ سے عملہائے سابقہ میں اخراجات سرکاری و دیوانی کی کارروائی چھ قسم سے ہوتی تھی۔

۱) ساہوکاروں سے اور جمعداروں سے قرض لیا جانا۔

۲) بذریعہ رہن تعلقات و جواہرات وغیرہ۔

۳) تعلقات پر پیشگی رقمیں لینا۔

۴) نذرانہ و جرمانہ لینا اور ضبطی رسوم وغیرہ اور ضبط کرنا ان اموال کا جن کے وارث قوی نہوں یا وراثت سرکاری محاسبہ میں پھنسا ہوا ہو۔

۵) تعلقاتِ دیوانی کے اس محاصل سے جو زیادہ تر تنخواہی محالات میں اور فاضلات و پیشگیات کی ادائی میں پھنسا ہوا اور باقی ماندہ حصہ بعد وضع ہونے چوتھائی کے جو سہ بندی و صادر میں اور رسوم وغیرہ میں خرچ ہوا ہے جو کچھ باقی رہ جائے۔

۶) اکثر ماہوارات جمعیت و منصب وغیرہ کو بر آیندہ رکھدیا جانا۔

۷ (الف) ۱۲۶۳ف میں جو اخیر عمل دوم سراج الملک مرحوم کا تھا مداخل و مخارج دیوانی حسب ذیل تھے۔

کیفیت مداخل تعلقات دیوانی

مداخل	رقم	
محالات تنخواہی صوبہ حیدرآباد و بیدر	[illegible] لک	
محالات تنخواہی صوبہ برار و اورنگ آباد و بیجاپور	[illegible] لک	[illegible] لک
محالات مفوضہ عمالان دیوانی صوبہ حیدرآباد و بیدر	[illegible] لک	
محالات مفوضہ عمالان صوبہ برار و اورنگ آباد و بیجاپور	[illegible] لک	[illegible] لک کرور
		[illegible] لک کرور

واضح ہو کہ یہ مداخل اس وقت کا ہے جو صوبہ برار وغیرہ قبضہ سرکار عالی میں تھا۔ سرکار انگریزی میں جانیکے بعد جو مداخل تھا اس کا اظہار آیندہ کیفیت جمع و خرچ عمل مدار المہامی مغفور اوّل مندرجہ موازنہ مذکور میں ہوگا۔

کیفیت مخارج علاقہ دیوانی سنہ ۱۲۶۳ف

		مخارج	رقم
منہما از مداخل		سہ بندی وصادر و رسوم ویومیہ داران وغیرہ	[illegible]
مخارج	۱	ماہوار جیب خاص ومتعلقان حضور وتعلقہ خانسامانی	[illegible] ۴/
	۲	تحریر دیوانی	[illegible]
	۳	جمعیت وسوار وپیدل	[illegible] ۳/۱۴
	۴	منصبداران	[illegible]
	۵	دیگر اسما	[illegible] ۳/۲
	۶	منصف ومیر عدل وغیرہ	[illegible]
	۷	سواران علاقہ تعلقداران	[illegible]
	۸	احشام	[illegible] ۳/۱۲
	۹	شاگرد پیشہ	[illegible]
	۱۰	یومیہ وسالیانہ داران	[illegible] ۳/۵
		تنخواہ جمعیت کنٹینجنٹ	[illegible]
		جملہ	[illegible] کرور [illegible]

ازروی حساب مندرجہ بالا ظاہر ہے کہ [illegible] خرچ آمدنی سے زیادہ تھا۔

گزارش مولف ۔ کیفیت مداخل، مخارج مذکورہ سے ظاہر ہے کہ ویسی حالت میں جمعیت اور منصبداروں کی تنخواہ ماہ بماہ کیونکر جاری رہ سکتی تھی ۔ اس زمانے کے بعض بزرگ جو ہنوز موجود ہیں بیان کرتے ہیں کہ بہزار سعی و درباداری بزرگان لالہ بہادر چند منصبداروں کی تنخواہ کے لیے بنام تعلقدار ضلع کئی سال میں ایک مرتبہ احکام جاری ہوتے تھے تو چار و ناچار بہزار مصیبت تعلقدار کے پاس جاکر ہنڈوی لاتے تھے ۔ بخوف بدامنی راہ رقم نہیں لاسکتے تھے ۔ بعد وضع ہنڈاون رقم تنخواہ وصول کر کے حوالہ بقال محلہ کرتے تھے کیونکہ اس سے قرض لے کر اب تک بسر کرتے رہے اور آیندہ بھی اس سے لینا ہے ۔ خدا جانے تنخواہ پھر کب میسر ہو ۔

اس زمانے کے منصبداروں کی حالت پر افسوس ہوتا ہے کہ تعلقداروں کے پاس جانے آنے کے مصارف و مصائب سفر ۔ اور محلہ کے بقال کا قرضہ اوس غلہ وغیرہ کی قیمت کا جو بسبب اودہار کے گراں و ناقص دیا ہے ۔ اور سود اس قرضہ کا جو بالائی مصارف کے واسطے ماہانہ دس پانچ روپیہ نقد دیتا تھا تو وہ بھی یکمشت نہیں دیتا تھا بلکہ بدفعات ۔ بدفعات بھی روپے نہیں بلکہ خوردہ دیتا تھا وہ اس لیے کہ بازار کے نرخ سے فی روپیہ پیسہ دو پیسے کم دینے کا موقع ملے ۔ اس خوردہ میں بھی دو چار آنے کی کوڑیاں بہرحال بیچارے منصبدار بسبب نایابی تنخواہ ہمیشہ بقال اور ساہوکاروں کے محتاج و دستِ نگر رہتے تھے ۔ اس زمانے کو مخلوق کے لئے ارزانی غلہ و اجناس نہایت جان بخش تھی چنانچہ باریک چاول تیرہ ۱۳ گاہے چودہ ۱۴ روپے کو پلہ ملتے تھے موٹے چاول آٹھ ۸ یا نو ۹ روپے کو گیہوں دس ۱۰ روپے کو پلہ جوار

چار روپے کو کبھی تین روپے کو پلہ۔ گہی روپے کو تین سیر کبھی اس سے زیادہ۔ بیسنی شکر روپے کو چھ سیر۔ علی ہذا القیاس مونگ مسور وغیرہ ہر چیز ارزاں تھی۔ ورنہ خدا جانے کیونکر بسر ہوتی۔ ویسی حالت اس زمانے کے جاگیرداروں کی بھی تھی۔ جاگیردار برائے نام تھے۔ جاگیر زمینداروں کے قبضہ میں عربوں کے ہاتھ میں یا ساہوکار وغیرہ کے پاس رہن۔ سال ہائے سال گزر گئے حساب نہ کتاب ادائی کا نام نہیں۔ جاگیر سے کام نہیں بطور خیرات بہزار منت جاگیردار کو کھانے کے لیے کچھ دے دیتے تھے۔

نیز اس زمانے میں ایک دستور ناجائز تھا کہ کسی مرشد زادے وغیرہ دولتمند کا انتقال ہوا تو فی الفور اس کے مال و متاع پر سرکاری ضبطی جاتی تھی اگرچہ متوفی کے حقدار ہوں۔

معاذ اللہ کس قدر بدنما اور خلاف شرع و خلاف قانون طریقہ تھا جو باعث تباہی خاندان و موجب حق تلفی و دل آزاری حقداران ہوتا تھا۔ ایک تو گھر کے وارث کا اُٹھ جانا اس پر یہ تباہی ورثہ۔ چنانچہ تاریخ خورشید جاہی میں مرقوم ہے کہ ماہ صفر ۱۲۶۹ھ میں مُہتا صاحب نواب کلیانی کا انتقال ہوا تو حسب الحکم سرکار عالی محمد وزیر کوتوال معزول نے جا کر تمام مال و متاع ضبط کر لایا۔ جملہ نقد انتیس ۲۹ ہزار روپے اور چھ ۶ سو اشرفیاں داخل خزانہ ہوئیں۔

نیز قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ بغیر حصول اجازت کوئی شخص دو منزلہ

یا پختہ مکان تعمیر کرنے کا مجاز نہ تھا۔ اور حصول اجازت دشوار۔ بعد زمانہ میر عالم مرحوم جو کچھ حالت رہی اب تک مشہور و بین فدما مذکور ہے کہ جو تعلقدار منجانب سرکار معمور ہو کر جاتا تھا بسبب عدم اطمینان بقائے خدمت شب و روز فکر تحصیل واخذ زر میں رہتا تھا کہ مبادا دوسرا تعلقدار میری جائے پر معمور ہو کر آجائے۔ بعض تعلقدار ڈیڑا آنی اور دو آنی پر تعلقداری کرتے تھے یعنے ماہوار تعلقداری کے عوض فی روپیہ ڈیڑ آنہ یا دو آنے لیتے تھے جس میں مصارف عملہ وصادر و غیرہ شریک تھے مگر یہ دو آنے برائے نام تھے در اصل روپے میں آٹھ آنے کے مالک تھے۔ نیز بسا تعلقات ٹھیکہ سے دیے جاتے تھے یعنی ٹھیکہ سے۔ نایبان، سر رشتہ داران، دلسیکھ، دیشپانڈیہ، پٹیل پٹواری وغیرہ کے ہاتھوں میں رعایا پھنسی ہوئی تھی۔ تعلقدار یا ٹھیکہ دار سے لے کر پٹواری تک ہر ایک کو تحصیل زر کی فکر رہتی تھی اقسام کی پٹیاں ناجایز لیجاتی تھیں یعنے امرائی پٹی۔ بن چرائی۔ شہر سندھارفی۔ سائردہ بدیہی۔ محصول درآمد غلہ۔ محترفہ۔ پٹیات خفیف یعنے پٹی دھنگران پٹی دہیڑان۔ شادی پٹی۔ چرسہ پٹی۔ لون پٹی۔ ہاٹ بازاری۔ کلال پٹی۔ جولائی پٹی۔ دہارا پٹی۔ راہداری۔ غنیم باب۔ بورال پٹی۔ لوٹ سبزی۔ بانس فروشی نذکور پٹی۔ رسوم ریدی وغیرہ۔ ہنگام اچھا ہو یا خراب ہو اپنی تحصیل سے غرض رکھتے تھے۔ جو رعیت زر نقد یا ضمانت ساہوکار کی نہ دیتا تو اس کے گھر کا سامان اور مویشی جملہ ضبط کر لیتے۔ اور اُس کے سر پر پتھر دے کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے

اگر کہیں روپیہ چھپا رکھا ہے تو بتلا دے۔

از روئے تاریخ رشید الدین خانی راجہ رام بخش ٹیکاری پر معمور اور جملہ امور ریاست ان سے متعلق ہوئے۔ دراصل گویا دیوان تھے۔ بجرد سرفرازی باوجود زیادتی مخارج و کمی مداخل ریاست دروازہ جود و سخا کا کھول دیا۔ بڑی بڑی ماہوار کے لوگ نوکر رکھے۔ کم مواجبوں کو بے سبب اضافے کیے۔ آسامیان میانے اور ہاتھیوں کی دیں۔ جاگیریں عطا ہوئیں چنانچہ دفتر سے ثابت ہوا کہ چھ ہزار آدمی اٹھارہ لاکھ روپے سال کے جدید نوکر رکھے۔ عربوں سے بہت سا روپیہ قرض لے کر تعلقات ان کے قبضے میں دے دیئے۔ عمال پیٹھوں سے عوض دو سالہ پیشگی لے کر اپنے تصرف میں لائے۔ سوائے اس کے چوانی جاگیرداروں سے بھی تحصیل کی عام خلقت بلدہ کی پریشاں روزگار۔ شرفا تکلیف زدہ۔ صدا الجوع کی ہر طرف سے بلند۔ جب دار السلطنت کا یہ حال تھا تو تعلقات کا کیا حال ہوگا۔ اکثر دنگا فساد خونریزیاں تھیں۔ میر علی جمعدار کے مکان پر ستر آدمی مارے گئے علیٰ ہذا القیاس ہنگامے برپا تھے تا آنکہ ٹیکاری سے موقوف ہو گئے۔ بعد ازاں گنیش راؤ بھی چند ساعت کے لیے دیوان ہو کر موقوف ہو گئے۔

جب ان اضلاع کا حساب شایع ہوا جو ۱۸۵۳ء م ۱۲۷۰ھ میں سرکار کمپنی کو سپرد کر دیے گئے تھے تو ثابت ہوا کہ ان اضلاع کے تعلقدار سرکاری مالگزاری کا بہت کم حصہ سرکار نظام میں داخل کرتے تھے۔ عموماً ایک ربع آمدنی سے لے کر۔

نصف آمدنی تک خود کھا جاتے تھے۔ مثلاً ضلع سیکپور ملک برار کی آمدنی تعلقدار کے حساب میں ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے مندرج تھے حالانکہ اصلی آمدنی ایک لاکھ نو ہزار تھی۔ اسی طرح بہت سے اراضی ملک برار میں قابل تردد ایسے تھے جو نقشہ جات میں غیر مزروعہ دکھائے جاتے تھے یا اس کا مطلق ذکر ہی نہ ہوتا تھا۔

جب ملک برار گورنمنٹ کمپنی کو دیا گیا تو اس کے شمالی حصہ میں مزروعہ زمین کی مقدار چار لاکھ پچیس ۲۵ ہزار بیگہ ظاہر کیجاتی تھی حالانکہ پیمائش میں سترہ ۱۷ لاکھ بیگہ سے زیادہ معلوم ہوئی۔ چنانچہ بعلاقہ ملک برار ۱۸۵۳ء میں کرنیل ہڈویلر ضلع نلدرگ کے افسر مقرر کیے گئے تھے تو انھوں نے اس بارے میں حسب ذیل تحریر کیا ہے۔

گورنمنٹ نظام کے تعلقداروں کو بے انتہا فائدہ تھا۔ یہ لوگ بڑا حصہ مالگزاری کا مقامی سکہ کے حساب سے وصول کرتے تھے جو بحساب بازار کمپنی روپے سے کچھ کم تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہنڈاون کا فائدہ وہ سرکار کو دیں حیدرآباد میں بذریعہ ہنڈوی کے بھیجتے تھے جو وہاں شہر کے کم قیمت روپے سے بدل جاتی تھی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جب حیدرآباد کے ایک صوبے میں یہ اندھیر تھا تو اور اضلاع میں کیا اندھا دھند ہو گی۔ نلدرک کا ضلع جب سرکار انگریزی کو سپرد کیا گیا تو پہلے ہی سال اس کی آمدنی ایک لاکھ تنتیس ۳۳ ہزار روپے زیادہ ہوگئی۔ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں اس وقت کیسی لوٹ مچی ہوئی تھی۔

جس کی برسوں کسی نے خبر بھی نہ لی۔

واضح ہو کہ زمانہ سابق میں خود ریاست و امرائے ریاست و جاگیردار جملہ قرضہ میں مبتلا تھے۔ اس زمانے میں ساہوکار اتنے اور ایسے جیسے کہ اب ہیں مالدار دراصل تھے بھی نہیں۔ جو کچھ تھے سو ان کا فقط سرکار عالی پر دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ برآیندہ تھا لہذا وہ عدم اطمینان ادائی کی وجہ سے بہت کم کسی کو قرض دیتے تھے اس لئے اکثر امراو جاگیردار وغیرہ عربوں کے اور مہدوی پٹھانوں کے قرضہ میں پھنس رہے تھے۔ اور خود سرکار عالی کو بھی ادائی تنخواہ کنٹنجنٹ وغیرہ کی ضرورت ہوتی تھی تو عربوں سے اور پٹھانوں سے بہت کچھ سود پر قرض لیا جاتا تھا اور لاکھوں روپے کے تعلقے بطور رہن دیدیے جاتے تھے چنانچہ ازروے مرقعہ عبرت یہ پایا گیا کہ ۱۸۵۰ء مطابق ۱۲۶۶ھ میں ایک کرور سے زیادہ آمدنی پر عربوں اور پٹھانوں کا قبضہ تھا۔ الغرض ریاست اس قدر زیر بار و قرضدار تھی کہ اس کی ادائی کے لیے مجبوراً غفران منزل نے شاہی جواہر رہن فرمایا تھا۔ بالآخر وہ جواہر بغرض فروخت باستصواب مسٹر ڈاہٹین انگلستان روانہ کیا گیا تھا جس کی واپسی کا ذکر باب دوم میں آئے گا۔

ارشاد مبارک شاہ اولیا علیہ التحیۃ والثنا۔ الھٰکم ھم الدین (فکر اگر ہے تو قرض کی ہے فکر) نہایت درست ہے۔ انسان کیسا ہی غیور و عالی مرتبہ ہو عدم امکان ادائی کی حالت میں اپنے قرضخواہ سے عاجز ہو جاتا ہے۔ مقام غور ہے کہ سرکار نظام کو

باوجود کمال اتحاد و ارتباط سرکار انگلشیہ سے بسبب قرضہ متعلق ماہوار کنٹنجنٹ کس قدر کاہشیں اٹھانی پڑی ہیں اور تقاضائے ادائیمین کیسے کیسے الفاظ نا ملایم و خلاف شان کے متحمل ہوتا پڑا ہے ۔ ملاحظہ ہو تاریخ رشید الدین خانی کا تیسرا دفتر حکام مختلفہ کے بیان میں متعلق واقعہ دربار مطالبہ رقم سرکار انگریزی جس کی اصل عبارت یہ ہے ۔ کہ جب خود بدولت نے فرمائے کہ جس وقت ہم بذات خود متوجہ اس کام کے تھے اس وقت تمھاری ماہوار ماہ بماہ پہونچتی رہی ہے ۔ ڈیوڈ ولسن صاحب نے عرض کی کہ اس وقت بھی باقی رہ گئی تمام نہیں پہنچی ۔ ہاں مگر شمس الامرا بہادر امیر کبیر کی عملداری میں برابر پہنچی ہے ۔ بلکہ فاضل پہنچی ہے پھر خود فرمائے کہ ہمارے وقت کے رسیدات تمہارے حاضر ہیں ۔ اور حکم ہوا کہ سیف جنگ کو بلاؤ ۔ معزالیہ حاضر ہوئے اور عرض کی درست ہے ۔ اس وقت بھی ان کی ماہوار رہ گئی ہے ۔ اس میں سراج الملک بہادر درمیان آئے اور ایسا بولے کہ غلام اپنے عمل میں بھی کچھ باقی نہیں رکھا ماہ بماہ پہونچاتا رہا ہے ۔ کرنل جان لو صاحب نے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو بہت سی باقی رہی ہے ۔"

نیز اسی تیسرے دفتر میں ایک اور دربار کی کیفیت جو بیان کی ہے اس کی اصلی عبارت یہ ہے کہ "سراج الملک بہادر نے ایک چٹھی جیب سے نکال کر دکھلائی اور ایسا کہا کہ یہ تجویز ہوئی ہے ۔ کرنل جان لو صاحب نے کہا مجھے اعتبار نہیں تب سراج الملک بہادر نے حضور سے عرض کیا کہ دو تین روز میں دس لاکھ روپے تو پابجا ہو جاتے ہیں ۔ جب کرنل جان لو نے سراج الملک بہادر کی طرف دیکھ کر

ایسا بولے کہ اگر اِس وعدے پرتم روپے نہ پہونچاؤ گے تو تمھارا منہ کالا ہوگا۔

حضور بولے نہیں جی ضرور پہونچائیں گے۔ الخ۔

مقام غور ہے کہ غفران منزل سا الوالعزم بادشاہ اور سراج الملک بہادر سا وزیر غیور طبع کو بسبب بے سرمایگی ریاست و مقتضائے وقت صدمات دلی کس قدر برداشت کرنی پڑی تھی۔

یہی ایک حالت سابقہ ریاست نظر میں رکھیں تو مختار الملک مغفور اول کا حسنِ انتظام وکمال خیر خواہی سلطنت ناظرین بانصاف پر منکشف ہونے کو کافی ہے۔

الحاصل اِس زمانے میں عرب خصوصاً چند بڑے جمعدار عربوں کے عبداللہ بن علی مدبر جنگ سیف الدولہ عمر بن عوض جانباز جنگ شمشیر الدولہ وغیرہ جمعدار بھی تھے تعلقدار بھی تھے۔ ساہوکار بھی تھے۔

جمعداری کا یہ حال کہ ہر جمعدار کے آوردہ میں کئی ہزار نفر عرب ملازم سرکار لیکن کبھی کسی نے دخل ان کا دیکھا نہ وہ کسی کو داخلہ بتلاتے تھے۔ ملازم عربوں کی تنخواہ کے لیے خزانہ عامرہ اور اس میں رقم کہاں تھی جو ماہوار تقسیم ہوتی۔ اِس لئے کئی لاکھ روپے محاصل کے تعلقات سرکاری کو جمعداروں نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ سالہا سال حساب نہ کتاب علاوہ برآں بذریعہ مقربان بارگاہ خسروی نذرانہ داخل کرکے بحیثیت تعلقداری لاکھوں روپے محاصل کے تعلقے حاصل کر لئے تھے۔ مقام غور ہے کہ حضرات عرب نے کیسی تعلقداری ہوگی۔ خاص پائے تخت یعنی بلدہ میں

جن کا جنبیہ ذری ذری بات پر نکل پڑتا تھا تو تعلقات و دیہات کی بیچاری رعایا پر کیا گزری ہوگی۔ ساہوکاری کی یہ صورت کہ جس جاگیردار نے ان سے تھوڑا بھی قرض لیا تو عمر بھر اس قرضہ سے نجات دشوار ہوتی تھی۔ علاوہ خاطر خواہ سود وغیرہ کے دس یا پندرہ یا بیس عرب حسب حیثیت قرضہ اس جاگیردار مدیون کی ڈیوڑھی پر برائے نام مقرر ہو جاتے تھے کہ یہ نوکر آپ کے ہیں۔ اور در اصل حسب تعداد عروب بندوقیں کھوٹیوں سے لگادی جاتیں۔ اگر کوئی کہتا کہ عرب تو دو ہی حاضر رہتے ہیں اور نام تو دس یا پندرہ عربوں کا ہے تو جواب ملتا تھا کہ بروقت ضرورت دیکھ لینا سب حاضر ہو جائیں گے۔ بیکار کیوں حاضر رہیں۔ اس تقرر سے عربوں کا مقصد یہ تھا کہ فی اسم دس بارہ روپے ماہوار کے حساب سے جملہ عربوں کی ماہوار بھی مدیون کے ذمے لگائی جا کر شریک قرضہ مدیون ہوتی جاتی تھی۔ ہر گاہ کوئی امیر وغیرہ فوت ہو جاتا تھا اس کے قرض خواہ عرب یا پٹھان دروازہ پر مدیون کے بیٹھ جاتے تھے اور جب تک ضمانت معتبر وغیرہ سے ادائی قرضے کا خاطر خواہ تصفیہ نہ ہوتا تھا میّت کو مدیون کی اٹھانے نہ دیتے تھے۔

چنانچہ سراج الملک بہادر علیل ہو کر بغرض تبدیل آب و ہوا پستن جی کی کوٹھی میں جو فی الحال محسن الملک کی کوٹھی کہلاتی ہے مقیم تھے۔ اور وہیں بحالت خدمت وزارت انتقال ان کا ہو گیا تو بخوف عروب و افغانان وغیرہ طلب گاران تنخواہ بر آیندہ۔ خبر انتقال کو مخفی رکھنے میں اہلکاروں نے نہایت

اہتمام کیا اور بوقت شب بالباس معمولی و دستار وغیرہ پنس میں میت کو سوار کر کے جوانان و خادمان ہمراہی پنس کو گھیرے ہوئے ڈیوڑھی میں لائے اور اسی شب کو بہ کمال عجلت و اخفا امور تجہیز و تکفین و تدفین طے کر دیے گئے۔ بعد ازاں دوسرے روز عام طور پر سب کو معلوم ہوا کہ سراج الملک بہادر کا انتقال ہوا اور دفن بھی ہو گئے۔

کوئی امیر زادہ بلا کفالت جاگیر و جائداد اُن کے قرضہ میں پھنستا تھا اور وعدہ ادائی وفا نہ ہوتا تھا تو اس کو گرفتار کر کے اپنے قید میں رکھتے تھے اور کھانے کو نان خشک روز دیتے تھے بلکہ بعضوں کو فاقے۔ اور توڑوں کے جر کے دیتے تھے تاکہ کوئی جایداد ہو تو نیلام دے یا اس کے ورثہ ادائی کی سبیل کر کے مدیون کو چھڑالیں۔ اور مدیون کے گھر پر عربوں کا پہرا بیٹھ جاتا تھا۔ کسی کو اندر سے باہر نکلنے دیتے تھے نہ باہر سے اندر جانے دیتے تھے۔

چنانچہ مولّف نے اپنے والد مرحوم سے چشم دید واقعہ سنا ہے کہ بزمانہ مدارالمہامی سراج الملک مرحوم۔ میر موسیٰ رضا خاں ابن سید عاقل خاں مرحوم نبیرہ بہرام الدولہ مرحوم کو عرب لوگ اپنے قرضہ کے لئے پکڑ کر سرور نگر سے پیادہ پا بلدہ میں لائے اور قید کیا۔ سید زین العابدین سطوت جنگ مرحوم جدّ نواب بہرام الدولہ بہادر حال کو جب یہ خبر ملی تو بوجہ برادری متاسف ہوئے اور سراج الملک بہادر سے عرض کر کے امیر زادۂ موصوف کی رہائی کرائی۔ الحاصل عربوں کا زور و شور زمانہ سابق میں جو کچھ تھا اب تک مشہور ہے۔

بعض مُسن لوگ بیان کرتے ہیں اور مشہور نقل ہے کہ ایک عرب صاحب نے راہ میں کسی شریف سفید پوش سے ملاقی ہو کر ایک دست آویز پیش کی کہ اس میں کیا لکھا ہے ذرا پڑھ دو۔ اس بیچارے نے پڑھ کر کہا کہ یہ چار سو روپے کا تمسک ہے۔ یہ سنتے ہی عرب صاحب بگڑے کہ پانسو کے تمسک کو چار سو روپے کا کہتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ تم کسی اور سے پڑھوالو اس میں تو چار سو روپے لکھے ہیں۔ یہ سن کر بکمال غیظ و غضب تمسک مذکور کو چاک کر کے پھینک دیا اور اس شریف آدمی کے گلے میں رومال ڈال دیا کہ اچھا چار ہی سو روپے اس وقت دے دو ہر چند وہ بیچارہ نالاں ہے کہ عرب صاحب میں کیا جانوں تم سے کب میں نے روپے لیے مگر ماننا ہی کون تھا لے چلا کھینچتا ہوا۔

رشید الدین خانی میں مرقوم ہے کہ ۱۰ محرم ۱۲۵۲ھ میں رہیلوں اور عربوں کا ایک جا مکان پر حسین یاور جنگ کے دنگا تھا۔ کسی بات پر تکرار ہو کر باہم ہتیار چلے۔ یہ خبر جو منتشر ہوئی۔ جہاں جہاں عرب اور روہیلے ایک جائے تھے یا ملاقی ہوے باہم خونریزی کرنے لگے۔ ہر کوچہ و بازار میں لاشیں مقتولوں کی پڑی تھیں۔ صلح کے بعد عربوں نے نذرانہ معقول سرکار میں داخل کر کے رہیلوں کو اخراج کرایا۔

غلام قوی خاں تعلقدار ساکن بلدہ ایک عرب مسمی صالح بن اعزبی کے قرضدار تھے تعلقدار مذکور کی جاگیریں فتح چند ساہو ساکن رزیڈنسی کے پاس گرو تھیں

ایک روز عرب مذکور تعلقدار کو جبراً ساہو مذکور کے پاس لایا کہ قرض کی ادائی اس ساہوکار سے کرادو۔ ساہوکار مذکور نے اس معاملے سے کنارہ مناسب جانا اور جا گیرات مذکور عمر بن عوض جمعدار کے پاس رہن کر دے کر اپنا روپیہ وصول کرلیا۔ لہذا صالح عرب مذکور ساہوکار کا مدعی ہوکر قابو میں تھا تاآنکہ ایک روز اثناء راہ میں ساہوکار مذکور کو پکڑنا چاہا اس کے ساتھ راٹھور تھے۔ تلوار چلی کچھ عرب زخمی ہوئے دو راٹھور مارے گئے۔ مگر ساہوکار مذکور بچ کر نکل گیا۔ اس کو کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ساہوکار مذکور کے متعلقین اپنے ہمقوم کی شادی میں سکندرآباد گئے تھے۔ وہاں سے واپسی کے وقت احتیاطاً وہاں کے کمشنر سے ایک چپراسی ہمراہ لیے ہوئے آرہے تھے۔ عرب مذکور نے خبر رکھ کر توپ کے سانچہ کے پاس کی سڑک پر انھیں گھیر لیا۔ پھر لڑائی ہوئی دو راٹھور مارے گئے اور متعلقان ساہوئے مذکور کو پکڑ لیا گیا۔

چونکہ کمشنر سکندرآباد کا چپراسی ہمراہ تھا اس کا لحاظ عربوں نے مطلق نہ کیا۔ لہذا رزیڈنٹ بہادر کے پاس سے تقاضا ان آسامیوں کا جن کو عرب پکڑ لے گئے تھے ہونے لگا۔ سراج الملک بہادر نے عرب مذکور کو طلب فرما کر ہر چند فہمائش کی مگر مطلق اثر نہ ہوا۔ آخر کار بمقتضائے وقت ادائی قرضہ عرب کا ذمہ لے کر آسامیوں کی رہائی کی۔

سنہ ۱۲۶۰ھ میں سراج الملک بہادر ممدوح کے بھائی اکرام الدولہ بہادر

نے بھی جن کا مکان ایرانی گلی میں تھا محفوظ بن طیران عرب سے قرض لیا تھا
اس کے تقاضے میں بالمشافہ سخت گفتگو ہوئی تا آنکہ عربوں نے بہادر موصوف کو
مع فرزند جوان مار ڈالا۔

اگر کسی سے کسی امر میں گفتگو ہوتی اور عرب صاحب کے سخت الفاظ کا کوئی
برابر جواب دیتا تو فی الفور جنبیہ سے مارا جاتا۔ کوئی عرب کسی کو زخمی یا قتل کر کے
کسی جمعدار کے قہوہ خانے میں یعنے عربوں کی نشست میں چلا جاتا تھا تو کسی کی
مجال اس کو گرفتار کرنے کی نہ تھی۔

اس واقعہ سے بھی بعض مسن لوگ ہنوز واقف ہیں اور رشید الدین خانی
میں بھی مرقوم ہے کہ ایک شریف منصبدار شاعر شہید تخلص ایک جمعدار عرب کے
ہمسایہ میں رہتے تھے ان کی ایک لڑکی جو ہنوز نابالغہ تھی اس کی خواستگاری
برادر زادہ و داماد جمعدار ناصر نام رستم جنگ نے کی۔ منصبدار مذکور نے انکار کیا۔
اس کو چند روز گزرے تھے کہ ایک روز بعد مغرب فقیر دروازے پر آکر سوال کیا۔
اس وقت خادمہ یا از قسم ذکور گھر میں نہ تھا۔ حسب الحکم مادر وہی دختر روٹی دینے کو
دروازے کے پاس گئی اور غائب ہو گئی۔ جب عرصہ ہوا تو ماں پکارتی ہوئی
دوڑی دیکھا دختر نہیں۔ ہر چند چلائی تلاش کی گئی اصلا پتہ نہ ملا تا آنکہ دوسرے
روز علی الصباح منصبدار مذکور نے اپنے گھر کا دروازہ جو کھولا تو دیکھا کہ ایک
گٹھڑی پڑی ہوئی ہے اس کو کھول کر دیکھا تو اپنی دختر گم شدہ کی لاش ٹکڑے کی ہوئی پائی۔

بہت کچھ ہائے وائے کیا کوتوالی میں دوڑے فریاد فریاد کہا کچھ بھی نہ ہوا۔
تاریخ رشید الدینخانی میں مرقوم ہے کہ ماہ ذیحجہ ۱۲۶۹ھ میں تمام پٹھان اور عرب جمعدار وغیرہ دردولت شاہی پر بھی دنگا بیٹھے تھے۔
عربوں کے زور وشور کی وجہ اس عہد میں یہ تھی کہ ان کے جمعدار جیسے کہ دولتمند و صاحب جمعیت اس ریاست میں ہو گئے تھے ویسا کوئی دوسرا نہ تھا۔ ازروے تصرف ملک وافراط مال گویا رکن سلطنت تھے۔ علاوہ برآں بڑی وجہ یہ تھی کہ ان میں باہم کمال اتفاق تھا۔ اگر کوئی غیر عرب کسی عرب کو ضرر خفیف بھی پہونچاتا تھا تو اس کے انتقام کو جملہ عرب مستعد ہو جاتے تھے۔ یہ اتفاق یہاں کے کسی فرقے میں نہ تھا نہ پولیس ایسی تھی کہ جس کا خوف عربوں کو ہوتا۔ حالانکہ یہ لوگ اس ریاست میں کوئی ایسی قدامت بھی نہ رکھتے تھے۔ پہلے یہ فرقہ ناگپور اور پونا کی ریاست میں ملازم تھا۔ وہاں سے علحدہ ہو کر جمعدار عمر بن عوض جانباز جنگ شمشیر الدولہ مع ہمراہی اس ریاست ابدمدت میں بعہد نواب سکندر جاہ بہادر آئے اور ملازم ہوئے۔ سنا گیا ہے کہ وہاں سے بابت تنخواہ وغیرہ بہت کچھ نقد و جنس پیدا کر لائے تھے۔ یہاں آنے کے بعد رفتہ رفتہ ان کے زر وزور نے اور بھی ترقی کی تا آنکہ عہد مدار المہامی مہاراجہ متوفی میں ان کی ترقی درجۂ کمال کو پہنچ گئی۔ صاحب خطاب و امیر معظم ہو گئے۔ نواب صاحب مغفور دلوان ہونے کے بعد بھی ایک عرصہ تک اس فرقہ کا زور وشور رہا ہے کیونکہ انتظام ان لوگوں کا

جلد ہونا محالات سے تھا۔ مولّف نے دیکھا ہے کہ ایک عرب دوکان پر بنئے کی سودا خرید کرنے کو آیا اور حسب خواہش اس کے بنئے نے چرونجی خشخاش وغیرہ لاکر روبرو رکھا۔ نرخ طے ہونے اور وزن کرنے تک میں عرب صاحب نے کئی پھکّے چرونجی کے مارے بیچارے بنئے نے صبر نہ کرکے کچھ کہا تو اوس کے جواب میں گالی سُنی اور دم بخود ہو کے رہ گیا۔

جب مغفور نے بتدریج انتظام کیا اور ان کا زور توڑا تو مولّف کو یہ بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ ایک بنیے کو عرب نے سودے میں تکرار کرکے گالی دی تو بنیا بھی جواب دے کر کھڑا ہو گیا۔ عرب صاحب جنبیے پر ہاتھ رکھ کر رہ گئے زیادہ برایں جرات نہ کر سکے۔

اگر کوئی عرب کسی عرب کو قتل کرتا تو اس کا قصاص خود عرب آپ کرتے تھے۔ سرکاری قصاص نہیں ہونے دیتے تھے۔ عربوں کے قصاص کا یہ طریقہ تھا کہ شخص واجب القتل کی مشکیں کس کر ایک درخت سے باندھ دیتے تھے۔ پشت اس کی درخت کی جانب ہوتی تھی۔ دس نفر عرب منجملہ عزیزان مقتول روبرو واجب القتل کے تھوڑے فاصلے پر استادہ ہو کر اپنی اپنی بندوقوں میں گولی کا بار بھرتے اور توڑے سلگا کر رو بجانب واجب القتل مستعد ہو جاتے۔ تب چاوش ان کا مرفعہ چی کو یعنی ٹکی بجانے والے کو حکم دیتا۔ ٹکی پر ایک چوب پڑتی پھر دوسری چوب پھر تیسری چوب کے ساتھ ہی دس بندوقیں ایک دم

واجب القتل پر فیر کر دی جائیں۔ دس میں اقلاً چار پانچ گولیاں تو ضرور کارگر ہو جائیں کیونکہ بندوقیں چلانے والے جملہ مدعی خون یعنے مقتول کے قرابتدار ہوتے تھے پھر کیوں قاتل کی رعایت کرتے۔ الغرض اس قسم کی خود سریاں اور بے باکیاں اس فرقہ کی بہت کچھ تھیں اور بسا واقعات ان کی تعدی اور خونریزیوں کے ہوئے ہیں مگر یہاں منظور اختصار ہے۔

اب حال دوسرے فرقہ کا جو درجہ دوم میں ایسے ہی پر زور و شور تھے بیان کرنا مقصود ہے یعنی فرقہ افغانان مہدویہ۔ اب تک یہاں کے خاص و عام میں یہ بات مشہور ہے کہ عرب جس طرح اپنے مدیون کو قید کر کے توڑوں کے چڑکے دیتے تھے یہ فرقۂ دوم بھی اپنے مدیون کو مقید کر کے مرغوں کے جھانپ میں بند کرتے تھے اور مانند مرغوں کے بانگ دو کہتے تھے۔ اگر نہ دیتا تو اس کو اذیت دیتے تھے۔ کتاب ہدیہ مہدویہ تالیف مولوی محمد زماں خاں مرحوم سے معلوم ہوا کہ بزمانۂ پیشکاری مہاراجہ چندو لعل متوفی اس فرقہ کی ابتداءً یہاں ترقی ہوئی خاص اس فرقہ کے حالات میں لالہ برجناتھ المتخلص بہ خیال نے ایک مختصر کتاب بطور وقایع بزبان فارسی تالیف کی ہے اور وہ ۱۲۳۶ھ میں طبع بھی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ اُردو میں بطور خلاصہ مولّف نے کیا ہے اور کتاب مذکور میں اس فرقہ کی نسبت جو سخت کلمات استعمال کیے گئے ہیں ان سے غرض نہ رکھ کر فقط واقعات کو لے لیا ہے لالہ برجناتھ کا بیان ہے کہ یہ مہدوی پٹھان بتدریج جمع ہو کر بیرون دروازۂ

دبیرپورہ سکونت پذیر ہوئے اور اُس مقام کا نام خیل گوڑہ رکھا۔ بکمال پیروی
ان میں سے تھوڑے سرکارِ عالی کے زمرہ سپاہ میں ملازم ہوئے اور تھوڑوں نے تجارت
وساہوکاری اختیار کی۔ اس زمانے میں تو یہاں کے اعلیٰ وادنیٰ سب کی گزر بسر
قرض کشی پر منحصر تھی۔ بوجہ اشد ضرورت معمولی سود سے چہار چند سود بھی دیتے تھے
بناءً علیہ تھوڑی سی مدت میں یہ لوگ نہایت مالدار اور دولت مند ہو گئے۔ اور سرکارِ عالی
میں رسوخ حاصل کر کے بعض صاحب جمعیت وطبل وعلم وصاحب نوبت وجاگیر و
معاش ہو کر درجۂ امارت کو پہونچ گئے۔ جب یہ زور حاصل ہو گیا تو معاملات
دادوستد کی یہ نوبت ہوئی کہ جو مدیون وعدے کو وفا نہ کرسکتا یعنی ادائی قرضہ
میں دیر کرتا تو اس کو مع اہل وعیال گرفتار کر کے قید شدید میں رکھتے اور اقسام کی
تکلیفیں دیتے تھے۔ اس وجہ سے ان پٹھانوں کا خوف مخلوق حیدرآباد کو اس قدر
ہو گیا تھا کہ اگر راستے سے کوئی پٹھان گذرتا تھا تو رہگذر کے لوگ باہم بات چیت
نہیں کرتے تھے جب تک وہ پٹھان نظر سے غایب نہ ہو جاتا۔ اس فرقہ کی بے باکی
وتعدی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ روز وفات والدہ راجہ چندو لعل
متوفی قریب مقام چوک کے برادرزادۂ مولوی مرتضیٰ صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے
تھے کہ ادہر سے محمد صاحب ابن سلطان میاں جو پیرزادے فرقہ مہدویہ کے تھے ان کی
سواری نہایت دھوم دھام سے آئی بھالدار۔ بلم دار وغیرہ جلو داروں کے
ہٹو بڑھو کا شور اور راستہ تنگ لہذا برادرزادۂ مولوی موصوف کا گھوڑا چمکا اور

اس کے پاؤں سے کیچڑ کا ذرا سا چھینٹا دامن پر محمد صاحب کے آیا۔ ساتھ ہی پایجامے محمد صاحب قلم بردار نے قلم کی نوک سے دستار کو مولوی زادہ موصوف کی زمین پر گرا دیا۔ وہ بیچارہ بکمال غیرت خشمناک ہو کر اپنی تلوار خدمت گار سے لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا کہ ایک نے ان میں سے تلوار مار ہی دی۔ جس سے چار انگلیاں مولوی زادۂ مذکور کی قلم ہو گئیں۔ پھر تو جملہ ہمراہی ان کے ٹوٹ پڑے کسی نے تلوار ماری کسی نے بھالا مارا کسی نے کٹار سے کام لیا۔ الحاصل اس مولوی زادے کے ٹکڑے اُڑا دیئے اور چلے گئے۔ اسی طرح ظلم و تعدی علانیہ کرتے تھے اور سرکار سے کوئی انتظام و انتقام ظہور میں نہیں آتا تھا۔ اس ناپرسانی کی وجہ سے ان پٹھانوں کی تعدی و بیباکی ترقی کرنے لگی تا آنکہ بتاریخ سلخ ذیحجہ ۱۲۳۶ھ روز چہارشنبہ لٰیین خاں نامی مہدوی چھوٹا بھائی زبردست خاں ولد دلدار خاں کا جس نے کہ جمعداروں میں اس ریاست کے خصوصیت حاصل کی تھی بکمال تعصب مسجد واقع جلوخانہ نواب نیر الملک بہادر میں جو کہ فی الحال میر عالم کی منڈی کہلاتی ہے آکر رئیس العلما مولوی عبدالکریم صاحب سے جو بالائے منبر مشغول واعظ تھے مباحثہ شروع کیا اور مذہبی گفتگو گستاخانہ الفاظ کے ساتھ کرنے لگا۔ مولوی صاحب نے ہر چند منع کیا کہ یہ کیا بیہودہ کلامی ہے مگر وہ باز نہ آیا تا آنکہ مولوی صاحب نے خشمناک ہو کر ایک طمانچہ اس کے مارا۔ اس نے بھی تلوار کھینچ کر حملہ کیا تھا کہ حاضرین مسجد نے اس کو پکڑ لیا اور تلوار اس کی چھین کر بعد زد و کوب مسجد سے باہر نکال دیا۔ زد و کوب میں ایک زخم خفیف بھی

اس کے سر میں آیا تھا۔ وہ پٹھان حوض واقع جلوخانۂ مذکور پر جاکر بقصد فساد عظیم بیٹھ گیا اور اپنے ہم قوموں کو خبر کی۔ بمجرد خبر ہونے کے پانسو پٹھان مسلح دوڑے ہوئے آئے دروازہ جلوخانۂ مذکور کا دربانوں نے بند کرلیا تھا۔ نواب نیر الملک بہادر اس روز حویلی قدیم سے اپنی حویلی جدید میں اہتمام و انتظام عاشور خانہ کے لئے حسب معمول ہر سال تشریف لے گئے تھے۔ اس ہنگامے کی خبر سن کر فرمایا کہ طرفین کے لوگوں کو بہ نرمی و صلاحیت فہمایش کر کے فساد رفع دفع کر دیں۔ مہتاب خاں اور باز خاں کو طلب کر کے تاکید بلیغ کی کہ اپنے ہم قوموں کو سمجھا کر واپس کر دو ایسا نہ ہو کہ فساد و جنگ و جدال کی نوبت آئے۔ اس تاکید و اہتمام صلح کے بھروسے پر مصلحوں نے یعنے مہتاب خاں اور باز خاں نے دروازہ کھلا دیا اور حسب الحکم نواب صاحب ممدوح ہرچند سمجھایا اور جنگ و جدل نہ کرنے کے لئے نرمی و صلاحیت سے ہزار فہمایش کی مگر مطلق اثر نہ ہوا اور بمجرد دروازہ کھلنے کے جملہ پٹھان با تیغ و سناں حملہ آور ہوئے یہ خبر نواب صاحب ممدوح کو پہونچی تک مسجد پر جا پڑے۔ اس وقت مسجد میں حسن خاں اور ان کا بھائی دایم خاں مندوزئی۔ امام الدین خاں فرزند اکبر یار جنگ تاج محمد خاں برادر زادہ عزت یار خاں محی الدولہ بہادر۔ چند عرب اور دو تین نمازی جمع تھے۔ اس ہنگامۂ محشر نما کو دیکھ کر اہل مسجد نے جہاد پر کمریں باندھ لیں اور روک ٹوک کرنے لگے۔ لیکن قضا و قدر کو کون روک سکتا ہے۔ خونریزی شروع ہوئی۔ دایم خاں اور ان کا بھائی دروازۂ مسجد کے دو جانب شمشیر بدست بکمال ثابت قدمی کھڑے ہو گئے۔

جو مہدوی قصد داخل ہونے کا کرتا اس کو مارتے تھے عرب لوگ اوپر سے تفنگ اندازی میں سرگرم تھے۔ لیکن یہ اہل مسجد معدودے چند مخالفان کثیر کا مقابلہ کہاں تک کر سکتے تھے آخر کار مجبور زخموں میں چور ہو کر شہید ہو گئے۔ افغانان مہدویہ مسجد میں جا کر مولوی صاحب مظلوم کو جو مصلّے پر سربسجود تھے مانند گوسفند قربانی کے ذبح کر ڈالا۔ یہ فتنہ انگیزی و خونریزی باعث خرابی قوم مہدویہ کے ہوئی۔ مولوی صاحب کے قتل ناحق کی خبر سماعت فرما کر اعلیٰحضرت سکندر جاہ بہادر آبدیدہ ہوئے خاطر اقدس کو نہایت ملال ہوا۔ راجہ چندو لعل بہادر کے نام بکمال قہر و غضب حکم جاری ہوا کہ فی الفور ایک پلٹن جنگی اور کئی تجربہ کار بہادر مقرر کر کے سرکوبی کے لیے ان بے ادبان سرکش کی روانہ کریں۔ مہدوی پٹھان انجام کار کو سوچ کر جلو خانہ مذکور سے بھاگ گئے۔ بعد ازاں حکم اقدس ہوا کہ مجروحین و مقتولین طرفین ورثائے طرفین کے حوالے کر دئے جائیں پلٹن کے جوان جلو خانہ مذکور کے اطراف جا بجا حفاظت کے واسطے مسلّح و مستعد رہیں۔ اگر بقصد فساد پھر کوئی آئے تو بلا تامل اس کو گولی ماردی جائے۔ الغرض اس واقعہ حیرت افزا سے اس روز تمام شہر میں عجیب شور و غوغا تھا اور اس شب کو بہ اندیشۂ ہنگامہ محشر زا کوئی سویا نہیں جب صبح ہوئی تو صدر الصدور مع بعض امرا و علمائے شہر جمع ہو کر لاشۂ مولوی مظلوم شہید کو دفن کیا۔ قریب دوپہر دن چڑھے کے چار مینار کے قریب مسجد جامع پر مسلمانوں کا مجمع کثیر باتفنگ و شمشیر مہدویوں سے انتقام لینے کے واسطے بکمال

جوش و خروش فراہم ہوا۔ اعلیٰ و ادنیٰ ملازمت پیشہ تجارت پیشہ اہل حرفہ وغیرہ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو زیر علم حاضر نہ ہوا ہو۔ دوکانیں تمام بند۔ مکانات مردوں سے خالی مستورات کی پریشان حالی۔ ہر طرف سے شور برپا کہ ہاں چلو تلوار باندھو بندوق لو۔ اس روز شہر میں ایک قیامت برپا تھی۔ جمع ہوتے ہوتے شام ہوگئی۔ اس ہنگامے کے جو سرغنہ تھے ان کی رائے یہ ہوئی کہ آج شام ہوگئی ہے کل اوّل وقت چلیں گے یہ سن کر سب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے۔ دوسرے روز جو تیسری ماہ محرم کی ۱۲۳۳ھ جمعہ کا دن تھا پھر صبح سے مکہ مسجد میں بلوائی جمع ہونے لگے اور یہ رائے قرار پائی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی روانہ میدان جہاد ہوں۔ اس عام ہنگامے کے روکنے کے لیے وزیر سلطنت نے اور پیشکار صاحب نے بہت کچھ امتناعی احکام بھیجے۔ نصیحتانہ فہمائش کی مگر بالکل موثر نہ ہوا۔ جوں جوں عوام الناس شریک مجمع ہوتے گئے اسی قدر جوش بڑھتا گیا۔ دوبارہ پیشگاہ اعلیحضرت سے بذریعہ معتبرین سلطنت نہایت قدغن کے ساتھ حکم نافذ ہوا کہ اگر کوئی شخص ہمارے حکم کو نہ مان کر ان بلوائیوں کا ساتھ دیگا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے۔ باوجود اس کے بعض معززین مانند نیاز بہادر خان بہادر۔ منصور خان۔ صالح محمد خان کیقباد جنگ بہادر۔ برادر رفعت الملک بہادر اور اکثر سرکاری لوگ اور چند جوق عربوں کے مع چند ضرب توپ مکہ مسجد میں آئے اور تین پہر کے قریب مولوی شجاع الدین اور اولیا صاحب کو جو کہ بانی مبانی اس بلوائے عام کے تھے ہمراہ لے کر مانند دریا کے

بہ کمال جوش روانہ ہوئے ان کے پیچھے ہزارہا عوام النّاس ناعاقبت شناس آراستہ و پیراستہ باز رین لباس۔ دروازۂ یاقوت پورہ پر جو حسب الحکم سرکار مسدود و مقفّل ہوا تھا، پہنچ کر تھمے اور تقاضا قفل کھولنے کے لئے دربان پر ہونے لگا۔ دربان نے جب نہ کھولا تو بلوائیوں نے قفل کو توڑ کر دروازہ کھولدیا پھر کیا تھا مانند دریائے موجزن کے روانہ ہوئے۔ قریب چنچل گوڑہ کے ایک میدان میں پہنچ کر ٹھہر گئے۔ نیاز بہادر خاں وغیرہ افسران اعلیٰ ترتیب صفوف و انتظام میدان جنگ میں مصروف تھے کہ ایک ٹکڑی سواران مہدویہ کی عقب سے ٹیلے کے جو اس میدان میں واقع تھا نکلی اور بے تحاشہ صالح محمد خاں کے ہمراہیوں پر حملہ کیا۔ تلوار چلنے لگی۔ نیاز بہادر خاں نے جو یہ دیکھا ہاتھی پر سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے سواروں کو صالح محمد خاں کی مدد کے لئے روانہ کیا اور شمشیر خاں مہدوی بھانجا شاہ عالم خاں کا اور ممریز خاں نامی مہدوی یہ ہر دو اپنی جوق سے جدا ہو کر نیاز بہادر خاں کے مقابلے پر آ گئے۔ عین زد و ضرب میں تلوار نیاز بہادر خاں کی ٹوٹ گئی اور گھوڑا بھی رہ گیا تا آنکہ پیدل ہو کر داد مردانگی دی اور مقتول ہو گئے۔

افسوس ہے کہ ہمراہیان نیاز بہادر خاں میں سے کسی نے بھی اپنے آقا کی امداد نہ کی۔ براہ نمک حرامی بالکل بے خبر رہے۔ عوام النّاس نے جو محض تماشا سمجھ کر آئے تھے۔ دیکھا کہ یہاں جان پر کھیلنا ہے اپنی اپنی تلواریں بغل میں دبائے ہوئے بھاگے

چند بہادر اشخاص مع عربوں کے سرگرم جنگ تھے منصور خاں ایک سمت توپ سے
کام لے رہے تھے کہ دفعتاً چند مہدوی منصور خاں پر جا پڑے۔ منصور خاں مع خواہرزادہ
زخموں میں چور گر گئے۔ مہدوی موقع پا کر توپ اٹھا لے گئے۔ سید نصرت خواہرزادہ
ان کا تھا اور دلاورگی ہر کارہائے حضوری حاصل کی تھی۔ نیز روشن خاں وغیرہ اکثر
نامور اُن میں کے قریب تین سو اسم کے مارے گئے۔ ادہر کے بھی ایک سو پچاس آدمی
کے قریب مقتول و مجروح ہوئے۔ چونکہ شام ہو گئی تھی مجمع قتال پریشان اور
ہر ایک اپنے اپنے مسکن کی جانب رواں ہوا۔ جب یہ خبر جسارت و سرکشی فرقہ
مہدویہ کی سمع اقدس اعلیٰحضرت میں پہنچی تو بکمال قہر و غضب حکم جاری فرمایا کہ
رات ہی کو انگریزی فوج مع توپخانہ جو ہمارے علاقہ کی ہے ان گستاخوں کے استیصال
کے لئے جائے چنانچہ دوسرے روز صبح کو حسب الحکم اقدس انگریزی فوج نے آکر
چنچل گوڑہ کو گھیر لیا اور منتظر حکم کے تھے کہ شاہ عالم خاں وغیرہ معززان مہدویہ
نہایت عاجزی و منت کے ساتھ ملتجی ہوئے کہ دو تین روز کی مہلت ملی تو ہم سب
مع عیال و اطفال و اثاث البیت یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ امان خواہ کو امان دینی
شیوۂ اسلام ہے اس لئے دو روز کی مہلت دی گئی۔ اس مہلت میں جملہ مہدوی
پٹھان اپنا اثاث البیت وغیرہ اٹھا لے گئے۔ کوئی شخص ان میں سے بمقام چنچل گوڑہ
نہ رہا۔ ختم ہوا ترجمہ کتاب لالہ برجناتھ۔

ہدیہ مہدویہ میں مندرج ہے کہ چنچل گوڑے سے اخراج ہونے کے بعد ایک روز

اس فرقہ کے چار شخص، چار سو کے حوض کے پاس آکر کھڑے رہے۔ سواری محی الدّولہ عزت یار خاں صدر الصدور کی جب آئی۔ چونکہ صدر الصدور طبیب بھی تھے اس لئے ان چاروں میں سے ایک شخص نبض دکھانے کے بہانے سے قریب پنس کے گیا۔ صدر الصدور تلاوتِ قرآن شریف میں مشغول تھے اور سرِ راہ سواری چلتی ہوئی میں نبض دیکھنے کا حالانکہ موقع نہ تھا مگر بکمال اخلاق و انسانیت ایک ہاتھ میں قرآن شریف کو تھام کر دوسرے ہاتھ سے نبض دیکھنے لگے۔ ساتھ ہی اس شخص نے کٹار سے مارا قرآن شریف صدر الصّدور کے خون سے رنگین ہو گیا۔ اور وہ چاروں پٹھان عالیجاہ کے کوٹلے کی جانب برہنہ تلواریں لیے ہوئے بھاگے۔ اس وقت پولیس ایسی کہاں تھی جو پرساں ہوتی مگر صدر الصدور کا خدمتگار پکارتا ہوا پیچھے ان کے دوڑا کہ یہ جانے نہ پائیں صدر الصدو کو مار کر جا رہے ہیں۔ اتفاقاً اس وقت مبارز الدولہ بہادر بالاخانے پر برآمد تھے اُن کے حکم سے ایک منصبدار زادہ دوڑ کر حایل ہوا اور ان میں کے تین شخصوں کو مار لیا باقی ایک نکل گیا۔

واضح ہو کہ تخلیۂ چنچل گوڑہ اور واقعہ اخراج کے بعد یہ لوگ لال گڑی وغیرہ مقامات پر چند سال باہر رہے بعد ازاں بتدریج پھر آگئے۔ اور حسب بیان ہدیۂ عہدیہ مذکور مہاراجہ بہادر کو نذرانے دینے سے ان کی جمعداریاں اور اکثر جائدادیں رفتہ رفتہ پھر بحال ہو گئیں اور صاحب ثروت ہو گئے۔

بزمانۂ مدار المہامی مغفور اوّل بھی اس فرقہ سے اور ایک واقعہ ظہور میں آیا۔

مگر اب اس ہنگامہ وخونریزی زمانہ سابق کی جرات کیونکر ہوسکتی تھی۔ ہاں یہ ہوا کہ اس فرقہ کے عالموں نے مولوی محمد زماں خاں صاحب سے بذریعہ بعض اشخاص مذہبی مباحثے کی بنا ڈالی۔ مولوی صاحب نے ان کے عقائد کی کتابیں انہیں سے حاصل کرکے ان کی تردید کی اور اس کتاب کا نام ہدیہ مہدویہ رکھا جس کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔

تردید مذکور کی تردید کرنے کے عوض فرقہ مہدویہ کو جوش خونریزی پیدا ہوا مگر یہ زمانہ قانون کا تھا لہذا فقط ایک شخص اس فرقے کا قتل مولوی صاحب پر آمادہ ہوکر آگیا۔ تاکہ حسب شرع وقانون قصاص اسی ایک قاتل کی ذات پر آئے اور فرقہ محفوظ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بتاریخ ۶ ماہ ذیحجہ ۱۲۹۲ھ بعد نماز مغرب مولوی صاحب موصوف مسجد میں تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے کہ ایک مہدوی پٹھان نوجوان عقب سے آکر دفعتاً بمقام گلو وسینہ مولوی صاحب پے درپے کٹار کے دو چار ضرب ایسے لگائے کہ جس سے مولوی صاحب شہید ہوگئے۔ قاتل کو اسی وقت گرفتار کرکے ہر چند پوچھا گیا کہ کس کی ترغیب سے تو نے یہ کام کیا اور تیرے ساتھ کون کون تھے۔ مگر اس نے اپنے قصد ذاتی کے سوائے کسی کا نام نہ بتلایا تاآنکہ قصاص کو پہنچا۔ اور چند علما ان کے جو مناظرے میں شریک تھے اخراج کردیئے گئے۔ مذہب کے لئے جنگ وجدل کا بیان ہوگیا۔ مطالبہ تنخواہ کے لئے بھی دو واقعے مشہور ہیں اور وہ ہر دو واقعے سراج الملک بہادر مدارالمہام سرکار عالی ہی کے ساتھ وقوع میں آئے ہیں۔

ایک واقعہ یہ کہ ایک روز دو مصنوعی دولھے بنا کر بہ بہانۂ نذر روہی خدمت میں بہادر ممدوح کی لائے۔ نذر دینے کے لئے جھکتے ہی مصنوعی دولھے بہادر ممدوح کے شکم میں کٹار لگانے پر تھے مگر فتح علی خانساماں بہادر ممدوح کا مشہور جان نثار جو ہمہ وقت حاضر رہتا تھا اور اس کی نظر شمع جمال بہادر ممدوح کے اطراف مانند پروانہ کے پھرتی رہتی تھی اپنے آقا پر کب آنچ آنے دیتا تھا فی الفور بیچ میں گر پڑا۔ بہادر ممدوح بچ کر ایک طرف ہو گئے اور مصنوعی دولھوں کو مع ہمراہیوں کے جاں نثاران بہادر ممدوح نے عروس مرگ سے ہم آغوش کر دیا۔ ان کی تائید پر اور ایک دو پٹھان زینے چڑھ کر بالاخانہ پر آرہے تھے ان کو غالب جنگ نے جو ہنوز غالب جنگ نہ ہوئے تھے تپنچے سے مار کر گرا دیا۔ دیوان خانہ و جلو خانہ میں جو ان کے اور ساتھ والے تھے ان کو عربوں نے دیکھ لیا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ سمت سرور نگر سیدا باغ میں مدار المہام موصوف کی سواری اتری تھی۔ دفعتاً خبر آئی کہ مطالبہ تنخواہ کے واسطے کئی جوق پٹھان مہدویہ بہ قصد فساد باہر باغ کے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان میں کا ایک جمعدار جنید خاں نام جو ہمراہی مدار المہام موصوف میں تھا۔ باہر جا کر اپنی قوم کو بہت کچھ سمجھایا جب وہ نہ مانے تو بہادر ممدوح کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس وقت آپ کی سواری باہر نہ نکلے تو مناسب ہے کہ یہ لوگ آمادۂ فساد ہیں۔ بہادر ممدوح نے کچھ پروا نہ کر کے حکم سواری کا دیا۔ تا آنکہ جلوس سواری آگے بڑھا اور خاص بوچھا سواری بہادر ممدوح کا

باغ کے پھاٹک سے نصف باہر ہوا تھا یعنے آگے کے کہار باہر نکلے تھے اور پیچھے کے ہنوز پھاٹک کے اندر تھے کہ پٹھانوں نے بندوقیں سر کیں جس سے چند ہمراہی مجروح و مقتول ہوئے اور ایک موٹا چھرا بوچہ کے آئینے کو توڑ کر رخسار بہادر ممدوح میں قریب نرمہ گوش بیٹھا۔ بمجرد اس کے عربوں کی بندوقوں سے اکثر پٹھان مقتول ہوئے باقی نکل گئے۔

لیکن اس فرقے کی اب وہ جہالت نہیں رہی ہے۔ زمانے کی تہذیب نے انھیں مہذب و معقول کر دیا ہے۔ چنانچہ صاحب سواد ہو کر اہل قلم میں شریک ہوتے جاتے ہیں ان لوگوں کی نہ وہ اگلی وضع رہی ہے نہ وہ طبایع ہیں۔

راجہ راؤ رنبھا جونت بہادر حال کے سردادا راجہ رنبھا نبال کر کلاں بہ سبب عیاشی مبتلائے قرضۂ کثیر ہو کر تباہ ہو گئے تھے۔ ان کے خاندانی کبیر السن اشخاص سے معلوم ہوا ہے کہ اسی زمانے میں مطالبہ رقم قرضہ و تنخواہ کے لئے ہندوی پٹھانوں نے سخت دنگا کیا تھا جس کے سبب سے ہتیار چلا۔ راجہ کلاں موصوف کے دو فرزند مسلمان یعنی صفدر الدولہ و رستم الدولہ مرحومین اس روز خوب لڑے اور کمال مردانگی دکھلائی۔ مکھن لعل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان کی جاگیرات کو قرضے میں پھنسا ہوا دیکھ کر مہاراجہ چندو لعل نے قرضہ کا تصفیہ کر دیا اور ان کی جاگیرات کو ضبط کر لیا۔ الخ

لاکھوں روپے کی معاش اور جملہ ثروت صرف عیاشی و نذر چنداجی ہو گئی ورنہ ان کی عزت اس سلطنت میں مشہور تھی کہ ان کے جدّ اعلیٰ رئیس کی عماری سے عماری ملا کر

نذر دیتے تھے اور وہیں پاندان انھیں مرحمت ہوتا تھا۔

واضح ہو کہ چنداجی نامبردہ ماہ لقا بائی خطاب طوائف سے تھی او اخر عہد مغفرت منزل و اوایل زمانۂ غفران منزل میں اپنے فن میں کامل اور قومی ثروت و مشہور تھی۔ شاعرہ صاحب سواد بھی تھی چنانچہ اس کے قلم کی ایک کتاب صد پند لقمان کتب خانہ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر حال میں موجود ہے جس کا سنہ کتابت ۱۲۳۳ھ ہے۔ الحاصل راجہ موصوف کی جاگیر بھوم وغیرہ کی سند کو مولّف نے دیکھا ہے۔ ایسی سند اب تک کوئی نظر نہیں آئی یعنی نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بحال رہنے کے سوائے دیسکھی اور دیسپانڈیہ وغیرہ جملہ حقوق و رسوم معاف۔ مختصر یہ کہ ایسے کچھ مراحم اور رعاتیں اس سے ہیدا ہیں جیسے کہ کوئی بادشاہ اپنے عزیز ترین عزیز کو لکھ دیتا ہے۔ اور اس پر شاہان دہلی کے دستخط و علامات طلائی مندرج ہیں۔ اور بار و پر بھی مہر ثبت ہے۔ راجہ موصوف دربار شہنشاہ دہلی کے امرامیں سے تھے جو برفاقت مغفرت مآب متعین ہو کر یہاں آئے تھے۔ اگر ان کے فرزند عیاشیوں میں آپ کو تباہ نہ کر لیتے تو وہی عزت و ثروت اب تک ان کی اولاد میں باقی رہتی۔

اسی طرح بسا دولتمند بدولت عیاشی و مصرفی تباہ ہو گئے ہیں۔ قدیمی ہم محلگی کے سبب سے مولّف واقف ہے کہ علاوہ ہنود کے راجہ موصوف کی مسلمان اولاد میں جمیع مذاہب کے حضرات گزرے اور بعض موجود ہیں یعنی سنی شیعہ۔ مشائخ۔ فقیر وہابی وغیرہ۔

عہد مہاراجہ چندو لعل میں سکھوں کا بھی زور بڑھ گیا تھا چنانچہ مطالبہ تنخواہ کے لئے سکھ لوگ ایک روز دولت خانہ حضور پرنور پر دنگا بیٹھے تھے۔ نیز رشید الدین خانی میں مرقوم ہے کہ سکھ لوگ ۱۲۵۹ھ میں کاروان کے دو ساہوکاروں کو اثنائے راہ میں سے پکڑ لے گئے کہ جب تک سرکار ہماری تنخواہ نہ دے گی ہم ان کو نہ چھوڑیں گے۔ سرکاری جمعیت بھیجی گئی لیکن کچھ نہ ہوا۔ بلکہ سکھوں کی بستی کے قریب جو میر عالم مرحوم کا تالاب ہے اس کا بند توڑ کر جمعیت سرکاری کو بہا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ تا آنکہ کئی روز کی فہمائش کے بعد سرکار عالی نے چھیانوے ہزار روپے نقد دے کر ساہوکاروں کو رہائی دلائی۔ قدیم لوگوں کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا ہے اور اب تک مشہور ہے کہ پلٹن والے بھی اس زمانے میں مطالبہ تنخواہ کے لئے بارگاہ شاہی پر دنگا بیٹھا کرتے تھے مرقعہ عبرت سے ظاہر ہے کہ اسی زمانے میں پٹھان لوگ بھی بارگاہ شاہی میں مطالبہ تنخواہ کے واسطے حالانکہ بے اصل تھا متمردانہ درآئے تھے جن میں جہانگیر خاں بدمعاش بھی شریک تھا۔ وہی جہانگیر خاں جس نے دربار میں فرابین سرکی تھی اور اس کا بیان موقع پر آئے گا۔

نیز قرض خواہ وغیرہ اہل رسالہ خاص بھی دنگا بیٹھے تھے چنانچہ قلندر بیگ کو گرفتار کرنے کا جب حکم ہوا تو قلندر بیگ لڑکر بارگاہِ شاہی میں جلوخانہ خواب گاہ کی طرف مقتول ہوا۔ اور کئی سپاہی سرکاری مجروح و مقتول ہوئے۔ اسی زمانے میں رہیلوں کی

قزاقی و خونریزی نہایت بڑھ گئی تھی۔ ان کی اور عربوں کی بنتی نہ تھی۔ اکثر باہم خونریزیاں ہوئی ہیں۔ سوائے بلدے کے تعلقات و جاگیرات میں زیادہ تر اس فرقے نے یعنی رہیلوں نے غارت گری مچائی تھی۔ ساہوکار وغیرہ جس کسی رعیت کو مالدار پاتے تھے اس کے گھر ڈاکا مارتے تھے۔ رہزنوں کی وجہ سے راستے بے امن تھے۔ اس فرقے کے ہم پیشہ مرہٹواڑی اور کنٹرو وغیرہ کے ڈکیت بھی مثل قوم بھیل۔ کیکاڑی۔ مانگ۔ سکھ۔ لمباڑے۔ گونڈ۔ ہٹکرو وغیرہ ان میں شامل ہو گئے تھے۔ بعض سرکش زمیندار و تعلقدار رہیلوں کی جمعیت بمقابلہ سرکار یا جاگیردار بھرتی کرتے تھے۔ اکثر زمیندار اور رہیلے گڑھیوں پر اور قلعوں پر قابض ہو گئے تھے۔ جس زمیندار یا تعلقدار کو کسی جاگیر یا تعلقہ پر قبضہ کرنا منظور ہوتا تھا تو رہیلوں کی جمعیت نوکر رکھ لیتے تھے۔ اور فی الفور چڑھائی کرتے تھے جس میں اکثر کشت و خون ہوتا تھا۔

رہیلوں کو زر کے ساتھ سچا عشق ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ رہیلے نوکر رہ کر اسی وقت لڑائی اور غارت گری پر روانہ کر دیئے گئے ہیں اور وہ وہاں لڑ کر مارے گئے حالانکہ ماہوار وغیرہ کا ایک پیسہ بھی نہ پایا فقط زر کے نام پر جانیں دے دیں۔

تجارت پیشہ وغیرہ لوگ اپنی رقم قرضہ عربوں اور رہیلوں کے ذریعہ سے بہ سختی خاطر خواہ وصول کر لیتے تھے۔ عرب یا افغان قرض خواہ ہوتا تھا تو قرضہ ادا نہ کرنے کی حالت میں قرض دار کے سر پر پتھر دے کر کھڑا کرتا تھا اور لوہے کو

گرم کر کے چرکے دیتا تھا جس شخص پر رہزنی وغیرہ کا شبہ ہوتا تو اس کو گرفتار کر لیتے تھے اور بغیر تحقیقات و ثبوت کے قید رکھتے تھے۔ جب وہ کچھ رقم دیتا تھا تو اس کو چھوڑ بھی دیتے تھے۔ اقسام کے ظلم اور چوریاں ہر روز ہوتی تھیں۔ بعض عملدار ضلع کے ساتھ کچھ رقم نامی ڈاکوؤں کو دیتے تھے تو ان کے تعلقات ڈکیتیوں سے کسی قدر محفوظ رہتے تھے۔

اگر شاذ و نادر کوئی ڈاکو گرفتار ہو جاتا تھا اور لوٹ کا مال اس کے پاس سے ہاتھ آجاتا تو سرکاری جمعیت اس کی مالک ہو جاتی تھی۔ اصل مالک کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ سرکاری سپاہیوں کی تنخواہ تین چار روپے ماہانہ سے زیادہ نہ تھی وہ بھی دس دس بارہ بارہ مہینے تک برآیندہ ہوتی تھی۔ پس وہ بھوکے بیچارے لوٹ کا مال ہاتھ آنے پر صبر کیونکر کر سکتے تھے الغرض ایسی بہت سی خرابیاں تھیں۔ چنانچہ ۱۲۶۷ھ میں بمقام ملکھیڑ ضلع گلبرگہ قزاقوں نے غارت گری مچائی تھی تو منجانب سرکار عالی راجہ راؤ رنبھا متوفی کلاں کے فرزند رستم الدولہ بہادر سرکردۂ فوج نوکران کی سرکوبی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اور وہ بکمال عزم و جرات وہاں پہنچ کر مستعدِ سرکوبی تھے اور کثرت قزاقان و قلتِ فوج سرکاری کی وجہ سے برائے امداد سرکار عالی میں معروضہ روانہ کیا تھا۔ لیکن صدر سے امداد بھیجنے میں تاخیر ہوئی تاآنکہ موقع پا کر قزاقوں نے شبخون مارا جس میں رستم الدولہ بہادر مقتول ہو گئے اور بہت سے سپاہی سرکاری مارے گئے۔ بہادر مقتول مزبور کا مزار سیڑم کے

باہر ندی کے کنارے واقع ہے۔ اسی طرح اکثر مقامات پر ہنگامے برپا تھے۔
رستم الدولہ مقتول موصوف کے فرزند واحد علی خاں کو نواب صاحب مغفور نے عہدہ مہتممی پولیس اضلاع سے سرفراز فرمایا تھا۔ واحد علی خاں مرحوم کے دو فرزند موجود ہیں ایک پرورش علی خاں دوسرے ریاست علی خاں سرکار عالی میں منصب پاتے ہیں۔

تعلقات میں پولیس نہ تھی۔ بلدے میں کوتوالی تھی مگر کمزور و ناکافی۔ نہ ایسے جابجا تھانے تھے نہ اس قدر جمعیت تھی۔ تمام بلدے میں چند چاوڑیاں یعنی تھانے تھے۔ ہر چاوڑی میں چار پانچ قلیل ماہوار کے جوان ہوتے جن میں بوڑھے بھی ملازم تھے۔ وہ بھی برابر حاضر نہ رہتے تھے۔ بعض جوان چاوڑی میں پکا کر کھاتے تھے ان کا عہدہ دار نایک یا امین کہلاتا تھا۔ جب اس کی طبیعت چاہتی چاوڑی میں آتا تھا۔ ڈِرِس تو کسی کو بھی نہ تھا۔ چاوڑی کے ایک ستون کو چند لٹّھیں باندھے ہوئے رکھتے تھے۔ دو تین بیڑیاں لوہے کی آویزاں رہتیں۔ بڑی چاوڑی میں گشت یعنی رون پھرنے کے لئے ایک دہپڑا اور سینگہ رہتا تھا۔ نصف شب کے بعد گشت نکلتی تھی اس صورت سے کہ چند جوان ان کے ساتھ دہپڑا اور سینگہ بجانے والے ہوتے تھے اور شاہراہوں پر گزرتے تھے۔ دہپڑا اور سینگہ بجانے کا یہ طریقہ کہ ایک دم سے یہاں بجادیا اور ساکت ہوگئے۔ تھوڑی دور جاکر پھر ایک دم سے ڈھپ ڈھپ بجایا اور ساکت۔ اسی طرح کہیں کہیں بجاتے ہوئے شہر پناہ کے

دروازے تک وہ گشت پہونچ کر واپس ہوتی تھی۔ کہیں راہ میں یکّا دُکّا آدمی نظر آتا تو اس کو ٹوکتے اور پوچھتے تھے کہ کون ہے کہاں جاتا ہے ورنہ پانچ سات آدمی مسلح اگر مل جاتے تو پوچھنے کی بھی جرات نہ ہوتی۔ چنانچہ اسی زمانے میں سنا گیا تھا کہ روہیلے وغیرہ ڈاکے والے ہرگاہ راہ میں مل گئے ہیں تو گشت والے خود اپنی جانیں بچا کر کسی بھی گوشے میں دب گئے ہیں۔ الغرض کوتوالی کا وجود و عدم یکساں تھا نہ کوتوالی کسی کی خبر گیراں تھی۔ نہ کوئی کوتوالی کا پرساں تھا۔

امیر علی ٹھگ کی سوانح عمری مطبوعہ میں جو واقعات متعلق حیدرآباد مندرج ہیں اُن سے بھی پایا جاتا ہے کہ زمانۂ سابق میں یہاں کا کیا حال تھا چنانچہ اس میں سے چند واقعات بطور اختصار و خلاصہ برائے ملاحظہ ناظرین درج ذیل ہیں۔

امیر علی مذکور بیان کرتا ہے کہ جب ہندوستان سے مع ہمراہیان باشتیاق حیدرآباد ہم آئے اور کاروان کی سرا میں پہونچ کر ایک مکان کرایے کا لیا۔ اس میں وہ تمام سامان جو لوٹ مار کر لائے تھے محفوظ مقام پر رکھ دیا۔ میرے باپ نے کہا اگر ہم اپنے مال کو بغیر بازاری بھاؤ جاننے کے دے دیں گے تو علاوہ کافی قیمت نہ ملنے کے لوگوں کو ہماری طرف سے بدگمانی بھی پیدا ہوگی۔ دوسرے روز صبح کو میں اور میرے باپ نے عمدہ کپڑے پہنے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پل سے جو قریب میں واقع تھا گذرے اور دروازے میں شہر کے داخل ہوئے شہر کی راہیں تنگ اور غلیظ تھیں جیسا کہ ہم نے باہر سے دیکھ کر شہر کو خیال کیا تھا

ویسا اس کو اندر نہ پایا۔ جب ہم چار مینار کے پاس پہونچے تو گھوڑوں سے اتر کر سیڑھیوں پر چڑھے اور اس کے چبوترے پر گئے۔ چار مینار کے نیچے کا حصہ نہایت شکستہ حالت میں تھا اور اس میں چھوٹی چھوٹی جھوپڑیاں اور کپڑے کے پال تنے ہوئے تھے جن میں کونجڑے اور حلوائی کی دو کانیں تھیں۔ المختصر وہاں میرے باپ نے ایک دلال موہن داس نام کو پیدا کیا اور اس کی معرفت ایک سوداگر سے ہم جا ملے اور جملہ سامان پارچہ زرین و جواہر وغیرہ مذکور ہم نے تیس ہزار چھ سو روپے کو فروخت کر دیا۔ جب میں اور دلال مذکور ہر دو رقم لانے کو چلے تو دلال نے راہ میں مجھ سے پوچھا کہ آیا یہ روپیہ تمھارا ہے یا کسی اور کا میں نے کہا یہ روپیہ اس کا ہے جس نے تم کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ پھر میں نے اس کے قیافے سے طینت کو پہچان کر کمال ہوشیاری سے اس کے دل کا بھید لیا تو اس نے کہا کہ تم ایک بہادر آدمی ہو جو ہندوستان سے اس مالدار سوداگر کے ساتھ آئے ہو۔ تو پھر ہم تم کیوں نہیں اپنے آپ کو مالدار بنا لیتے۔ میں نے پوچھا کس طرح۔ اس نے کہا ساہوکار کے جوان ہمراہ لینے سے انکار کرو اور جن آدمیوں کو میں بتاؤں ان کو لے لو۔ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک پہاڑی ہے جہاں میں اپنا چوری کا مال چھپا رکھتا ہوں وہاں پہنچ کر ہم تم روپیہ بانٹ لیں گے۔ میں نے پوچھا وہ جگہ کہاں ہے۔ اس نے کہا اس وقت دن کو وہاں نہیں جانا چاہئے۔ تھوڑی دور تک مجھ کو ساتھ لیجا کر اشارہ سے ایک بڑی پہاڑی اور

پتھروں کی چٹانیں بنائی جو کاروان وبیگم بازار کے پیچھے واقع تھی۔ اور کہا یہ وہی مقام ہے اس کو سوا میرے اور دوسرے چند آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا ہے ہم کل سولہ ۱۶ آدمی ہیں ان میں سے ایک تو فقیر کا بھیس بنائے بیٹھا ہے۔ یہ سن کر میں اس کو ڈانٹا اور کہا او کتے تو کس سے یہ کہہ رہا ہے مجھ کو کیا سمجھا ہے ناحق تضیع اوقات کی تو نے اب تک تو ہم اپنے مکان پر واپس ہو جاتے۔ چل ملعون مجھ کو ساہوکار کے پاس لے چل۔ بخدا تیرا اعتبار نہ رہا۔ اس نے گھبرا کر کہا نہیں اس معاملہ میں تو میں نے ایمانداری کی ہے روپیہ سے تو آپ مطمئن رہیں۔ بعد ازاں جلد ہم اس ساہوکار کے مکان پر پہنچے جو ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ پھر میں نے تمام روپیہ لے کر ساہوکار کے جوانوں کے ہمراہ اپنے باپ کے پاس روانہ ہوا۔ جب ہم اپنے قیام گاہ کے قریب پہونچے تو دلال نے مجھ سے کہا۔ میر صاحب جو کچھ گزرا اس کو بھول جائیے بھگوان جانتا ہے میں آپ سے دل لگی کرتا تھا۔ جب تمام روپیہ ہمارے مکان میں پہونچ گیا تب ہم نے سپاہیوں کو کسی قدر انعام دے کر روانہ کر دیا۔ میرے باپ نے اکیسو پچاس روپے حق دلالی دلاّل کے حوالے کئیے۔ وہ لے کر جانے کو تھا کہ میں نے اپنے باپ سے وہ سب باتیں کہہ دیں جو دلال نے مجھ سے کی تھیں۔ یہ سن کر میرا باپ دلاّل سے بولا کیوں حرامزادے کیا تو ہمیں کو لوٹنا چاہتا تھا۔ اس وقت خوف کے مارے دلال کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔ بعد ازاں دروازے کی طرف بے تحاشا بھاگا

دروازہ مضبوط بند تھا۔ میں اس کے پیچھے ہی پہنچا اور قاتل رومال اس کی گردن میں ڈالا۔ اس نے پھر کر میری طرف گھورا اور ایک لحظے کے بعد اس کا مردہ میرے پاؤں پر پڑا تھا۔ اس کے بعد بھدری ناتھ کے پاس میں گیا جو ہمارے ساتھ کا جمعدار ٹھگ تھا اور اس سے میں نے دلال کی ساری سرگزشت کہہ سنائی اور دلال مذکور کی بتلائی ہوئی پہاڑی پر چلنے کا سامان کیا۔ بھدری ناتھ نے ایک شیخ جی نامی ٹھگ کو جو فقیروں کا بھیس بنانے میں مشاق تھا پہلے پہاڑی پر کیفیت معلوم کرنے کو روانہ کیا اس عرصے میں ہمارا ہم پیشہ سرفراز خاں آیا اور کہا ہمارا کام تو کل شب کا خوب تھا اور اچھی لوٹ ہاتھ آئی ہے۔ ہم ان لوگوں کو مچھلی بندر کی سڑک سے لے چلے اور سرور نگر کے اس طرف ایک مقام پر ان کو مار ڈالا اور ان کے لاشوں کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور دوسرے راستے سے واپس آئے۔

سبحان اللہ حیدر آباد ایک نادر جگہ ہے جہاں ہم بلا خوف و خطر رہ سکتے ہیں اور ہر روز یہاں ایک تازہ شکار ہاتھ آتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہاں ہم کو زیادہ ٹھہرنا چاہیئے۔ ان باتوں میں ہم مصروف تھے کہ شام ہوگئی اور شیخ جی جاسوس نے آکر کہا میں اس مقام پر جاکر فقیر کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس نے مجھ کو نیچے اتر جانے کے لئے دھمکایا لیکن جب میں نے اس سے کہا کہ میں بہت بھوکا پیاسا مسافر ہوں خدا کے واسطے ایک ٹکڑا روٹی کا اور دو گھونٹ پانی دو۔ یہ سن کر ذرا نرم ہوا اور مجھ کو کچھ کھانا دیا تو میں نے اپنی افیون کی ڈبیا نکال کر ذرا سی کھالی۔ یہ دیکھ کر

اس لے بھی تھوڑی افیون مانگی اور ایسا بڑا گوٹا اُڑایا ہے کہ صبح تک نشے سے بیدار نہ ہوگا۔ یہ سن کر ہم سب چلے۔ جب اس غار کے پاس پہنچے تو شیخ جی نے کان میں آہستہ سے کہا دیکھو وہ اب تک چراغ کے سامنے سو رہا ہے پاؤں آہستہ اٹھاؤ شاید چونک پڑے۔ قریب پہنچ کر میں نے بھدری ناتھ سے کہا وہ سو رہا ہے میں اس کی گردن میں کیسے رومال ڈالوں۔ یہ سن کر بھدری ناتھ نے فقیر کے معدہ پر اپنی تلوار کے قبضے سے ایک سخت صدمہ پہنچایا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا میرا رومال تیار تھا ایک دم میں وہ فقیر مر گیا۔ میں نے پھر چراغ کو تیز کر کے دیکھا تو غار کے ایک کونے میں مٹی کے گھڑے اور مرتبان تلے اوپر رکھے تھے ان میں سے دو پہلے گھڑوں کو اٹھا کر دیکھا تو چاول اور دال بھری ہوئی تھی مگر تیسرے مٹکے میں روپے اور پیسے ملے ہوئے تھے اور سب سے آخری مٹکا تو سب سے عمدہ تھا اس میں سونے چاندی کا زیور انگوٹھیاں پازیب اور بازوبند منہ تک بھرے تھے۔ پھر ہم جابجا دوسرے پوشیدہ مقاموں کو تلاش کر رہے تھے کہ دو چٹانوں کے بیچ میں ایک تنگ و تاریک درہ نظر آیا میں اس غار میں چراغ لے کر گیا۔ وہ جگہ بنڈلوں سے اور گٹھریوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک گٹھری کو کھولا جس میں پکانے کے برتن اور ظروف کھچا کھچ بھرے تھے اور کچھ سونے چاندی کو اس میں پانے سے میں خوش ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں ہمارے گروہ کے آدمی جو پہاڑی کی نگرانی کر رہے تھے بھاگ کر آئے اور دو آدمیوں نے جو پہاڑی

نگرانی کر رہے تھے بھاگ کر آئے اور دو آدمیوں کے آنے کی خبر دی۔ ہم سب نہایت پھرتی سے باہر نکل آئے۔ پھر میں نے کہا چراغ بجھا دو اور تم لوگ اس غار کے اطراف چھپ جاؤ۔ ہم لوگ چھپ چکے تھے اور اپنے رومالوں کو تیار کر لیا تھا کہ وہ دونوں آدمی پہنچے اور اپنے بوجھ زمین پر پٹکے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کہاں ہے وہ نشہ باز حرامزادہ ہمارے لیئے چراغ تک نہ جلایا۔ پھر فقیر کو گالیاں دیتا ہوا اندر آیا۔ میں اور سرفراز خاں نے اس کو مار لیا۔ لیکن دوسرا آدمی جو باہر تھا کشمکش کی آواز سن کر بھاگنے میں اس کو ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے گرتے ہی ہمارے ایک آدمی نے چٹان کے پیچھے سے دوڑ کر اس کو مار لیا۔ میں نے کہا بس کافی ہے اب چلیں۔ پھر ہم اس غار میں گھسے اور ایک ایک نے ایک ایک گٹھڑی اٹھائی اور باہر آئے اور سرا کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام اسباب اور مختلف سامان جو ہم لوٹ لائے تھے اور یہاں لوٹا تھا وہ سب بیچنے سے کل رقم پچاس ہزار روپے کے قریب جمع ہو گئی تھی۔ میرے باپ نے اب شہر سے روانہ ہونے کی نسبت گفتگو کی۔ میں نے اور دس روز ٹھہرنے کے لیئے اجازت مانگی کیونکہ میں نے باتفاق رائے بھدری ناتھ و سرفراز خاں یہ تجویز قرار دی تھی کہ ہمارے گروہ کے سب آدمی چار جماعتوں میں تقسیم کیے جائیں اور شہر کی چاروں طرف علیحدہ علیحدہ مقاموں پر جا کر رہیں اور اپنا اپنا کام کریں اور جو کچھ مال ہاتھ آئے وہ ایک جا جمع کیا جائے۔ چنانچہ اسی دن سے تعمیل شروع ہوئی۔ میر حلہ کے تالاب کے قریب

جو محلہ تھا میں وہاں جاکر ٹھہرا۔ بھدری ناتھ اور اس کی جماعت چادر گھاٹ کے بازار میں رزیڈیسی کے نزدیک جاکر اتری۔ سرفراز خاں بدستور آٹھ آدمیوں کے ساتھ کاروان میں رہا۔ چوتھی ایک بڑی جماعت پیر خاں اور موتی رام کے ماتحت ہوکر شہر کی مغربی سڑک شمس آباد کی طرف جاکر ٹھہری۔ ہماری اس تجویز میں تعجب انگیز کامیابی ہوئی۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا جس میں ہماری جماعتیں ہم کو ہلاکت کی خبر نہ پہنچاتی ہوں۔ مگر ان وارداتوں میں ہم کو بکثرت غنیمت ہاتھ آئی تھی۔ یہ کارروائی شروع ہونے کے آٹھویں دن صبح کو بھدری ناتھ نہایت پریشان میرے پاس آیا اور کہا کل شام کو سرفراز خاں نے دو ساہو کاروں کو جو دوسرے روز صبح کو اورنگ آباد روانہ ہونے والے تھے کہہ سن کر اپنے ساتھ سرا میں اوتارا تھا مگر ان کے چند دوستوں نے آکر کہا ایک ہفتہ شہر میں ٹھہرو تو ہم بھی چلتے ہیں۔ اس بات سے سرفراز خاں بے قرار ہوگیا اور ان کے دوست جاتے ہی ساہو کاروں کو فوراً مار ڈالا اور ان کا اسباب لے لیا۔ مگر ان ساہو کاروں کے دوستوں میں سے پھر ایک آدمی جلدی سے کوئی پیام لے کر سرا میں آیا تو سرفراز خاں نے کہا کہ وہ ساہو کار باہر کہیں گئے ہیں۔ وہ آدمی بہت دیر تک انتظار کرتا رہا آخر کار اس کو کچھ شبہ پیدا ہوا تو جاکر دوسرے آدمیوں کو ہمراہ لایا اور انھوں نے اپنے دوستوں کی تلاش میں اصرار کیا۔ سرفراز خاں نے مقتولوں کی لاشوں کو تو سرا میں گاڑ دیا تھا۔ لیکن ان کا کچھ زیور سرفراز خاں کے جسم پر ملا جس کو مقتولوں کے دوستوں نے

پہچان لیا۔
الغرض ایک گارڈ کی حراست میں ان سب کو شہر کی طرف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا اب ان غریبوں کی رہائی کرنی چاہیئے۔ پھر میں شہر میں جاکر کوتوال کا مکان دیکھا ایک لانبی تنگ گلی میں واقع تھا اور یہ گلی میرے مطلب کے لئے خوب تھی اور کوتوال صاحب دو گھڑی رات گئے دربار کرتے ہیں یہ معلوم کر کے اپنے قیام گاہ کو واپس آیا۔ شام کو میں اور چھ آدمی شہر میں گئے اور منتفرق ہوگئے مگر ایک دوسرے کو نظر میں رکھتے ہوئے چلتا تھا۔ کوتوال کی گلی پر پہنچ کر ہم کچھ وقت تک ادھر ادھر ٹہلتے رہے اتنے میں ہمت خاں میرے پاس آیا اور کہا وہ آرہے ہیں۔ میں نے پوچھا کون ان کے محافظ ہیں تو کہا وہ لین والے تقریباً بیس جوان پرانی بندوقیں لیے ہوئے ہیں ایسے تو ہم سیکڑوں کو کاٹ کر دھر دیں گے۔ یہ سن کر ہم سب مستعد اور گلی میں اکٹھے ہوگئے۔ جب وہ قیدی ہمارے قریب پہنچے تو اس وقت میں نے چلا کر کہا۔ بھائی پان لاؤ۔ یہ اشارہ تھا یہ اشارے کے ہوتے ہی ہماری تلواریں میانوں سے نکل گئیں اور ہم نے سپاہیوں پر اکبارگی حملہ کیا۔ دو آدمی مر کر گرے۔ میں قیدیوں کے پاس دوڑا اور اپنی تلوار سے ان کی رسی کاٹ دی جو قیدیوں کے بازو میں بندھی ہوئی تھی۔ ہمت خاں کے بیان کے موافق وہ سپاہی قیدیوں کے ہمراہی بجرد حملے کے بھاگ گئے۔ الغرض ایک لحظہ میں ہم سب منتشر و منتفرق ہوکر اپنے اپنے مقام پر پہونچ گئے۔ (ختم ہوا بیان امیر علی ٹھگ)

اس سے پیدا ہے کہ کیسی بدنظمی و نا پرسانی کا وہ زمانہ تھا حالانکہ طالب الدولہ سانا مور کوتوال اس وقت تھا۔ ان کا داب و رعب چوروں اور بدمعاشوں پر بہت کچھ تھا۔ سو پچاس یا اس سے کچھ زیادہ غلام حبشی وغیرہ ان کے گھر کے اور دو تین سو ملازم جوان جرات والے رکھے تھے۔ جو کوئی شورہ پشتی و شرارت کرتا یا کہیں ڈکیتوں کا سراغ لگتا تھا تو ان کی گرفتاری کو یہ جمعیت بھیجی جاتی تھی جس کو طالب الدولہ کی دہونس کہتے تھے۔ لیکن اس قدر قلیل جمعیت سے لاکھوں آدمیوں کا انتظام خاطر خواہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ بہر صورت اس زمانے میں یہ نسبت دوسروں کے اچھے تھے۔ ان کا محکمہ اکثر بعد مغرب ہوتا تھا۔ مجرم و مستغیث رات ہی کو پیش ہوتے تھے۔ چوروں کو اپنے ہی روبرو جس قدر مناسب جانتے مار کھلواتے تھے اور اکثر املی کے درخت کی باریک چھڑیوں سے مجرم کی پشت برہنہ پر مارتے تھے۔ اگر کوئی سخت چور ہوتا تھا اور اقبال چوری کا نہ کرتا تو چھڑیوں سے مارنے کے بعد پشت پر سرخ مرچ کا پانی چھڑکواتے تھے اور مارتے تھے۔ اور مجرموں کو اپنے ہی علاقے کے قید خانے میں جب تک منظور ہوتا قید رکھتے تھے۔

فراست اس پایہ کی ان میں تھی کہ نگاہ ملتے ہی چور کو پہچان لیتے تھے چنانچہ یہ نقل قدیموں سے سنی ہوئی مشہور ہے کہ ایک روز کوتوال موصوف کی سواری واپس آ رہی تھی راہ میں ایک شخص اجنبی خوش لباس سے دوچار ہوتے ہی حکم دیا کہ اس کو لے چلو۔ جب اپنے مکان میں پہنچے اور شخص مذکور کو روبرو طلب کر کے

تفتیش و تحقیق کی تو وہ پکا چور نکلا شریفوں کا لحاظ بہت رکھتے تھے اور اس زمانے میں لازمتر بھی یہی تھا۔ ایک واقعہ اس زمانے کے بعض ثقہ حضرات سے مولف نے سنا ہے کہ اندرون دروازہ چادر گھاٹ نواب میر رضا علی خان نام خاندان رکن الدولہ مرحوم سے رہتے تھے۔ نہایت معقول و ذی استعداد اور بنوٹ میں یعنی فن شمشیر میں کامل و شاگرد رشید حضرت محمد مراد علی شاہ چشتی نور اللہ مضجعہ کے تھے۔ حضرت موصوف بنوٹ کے فن شریف میں مشہور آفاق و یکتائے روزگار تھے اور سوائے شرفازادوں کے کسی غیر شریف کو اگرچہ دولتمند ہو تا شاگرد نہ کرتے تھے چنانچہ یہ لحاظ ان کے قایم مقاموں کو بھی رہا اور ہے۔
رئیس الملک سلیمان جاہ بہادر۔ مبازر الدولہ بہادر۔ مہاراجہ ترندر بہادر پیشکار رشید الملک بہادر۔ وغیرہ مرشدزادے اور امرائے عظام اکثر ان کے شاگرد تھے۔ ان کے اوصاف کمال اگر مفصل لکھے جائیں تو ایک رسالہ علحدہ مرتب ہوگا۔

ان کے فرزند حضرت محمد وزارت علی صاحب منصبدار مرحوم قایمقام و مظہر اپنے والد کے اور مولف کے استاد شفیق تھے۔ باوصف بیا شاگردان لائق ان کی نظر شفقت مولف ناچیز پر زیادہ تھی اور قبل انتقال اپنے جانشین اپنا فن موصوف میں مولف کو فرمایا۔ چنانچہ نواب خانخاناں بہادر نے کہ شاگرد ہیں استاد مولف کے اپنے دولت سرا میں جلسہ جانشینی ۱۳۱۲ھ میں منعقد فرمایا۔ جلسۂ موصوف اور اس کی مفصل کیفیت بیان کرنا موجب تطویل کلام و باعث تفاخر مولفِ گمنام ہے۔

لیکن بعض بزرگان و احباب کا اصرار ہے کہ جب شرفائے زمانہ حال بغیر کسی ممانعت کے ازخود ترک شمشیر کئے جارہے ہیں تو فن شمشیر کی قدر کب باقی رہے گی۔ اور جب قدر نہ ہوگی تو نہ کوئی استاد ہوگا نہ کسی کو اپنا جانشین کرے گا۔ لہذا جلسہ جانشینی متذکرہ کی تصویر بطور یادگار کھینچ دینی مناسب ہے تاکہ آیندہ زمانے کے شرفا معلوم کریں کہ سابق زمانے میں اس فن شریف کی ایسی قدر و منزلت تھی۔ اور عذر تفاخر کا یہ جواب ہے کہ جس کو بفضلہ جلسہ موصوف کے گواہان معتبر و معظم سلمہم اللہ تعالے میسر ہوں تو وہ اپنے دعوے سے بالکل کیوں دست بردار ہو۔ اور جس کو بہ کرم مولیٰ ایک ایسے فن شریف میں کمال حاصل ہو تو اس کو چھپا کر کس لئے کفران نعمت کا الزام لے۔

پس بلحاظ المامور معذور مولف نے فرمایش بزرگان کو قبول کیا گر جملہ معترضہ میں حد سے زیادہ طول نہ ہو اس لیے امتثال امر کو اختتام اصل واقعہ کے بعد رکھا۔

الحاصل ایک ہندو کو جو کہ نایک علاقہ کوتوالی کا تھا بسبب بیہودہ کلامی کے خان موصوف نے تنبیہ کی تھی۔ اس نے جاکر کوتوال صاحب سے کچھ ایسی اشتعالک کے ساتھ استغاثہ کیا کہ کوتوال صاحب نے بے تحاشا خان موصوف کو گرفتار کر لانے کا حکم دیا اور جمعیت کوتوالی کی آگئی۔ اس زمانے کے شرفا میں یہ صفت تھی کہ اپنے دوست پر کوئی آفت آجاتی تو سب اس کے حامی و شریک حال

جان و مال سے ہو جاتے تھے۔ جب اس امر کا چرچا ہوا تو جتنے شرفائے محلّہ اور نزدیک و دور کے احباب تھے فی الفور مسلّح ہو کر آ گئے اور خان موصوف سے مل کر یہ رائے قایم کی کہ یہ جوانان کوتوالی جو آپ کو لے جانے آئے ہیں ان سے لڑنا خلاف شان آپ کے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ چلیں وہیں جس نے طلب کیا ہے اسی کو دیکھ لیں۔ چنانچہ اسی ارادہ سے چالیس پچاس شرفائے مسلّح خان موصوف ہمر بکف نکلے۔ جوانان کوتوالی اطراف ہو گئے اور چلے۔ منجملہ احباب خاں موصوف میر روشن علی خاں شاہ سوار مشہور روزگار استادِ نواب صاحب مغفور کو جو یہ خبر ملی فی الفور اپنے گھر سے سوار راہ وار ہو کر چشم زدن میں طالب الدولہ کوتوال کے پاس پہنچ گئے۔ چونکہ کوتوال صاحب سے رابطہ قدیم تھا کہا کہ آپ نے یہ کس کو گرفتار کر لانے کا حکم دیا ہے۔ یہ کیا کیا آپ نے میر رضا علی خاں خاندانی رکن الدولہ مرحوم حسب الطلب آپ کے چلے آ رہے ہیں اور ہمراہ ان کے بہت سے شرفا مسلّح ہیں۔ برائے خدا اپنے سپاہیوں کو واپس طلب کر لو۔ یہ سن کر کوتوال صاحب نے ہرکاروں کو اشارہ کیا ہرکاروں نے کوتوالی کے جوانوں کو آگاہ کرتے ہی سب علحدہ ہو کر غائب ہو گئے۔ جب چار مینار کے پاس پہنچے اور کوتوالی والوں کا گرد و پیش پتہ نہ رہا تو خان موصوف سے رفقا نے کہا کہ اب چلنا مناسب نہیں کیونکہ اگر کوتوال کہے کہ میں نے آپ کو طلب نہیں کیا تو اس وقت آپ کیا کہیں گے۔ بہر حال فہمایش کر کے خان موصوف کو واپس لائے۔ اس کے دوسرے روز کوتوال طالب الدولہ بہادر

خاں موصوف کے گھر آئے اور معذرت کی۔ چونکہ خلاف بیان سے بانی اس فساد کا ہوا تھا اس کو خاں موصوف کے روبرو حاضر کیا کہ آپ اس کو جو چاہیں سزا دیں۔

کیفیت جلسہ نشینی و خلافت واضح ہو کہ جب جناب استاد محمد وزارت علی صاحب مرحوم کی علالت نے طول کھینچا اور صحت سے ناامیدی ہونے لگی تو نواب خانخاناں بہادر نے حسب رضائے استاد صاحب موصوف اپنے دولت سرا میں تقریب جانشینی کا سامان مہیا فرمایا یعنی بتقرر تاریخ سیزدھم ماہ رجب ۱۳۰۷ھ جو تاریخ میلاد شریف صاحب ذوالفقار حیدر کرار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے دعوت کے رقعے منجانب استاد صاحب تقسیم ہوئے اور بتاریخ معینہ نواب صاحب ممدوح نے اپنی خاص پنس روانہ فرمائی۔ استاد صاحب اس میں سوار ہو کر اپنے مکان سے جو قریب ہی واقع تھا چلے ہیں تو چند شاگردان خاص جن میں مولف بھی تھا پنس کو تھامے ہوئے آہستہ آہستہ دولت سرائے نواب صاحب ممدوح میں پہنچے۔ اور جملہ مہمانان معززین علاوہ نواب صاحب ممدوح اور ان کے نور چشم نواب شجاع الملک بہادر کے کہ وہ خود مکین تھے نواب رکن الملک خان دوران بہادر مع برادر زادہ نواب فطرت جنگ بہادر۔ اور نواب بہرام الدولہ بہادر۔ نواب انوار جنگ بہادر وغیرہ امرا و شرفا بہت سے شاگرد و غیر شاگرد رونق بخش جلسہ موصوف تھے۔ نواب فخر الملک بہادر معین المہام عدالت و امور عامہ سرکار عالی بھی رونق افزائے جلسہ مذکور ہونے والے تھے کسی سبب سے نہ ہو سکے۔ دستر خوان وسیع با اغذیہ لذیذ چنا گیا۔

لفظ لذیذ نہ صرف تکلفانہ عرض کیا گیا ہے بلکہ واقعتاً۔ کیونکہ مرزا غلام سجاد صاحب اشہر اور نواب انوار جنگ بہادر داروغہ باورچیخانہ شاہی جو شاگردان قدیم والد استاد موصوف کے تھے۔ ان ہر دو بزرگوں کے پاس جو جو اغذیہ نمکین و شیرین بطور خاص عمدہ تیار ہوتے تھے وہ ان کے پاس سے تیار ہو کر آئے اور نواب صاحب ممدوح مکین نے خاص اپنے باورچیخانہ میں بھی تیار فرمائے تھے۔ الغرض بعد تناول طعام مسند بچھائی گئی اور حسب الحکم استاد صاحب مولف مسند پر بیٹھا۔ استاد صاحب نے پھولوں کے دو ہار پہلے اپنے گلے میں حمایل فرمائے بعد ازاں دو ہار مولف کے گلے میں ڈالے اور ایک تمغہ نقرئی جو کہ طوق مرتضیٰ علیؑ کہلاتا ہے پہنایا۔ اس تمغہ کی وضع یہ ہے کہ ایک ہلال نقرئی اس کے دونوں گوشوں میں کنڈے اور ان میں زنجیر بقدر دو دو بالشت طول۔ اس ہلال پر مولف کا نام مع سنہ ۱۳۰۷ھ کندا کیا ہوا۔ دوسرے سرے زنجیروں کے ایک مختصر مدور تقطیع نقرئی کے کنڈوں میں لگے ہوئے اس تقطیع پر یا علیؑ مدد کندہ کیا ہوا اور وہ تقطیع گردن پر رہتی ہے۔ الحاصل طوق موصوف پہنانے کے بعد استاد صاحب نے بآواز بلند فرمایا کہ میرا لڑکا صغیر السن ہونے کی وجہ سے میں نے انہیں اپنا جانشین کیا ہے اور جو کچھ فن بنوٹ کا کمال ہے وہ سب انھیں بتلا دیا ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد میرے فرزند کو یہ میری امانت سپرد کر دیں گے۔ آج سے جو صاحب فن کے طالب ہوں وہ ان سے سیکھیں اور جو کچھ حاصل کرنا ہو ان سے حاصل کریں۔ بعد ازاں مسند سے اٹھ کر مولف نے حضرت استاد کو اور نواب صاحب ممدوح کو جو محسن مولف ہیں نذر دی اور حسب الحکم حضرت استاد

پھر مسند پر بیٹھا۔ حضرت نے بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ جو خاص میرے شاگرد ہیں اس وقت انھیں نذر دیں۔ اور بطور اتمام حجت یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کے پاس روپے موجود نہ ہوں تو مجھ سے مبادلہ لیں۔ بمجرد ارشاد حضرت جملہ شاگردوں نے مولف کو نذریں دیں مگر دو تین پیر بھائی صاحبوں کے نفس نے گوارہ نہ کیا اور اپنے مقام سے انہیں ہلنے نہ دیا عدول حکمی و ملال خاطر حضرت استاد کو قبول کر لیا۔

مقام غور ہے کہ اس خلافت میں کوئی حکومت و ثروت نہ تھی باوصف اس کے بعض نفوس سے ضبط نہ ہو سکا اور حسد باطنی کو ظاہر کر دیا۔ الحاصل نذریں ہونے کے بعد قطعہ بند تاریخ جو استادی جناب مولوی سید اصغر حسین صاحب قبلہ ناجیؔ مرحوم نے اسی وقت نظم فرمایا تھا اور شاگرد استادین موصوفین میر مومن علی صاحب نورؔ نے روبروے مسند استادہ ہو کر بآواز بلند پڑھا قطعہ بند مذکور یہ ہے۔

خوشا ماہ مولود شیر خدا | زہے روز میلاد شاہ نکو
جناب محمد وزارت علی | ہیں یاں زیب محفل بصد آبرو
چمن خان خاناں کا ہے آج قصر | خوشی سے ہے ہر غنچہ لب خندہ رو
غذائے لطیف اور وہ آب سرد | وہ حقّے وہ پان اور پھولوں کی بو
جو دانش ہے شاگرد اُن کا رشید | وہ مشہور عالم میں ہے چار سو
بنوٹ اور دوانگ میں ہے کامل ہوا | بڑا ذی طبیعت ہے یہ نیک خو
جو ہے دوست اس کا رہے شاد مال | ہمیشہ رہے خوار اس کا عدو

بتائید شاہنشہ ذوالفقار	جو تھی دل کی بر آئی وہ آرزو
وزارت علی کا ہوا جانشیں	یہی آج یاروں میں ہے گفتگو
غلامی استاد ذی قدر کا	حمایل ہے تمغہ بصد آبرو
کہا مصرع سال ناجی نے یہ	غلامی کا ہے طوق زیب گلو

اس کے بعد جملہ معززین جلسہ کی خدمت میں پھولوں کے ہار اور عطر مع پاندان پیش کش ہوئے اور عزاز تہنیت سے مولف ناچیز کو معزز فرما کر رخصت ہوئے۔

سنا گیا ہے کہ مرزا عباس مرثیہ خوان کے غلام نے کسی سے مذہبی بحث میں سخت کلامی کی تھی بنابرآں ۱۲۶۴ھ میں بازاریاں اوباش ومفسدان بدمعاش نے جن کا مقصود اصل غارتگری تھا بظاہر مذہبی جوش وبباطن فکر نائے ونوش دین دین کہتے ہوئے امامیہ مذہب والوں پر حملہ کرنے کا سامان کیا اور مکہ مسجد میں جمع ہونے لگے۔ سامان کرنے سے مراد یہ کہ دشنام وغیرہ لکھ کر مشائخین وعلمائے کاملین کے پاس منجانب فرقہ شیعہ روانہ کئے اور مسجدوں کے دروازوں پر لگائے پھر آپ ہی علما ومشائخین کی خدمت میں جاکر شکایت کی کہ اب یہ نوبت پہنچی ہے کہ رافضی لوگ ایسی تحریرات مسجدوں پر لگارہے ہیں لہذا اب ہم سے صبر ہو نہیں سکتا آپ بھی چلیں اور فتویٰ جہاد کا دیں تا آنکہ مجبوراً علما ومشائخین کو مکہ مسجد میں جانا اور شریک عوام الناس ہونا پڑا۔ مگر علمائے اسلام خلاف ارشاد باری۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی۔ ہرگز فتویٰ نہ دیئے ہوں گے کہ ایک شخص مجرم ہو تو اس کے تمام فرقہ

کلمہ گو کو قتل کرنا اور ان کے گھروں کو لوٹ لینا اور آگ لگا دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، علمائے کاملین کا اگر بس چلتا تو فقط اسی کو سزا دیتے جس سے کہ جرم وقوع میں آنا ثابت ہوتا مگر وہ بزرگوار لوگ کیا کر سکتے تھے ۔ اس روز تو زور و شور عوام الناس کا تھا جن میں رہیلے بھی شریک تھے یہ سب غارتگری کے شوق میں از خود رفتہ تھے اور اس کی شہرت تمام بلدہ میں ہو گئی تھی ۔

برادر فرخندہ یار جنگ مرحوم یعنی امام الدین خاں مرحوم جو مشاہیر و معززین اہل سنّت والجماعت سے تھے عالم حیات میں ایک روز ایک محفل میں کہ مؤلف بھی حاضر تھا بر سبیل ذکر ہنگامۂ مذکور کا حال بیان فرماتے تھے کہ جب میں جوان تھا ہنگامۂ مذکور کی خبر سن کر مع ایک دوست چونکہ پیادہ پا نہار و مال سے ڈھاٹا باندھا ہوا بغرض تماشا مکہ مسجد میں گیا ۔ دیکھا کہ عوام الناس مسلّح جمع ہو رہے ہیں ۔ نیز روہیلے ایک بڑا جھنڈا لیے ہوئے مستعد ہیں ۔ میں نے ایک روہیلے سے پوچھا خان صاحب رافضیوں کو مارنے جاتے ہو مگر رافضیوں کو پہچانو گے کس علامت سے تو بیساختہ جواب دیا کہ جس کے منہ پر ڈاڑھی نہ ہو گی اس کو رافضی جانیں گے ۔

امام الدین خاں موصوف کہتے تھے کہ یہ سنتے ہی میرے ہوش اڑے اور میں نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور ہم دونوں وہاں سے ہوا ہو گئے کیونکہ بسبب شباب کے ہماری بھی ڈاڑھیاں اس وقت صاف تھیں ایسا نہ ہو کہ پہلے یہیں ہم پر ہاتھ صاف کریں ۔

الغرض مدار المہامی سراج الملک بہادر کا زمانہ تھا۔ کوتوال طالب الدولہ بہادر نے ابتداءً مدار المہام بہادر سے عرض کی کہ اس وقت اجازت ہو تو ان مفسدوں کو جو مکہ مسجد میں جمع ہوئے ہیں باندھ لاتا ہوں مگر مدار المہام بہادر نے اجازت دینے میں دیر کی۔ کشش و پنج میں رہے جب کہ عرصہ کے بعد اجازت دی تو کوتوال نے عرض کیا۔ اب ممکن نہیں کیونکہ وہاں مجمع کثیر ہو گیا ہے۔ فی الفور یہ کام کرنے کا تھا ؎

سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل ٭ چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

اعلیحضرت نے بھی یقیناً حکم امتناعی جاری فرمایا ہوگا کیونکہ اپنے جان نثاروں کی باہم خونریزی و بربادی جس کا اثر سلطنت پر پڑتا ہو کس طرح گوارا فرماتے تھے۔ لیکن بلوائی عوام الناس کب مانتے تھے۔ الحاصل مکہ مسجد کے داروغہ کے فرزند معروف بہ بنتی صاحب کو بجرم تشیع اسی مسجد میں پہلے ذبح کر ڈالا اور سر کو ان کے دروازہ مسجد میں آویزاں کیا۔ پھر دین دین کہتے ہوئے شاہ علی بنڈہ پر جا کر مرزا عباس مرثیہ خوان ملازم مہاراجہ چندو لعل بہادر کو مع چند اسموں کے جو ان کے گھر میں موجود تھے قتل کر ڈالا اور گھر کو لوٹ لیا۔ وہاں سے مغلپورہ اور سلطان شاہی کی جانب اس ہنگامے نے رخ کیا۔ وہاں جا کر چند شیعوں کے مکان لوٹے مکینوں کو قتل کیا۔ بعض شیعوں کو اہل ہمسایہ نے باوجود سنت و جماعت ہونے کے پناہ دی۔ جانوں سے بچ گئے مگر گھر لوٹے گئے۔ چنانچہ مولف کے خسر میر عباس علی

منصبدار مرحوم مع متعلقین کو ہمسایہ کا ایک شخص لعل خاں نامی نے اپنے مکان میں
پناہ دی مگر اثاث البیت تمام لٹ گیا۔ لٹیروں کی یہ حالت تھی کہ ایک مرغ خانگی
پر دو آدمیوں نے ہاتھ ڈالے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک پاؤں مرغ کا آیا
تاآنکہ زندہ مرغ کے دو ٹکڑے ہو گئے معاذ اللہ۔ اسی محلّہ میں دو بھائی معروف
بہ منجلے آغا اور بڑے آغا ایک ہی مکان میں تھے وہ دونوں شمشیر بکف باہر نکل آئے
اور داد مردانگی دے کر مقتول ہو گئے۔ ہنوز زبان زد قدما ہے کہ وہ دونوں بھائی
جب حملہ کرتے تھے تو میدان ہو جاتا تھا۔ فراریوں کے جوتے پاؤں سے چھوٹے ہوئے
نظر آتے تھے الغرض وہاں سے فارغ ہو کر سراج الملک بہادر کی ڈیوڑھی کی جانب
دین دین کہتا ہوا بلوائیوں کا مجمع گیا۔ مگر وہاں غالب جنگ بہادر جمعدار کے عرب
بغرض حفاظت بالاخانوں پر موجود تھے۔ جب وہ بلوائی زد میں گولی کی آئے تو
عربوں نے بندوقیں سیدھی کر کے آواز دی کہ دین دین شاہ علی بنڈہ یہاں نہیں یہ
سراج الملک بہادر کا مکان ہے۔ یہ دیکھ کر وہ مجمع واپس ہو گیا۔ اسی سال
طالب الدولہ بہادر خدمت کوتوالی سے علٰحدہ ہو گئے۔ اس کے دو برس بعد بتاریخ
۱۲ ماہ محرم ۱۲۶۶ھ میں باغوا داشتعالک حکیم تاج الدین ساکن قطبی گوڑہ جو
سخت متعصب شخص تھا اطراف و جوانب رزیڈنسی کے اوباش نے مجتمع ہو کر
میر صلابت علی صاحب دیانت خانی مرحوم کے مکان واقع رزیڈنسی پر حملہ کیا۔
وہاں سوائے میر موصوف کے اور کسی شیعہ کا مکان نہ تھا۔ میر موصوف کے فرزند

سید اصغر حسین صاحب مرحوم بیان فرماتے کہ میری عمر اس وقت دس برس کی تھی مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس ہنگامہ شورش کی خبر سن کر میرے والد مرحوم اور میرے برادر کلاں میر قربان علی صاحب مرحوم اور میر احمد حسین صاحب مرحوم پریشان ہوئے گو تمام رزیڈنسی تھا مگر اس زمانے میں رزیڈنسی کا ایسا بندوبست و تسلط نہ تھا اور بلدہ کی کوتوالی جیسی تھی معلوم۔ چونکہ وہ تاریخ مجلس فاتحہ سوم کی تھی یعنی ۱۲ محرم حسب معمول چند احباب ساکنان بلدہ مجلس میں شریک ہونے کی غرض سے آئے ہوئے تھے مگر وہ اس زمانے کے شرفا تھے ان کی شرافت نے اجازت نہ دی کہ ایسے عالم پریشانی اور آنے والی آفت میں دیدہ و دانستہ اپنے دوستوں کو چھوڑ دے کر چلے جائیں۔ بعد فراغ مجلس میرے والد مرحوم مع احباب جن میں نواب رضا علی خاں خاندانی رکن الدولہ مرحوم بھی جو کہ نہایت لائق اور فن شمشیر و تفنگ اندازی میں ہمعصروں پر فائق تھے جن کا ذکر قبل ازیں آ چکا ہے موجود تھے۔ بیرون دروازہ مکان ایک چبوترہ تھا اس پر نکل کر بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھیں آج تقدیر میں کیا ہے۔ اس اثنا میں بازار علی میاں کی طرف سے مفسدوں کا مجمع آیا۔ ان میں سے دو نفر آگے بڑھے اور نواب صاحب موصوف پر خطاب کیا کہ بول دم چار یار نواب نے کہا یہ کیا بدمعاشی و ہنگامہ آرائی ہے۔ یہ سنتے ہی ان دو میں سے ایک نے بندوق اٹھا کر نواب کو گولی مار ہی دی۔ نواب کے پاس بھی بندوق تیار رکھی ہوئی تھی فی الفور فیر کر دی جس کی گولی نے دونوں کو جو ایک کے عقب میں ایک تھا چھید ڈالا۔

مولّف کے استاد موصوف فرماتے تھے کہ جب یہ ہنگامہ محشر نما شروع ہو گیا تو میرے والد و برادران واحباب نواب مجروح کو لے کر باہر سے اندر یعنی دیوانخانے میں آگئے اور دروازہ بند کر لیا گیا۔ پھر تو بلوائیوں نے مکان کو گھیر لیا۔ اس وقت کے کوتوال بلدہ محمد وزیر جو بغرض رفع فساد بلدے سے آئے تھے ان کے آنے سے اور ہنگامہ بڑھ گیا۔ یعنی کوتوال صاحب جو سوار فیل تھے بندوقوں کی آوازیں سن کر چادر گھاٹ کے پل پر ٹھہر گئے اور ان کی ہمراہی جمعیت بھی شریک بلوائیاں ہو گئی متصل مکان جو میرے والد کی بنوائی ہوئی مسجد ہے اس کی چھت پر مفسدین چڑھ کر بندوقوں سے مارنے لگے سنگساری ہونے لگی۔ مولّف کے استاد موصوف حضرت ناجی فرماتے تھے کہ اس وقت کی حالت بھولی نہیں جاتی۔ باہر وہ شور وغل دشمنوں کا۔ اندر بچے بالے حواس باختہ ہراساں واشک ریزاں۔ بام مسجد پر سے گولیاں جو برس رہی ہیں تو زخمی گھوڑا ہمارا رسیاں تڑا کر صحن دیوان خانے میں دوڑ رہا تھا۔ نواب صاحب موصوف جو باہر سے گولی کھائے ہوئے آکر ایک نوجوان شاگرد کے سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے ان کو دوبارہ مسجد پر سے گولی مارنا جس گولی سے نواب وشاگرد دونوں کا خاتمہ بالخیر ہو جانا۔ خاکروب آنے کا علحدہ دروازہ جو عقب مکان واقع تھا اس میں سے بلوائیوں کی یورش زنانی مکان میں دفعتاً زنانی مکان میں ہونے سے مستورات و اطفال کا مضطربانہ دیوان خانے میں چلے آنا۔ اثاث البیت تمام لوٹا جانا۔ شریروں کا مکان کو آگ لگانا۔

الغرض ہمارے حق میں اس روز معرکہ کربلا کا نمونہ تھا۔ بعد ان تمام ظلموں کے کوتوال محمد وزیر نے یہ انتظام و انصاف کیا یعنی قرآن شریف بیچ میں لاکر اور قسم کھا کر کہا کہ اب کوئی تمھیں اذیّت نہ دے گا تم لوگ ہتیار اپنے دے دو۔ مگر قسم کا مطلق لحاظ نہ رکھا۔ بمجرد ہتیار لے لینے کے تلواروں سے اور تمنچوں سے مارے جس کے سبب سے میرے براور میر قربان علی صاحب زخمی ہوئے۔ والد کو گولی لگی۔ اراوت علی خاں فرزند عالم علی خاں کے مارے گئے۔ چند احباب بقیت السّیف یعنے میر علی حسین طوبی اور نصر اللہ خاں وغیرہ کو اور میرے برادر صاحب مجروح شدہ کو کوتوال صاحب گرفتار کرکے لے گئے اور قید کیا۔ میر روشن علی خاں شاہ سوار جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے ان کو اور میرے والد کو گولی لگی تھی اس غدر پران دونوں صاحبوں کو جنید خاں اور چھا پا میاں پٹھان ڈاکٹر خانہ رزیڈنسی میں لے گئے ایسی مصیبت کے وقت والد کے چند احباب سنت والجماعت اور مہدوی پٹھان نہایت کام آئے یعنی جنید خاں اور چھا پا میاں مذکورین۔ بعدازاں محمد فخر الدین حیدر خزانچی رزیڈنت بہادر نے بھی ہم بال بچوں کو جو جسم کے لباس سے رہ گئے تھے ایک مکان میں لیجاکر رکھا اور خبر گیراں رہے۔ تمام ہوا بیان مولّف کے استاد ناجی صاحب موصوف کا۔

المختصر جب زخمیوں نے صحت اور اسیروں نے رہائی بصد زحمت پائی تو میر صلابت علی صاحب مع فرزندان و عیال و اطفال بے خانماں و بے سرو سامان کوہ شریف وغیرہ مقاموں پر دو ایک سال باہر رہے تا آنکہ سراج الملک بہادر نے

میر صاحب موصوف کو پرینڈے پر روانہ فرمایا اور قلعہ داری دی۔ مگر میر صاحب اس سے ناراض تھے اس لئے جلد استعفا دے دیا۔ اور والد نواب خانخاناں بہادر حال کے فخر الملک بہادر مغفور نے جو کہ سخاوکرم میں حاتم زماں تھے طلب فرما کر اپنی جاگیرات کا انتظام میر صاحب موصوف کے سپرد فرمایا۔ بعدازاں بوجہ خوبی انتظام و شہرۂ دیانت داری اور بھی کئی امرا کی جاگیریں ان کی نگرانی میں آئیں۔ میر صاحب موصوف کی مظلومی و بے قصوری پر یہ امر دال ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں خداوند عالم نے انہیں اور ان کی اولاد کو سابق سے کہیں زیادہ عزت و ثروت عطا فرمائی۔

اس ہنگامے کے بعد یعنی ۱۴ ماہ صفر ۱۲۶۶ھ کو بسبب ابتری و بدنظمی کے محمد وزیر کوتوال معزول ہوا اور طالب الدولہ بہادر پھر بحال ہوئے۔ الحاصل پولیس کا کافی انتظام نہ ہونے سے شہر پشت اور بدمعاشوں کا بازار گرم تھا۔ خصوصاً جو سپاہی نشان ہتیار باندھنے والے اعلیٰ و ادنی تھے اکثر اپنا انتقام آپ لے لیتے تھے۔ سرکار میں مستغیث نہیں ہوتے تھے اور دادرسی کے لائق عدالت کا انتظام بھی کہاں تھا۔ قرض خواہ اپنے مدیون کو سرراہ پکڑ لے کر اس کا لباس یا ہتیار وغیرہ جو چیز فی الجملہ قیمتی پاتا بکمال ذلت چھین لیتا تھا۔ یا کوئی معتبر ضمانت لے کر چھوڑ دیتا تھا۔ مگر یہ برتاؤ قرض خواہ اسی مدیون کے ساتھ کرتا تھا جس کو آپ سے کمزور پاتا تھا۔ ورنہ مار دھاڑ کی نوبت آکر مجروح و مقتول بھی ہوتے تھے۔ خانہ جنگیاں بارہ مہینے سیندخانوں میں۔ کسبیوں کے مکانوں پر اکثر کشت و خون ہوتا تھا۔ ماہ محرم میں اکھاڑے والے

وغیرہ راتوں کو تماشا گاہوں کے مجمعوں میں ایک دوسرے کو پاکر لڑ لیتے تھے خونریزیاں ہوتی تھیں۔ نیز ماہ شعبان کی پندرھویں شب کو چوک میں۔ بعد ازاں صبح کو تلک پیٹ کے میدان میں جو بیرون دروازۂ چادر گھاٹ واقع ہے بمقابلہ و مجادلۂ آتشبازی اکثر زخمی ہوتے تھے اور جل جاتے تھے خصوصاً تماشا بین۔ عرسیات اور میلوں میں زخمی ہونا مارا جانا لوازمات سے تھا۔ سو روپے ماہوار دار منصبدار یا بارہ سو روپے محاصل کے جاگیردار تک بھی اس زمانے میں سائیس یا کہار یا خدمتگار وغیرہ کو چوری یا کسی بھی جرم پر باندھ کر حاکمانہ مارتے تھے اور قید رکھتے تھے۔ گویا گھر گھر حکومت تھی۔ جب چھوٹے معاش والوں کی یہ حالت تھی تو غور کر سکتے ہیں کہ بڑے بڑے اسٹیٹوں کی کیا کیفیت ہوگی یعنی پائیگاہ امیر کبیر بہادر۔ نواب صمصام الملک بہادر۔ وغیرہ مرشد زادے۔ عبداللہ بن علی۔ عمر بن عوض وغیرہ جمعداران عرب کے علاقہ کا کوئی عرب یا غیر بھی کسی کو قتل کر کے علانیہ ان کے علاقہ میں چلا جاتا تھا تو اس کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ کوتوالی بھی مانگے تو آسامی کو نہیں دیتے تھے۔

قدیم لوگ حالات سابق کو دیکھے ہوئے بعض ہنوز موجود ہیں کہ اکثر گلیوں میں اور کنارہ جات شہر میں اور بعض شاہراہوں پر بھی جہاں کہ ویرانہ پن ہوتا تھا اور لوگ کم چلتے تھے ویسے مقاموں پر شام کے وقت کوئی تنہا غیر مسلح آدمی مل گیا تو ہتھیار سے ڈرا کر لباس وغیرہ لوٹ لیتے تھے۔ بفضلہ آبادی و کثرت مخلوق جس قدر کہ فی الحال ہے اس زمانے میں کہاں تھی۔ اس لئے بلدے میں اکثر مقامات دوپہر دن کو اور شام ہوتے ہی

سنسان معلوم ہوتے تھے اور وہ کمین گاہ بدمعاشوں کی تھی علیٰ ہذا القیاس بیرون بلدہ کی حالت بھی ویسی ہی تھی۔ چنانچہ بلدے سے کوہ شریف تک جو چار کوس یعنی آٹھ میل کی مسافت ہے تنہا آدمی بخوف رہزنی جا نہیں سکتا تھا۔ اگر گیا تو لوٹا جاتا تھا۔ یوں تو سراسر جنگل بغیر سڑک کے بنڈیوں کا راستہ تھا۔ اسی راہ سے رتھ۔ میانہ۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ بنڈی وغیرہ عرس شریف وغیرہ عرس میں آتے جاتے تھے۔ لیکن اس راہ میں خصوصاً دو مقام لوٹے جانے کے مشہور تھے۔ ایک باغ لنگم پلی اور مقطعۂ اختیار خاں کے درمیان۔ دوسرا مقام تاڑ شاہ کی بارہ دری۔ یہ دو مقام کمین گاہ رہزنوں کی تھی۔

تاڑ شاہ مذکور کی کیفیت مولف نے قدیم بزرگوں سے سنی ہے کہ مقام مذکور پر ایک فقیر رہتا تھا اس نے اپنے تمام جسم پر تاڑ کی رسّی لپٹی تھی اس سبب سے اس کا نام تاڑ شاہ مشہور ہو گیا تھا۔ ایک روز قضاء حاجت کے لئے وہ فقیر جنگل میں گیا تھا اتفاقاً پانی شدت سے برسا اور کسی درخت وغیرہ کا سہارا چھپنے کے واسطے نہ ملا فقیر کے ٹخنوں سے لے کر گردن تک تاڑ کی رسّی جسم پر جو مدت سے لپٹی ہوئی تھی وہ تمام بھیگ کر دفعتاً اینٹھی۔ شاہ صاحب بیچارے کیا کر سکتے تھے اور جنگل میں کوئی مدد دینے والا بھی نہ تھا۔ خصوصاً سینہ و شکم کی رسّی نے ایسا دبایا کہ شاہ صاحب کا دم نکل گیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

ایک روایت یہ ہے کہ رکن الدولہ بہادر اکثر کوہ شریف کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ حقّہ کا از بسکہ شوق تھا سواری میں بھی حقّہ پیتے رہتے تھے لہذا جو مقام کہ

اب ناٹ شاہ کی بارہ دری کہلاتا ہے وہاں اپنا ایک کلی بردار ہمیشہ کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ جب کبھی بہادر موصوف کی سواری وہاں پہنچتی تھی تو کلی بردار مذکور جو کہ سامان مہیا رکھتا تھا فی الفور چلم بدل دیتا تھا۔ جب بہادر موصوف مقتول و مرحوم ہوئے تو وہ کلی بردار فقیر ہو کر وہیں بیٹھ گیا اور ٹاٹ کا کرتا پہننے لگا اس لئے وہ ٹاٹ شاہ مشہور ہوا۔

الحاصل بسبب بدامنی راہ غیر ایام عرس میں بغرض زیارت و نذر و نیاز وغیرہ بلدے سے متوسطین لوگ جاتے تھے تو چند جوان کہیں سے پروانگی لے کر مع سواری ہائے مردانہ و زنانہ ایک دم مل کر جاتے تھے۔ جیسا کہ اب ایک ضعیفہ بھی تنہا جاتی آتی ہے۔ اس وقت مجال نہ تھی۔ اسی طرح بیرون بلدہ کے دوسرے جوانب کا بھی حال تھا۔

دروازۂ باغ لنگم پلّی کی بائیں جانب پختہ سڑک عہد مغفور میں بنی ہے ورنہ اس مقام پر ایک نالا بچہ رہتا تھا۔ سوار و پیدل سب اسی پانی میں سے جاتے تھے۔ کبھی پانی زیادہ رہا تو رتھ کے اندر آجاتا تھا۔

کرور گری کا انتظام بھی عہد سابق میں اچھا نہ تھا۔ از روئے موازنہ ۱۲۸۰ف مذکور یہ معلوم ہوا کہ اجناس وغیرہ کا محصول راہ داری تعلقات میں بھی لیتے تھے اور بلدے پر بھی محصول لیا جاتا تھا۔ جو تجارت کہ اندرون ملک سرکار عالی ہوتی تھی اس کے لئے تو نہایت تکلیفیں تھیں۔ محصول سایر تعلقات کا ہر جدید تعلقہ میں اور سناجر کے علاقہ میں اور تعلقات دیوانی اور تعلقات جاگیرداران میں نیز کرور گری

بلدے میں بھی محصول لیا جاتا تھا۔ ہر چند خفیف و قلیل محصولات ہوں مگر ناگوار تھے اور سب کا حساب کریں تو محصول کی ایک بڑی مقدار ہو جاتی تھی چنانچہ اندازہ کیا گیا تھا تو رقم جملہ محصولات کی مال تجارت پر فی صدی پندرہ روپے ہوتی تھی الخ

اس سے ظاہر ہے کہ محصولات اس قدر اور راستے بے امن ہوں تو تجارت سوائے گھٹنے کے ترقی کیونکر کرتی۔ اور تجارت کے گھٹنے سے نقصان سرکار کیوں متصور نہ ہوتا۔ مغفور اول کے اوایل عہد دیوانی تک بھی یہ کیفیت تھی کہ سوائے امرائے ذی حشم کے دوسروں کی زنانی سواری میانہ ہو یا رتھ۔ شہر کے باہر جانا چاہتے یا باہر سے اندر آتی تو شہر پناہ کے دربان فی سواری چار آنے لئے بغیر جانے یا آنے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانے میں کہ مولف خورد سال تھا مولف کے والد مرحوم نے ارادہ کوہ شریف کا فرمایا تھا۔ زنانی سواریاں روانہ ہونے کے بعد والد مرحوم سرکاری پروانگی کے ہاتھی پر مع اطفال سوار ہو کر چلے۔ جب چادر گھاٹ کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا زنانی سواریاں روکی گئیں ہیں۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ فی میانہ اور فی رتھ چار آنے لئے بغیر دربان جانے نہیں دیتا۔ اس وقت تو مجبوراً پیسے دلوادئے مگر بعد واپسی مولف کے برادر کلاں میر اسد علی صاحب نے جو کتاب خانہ علاقہ نواب صاحب مغفور کے مہتمم تھے جن کا حقیقی نبیرہ سید اعجاز حسین سلمہ جو فی الحال اول مددگار معتمد مالگزاری سرکار عالی ہے نواب صاحب مغفور کی خدمت میں اس واقعہ کو مفصلاً عرض کر دیا۔ بمجرد سماعت فرمانے کے مغفور نے

جملہ دروازوں پر شہر پناہ کے یہ ناجائز تحصیل موقوف ہونے کے لئے حکم محکم جاری فرمادیا۔ جب سے وہ تحصیل بالکل موقوف ہوگئی۔

نیز جلانے کی لکڑیوں کی بنڈیاں جو باہر سے بلدے میں آتیں تو پہلے دربان شہر پناہ فی بنڈی ایک لکڑی بزور لیتا تھا۔ بعد ازاں کوتوالی کے جس ٹھانے پر گزر ہوتا یا کسی ایسے دروازے پر سے بنڈی گزرتی کہ جس پر پہرے کے جوان ہوتے تو ایک ایک لکڑی فی بنڈی لی جاتی تھی۔ مولف نے بچشم خود دیکھا ہے کہ اگر بنڈی والا لکڑی دینے میں تامل کرتا تو ٹھانے کا جوان خود بڑھ کر بنڈی میں سے لکڑی کھینچ لیتا تھا۔ علی ہذا القیاس کوبلوں کی یا چونہ وغیرہ کی بنڈی کوئی آجاتی تو اس پر بھی وہی جبر ہوتا تھا۔ اور یہ جبر بلدے پر ہی منحصر نہ تھا بلکہ بیرون بلدہ بھی جاری تھا۔

زمانۂ سابق میں جو چلنی روپے کہلاتے اور رائج تھے وہ ایک قسم کے نہ تھے بلکہ اقسام کے اور مختلف مقامات کے بنے ہوئے تھے یعنے۔ گدوالی۔ سگور۔ گرمٹکالی۔ ارکاٹی۔ دولت آبادی۔ گوپال پٹی۔ امراوتی۔ شہر چلنی زری ٹکہ۔ ذوالفقاری شمشیری۔ نارائن پٹی۔ چاندوری۔ ناگپوری۔ اندوری بہادر شاہی۔ شاہجہانی۔ پیشن شاہی۔ عالمگیری۔ گویند بخشی۔ حالی کہنہ وغیرہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک سرکار عالی میں کئی سکے رائج تھے حالانکہ یہ طریقہ خلاف دستور سلطنت تھا۔

گوبند بخشی کی نسبت بستان آصفیہ صفحہ (۶۳۵) میں مرقوم ہے کہ کسی زمانے میں برادر راجہ چندو لعل گوبند بخش کا ایسا زور تھا کہ حیدر آباد میں ان کے نام کا سکہ جاری ہوا اور ۱۲۲۷ھ سے ۱۲۳۵ھ تک دیکھا گیا ہے جس کو سکہ گوبند بخشی کہتے تھے۔

الغرض سکور اور گدوالی و حالی کہنہ وغیرہ عام طور پر بلدہ و تعلقات میں جو رائج تھے وہ کم عیار و کم وزن ہونے کی وجہ سے ان کا خوردہ کم آتا تھا۔ جس کے باعث بے برکتی ہوتی تھی۔ پہلے اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ چلنی روپیہ مشین سے بنتا نہ تھا بلکہ گھڑا جاتا تھا اور ٹھسا ہوتا تھا۔ اور صرافان بازار کا یہ چلن کہ اس روپے میں اقسام کے بٹے یعنی عیب لگاتے تھے۔ روپے کے کنارے میں ذری بھی تڑک ہوتی تھی تو پھوٹا ہے کہہ کر مقررہ خوردہ میں دو تین پیسے کم دیتے تھے یا ذری لکیر اس کے سطح پر نظر آتی یا ذرا گڑھا ہوتا تو چکلہ ہے کہہ کر پانچ چھ پیسے بٹا لگاتے یا گونہ میلا پن ہوتا تو کڑا ہے کہہ کر چار یا پانچ پیسے بٹا لیتے یا چمکدار ہوتا تو بھی کئی پیسے بٹے کے لیتے بلکہ خوردہ دینے کو بھی انکار کرتے تھے کہ یہ روپیہ چمکتا ہے۔ جس پر تلوار کا نشان ہوتا تو اس کو شمشیری ہے کہہ کر خوردہ کم دیتے۔ جس کے حروف بسبب استعمال مٹے ہوئے ہوتے تو سلیٹ ہے کہہ کر واپس دیتے۔ الحاصل سکہ کی ایسی بد انتظامی کے سبب سے بھی رعایا کو نہایت پریشانی اور نقصان ہوتا تھا۔

زمانۂ سابق میں یہاں طبابت انگریزی کی تعلیم نہ تھی نہ کوئی ڈاکٹر تھا۔ عہد دیوانی سراج الملک مرحوم میں مدرسہ طبی انگریزی رزیڈنسی میں ابتداً قائم ہوا۔

اہل خدمات کے لئے اطبائے یونانی حاذق تھے مگر عام رعایا و مساکین کو علاج باقاعدہ سے سخت محرومی تھی۔ اکثر بیمار غربا عطائی دوا کھا لیتے تھے یا کسی نیم حکیم کے مطب سے جو کچھ دوا میسر ہوتی استعمال کرتے۔ اگر سرطان وغیرہ کوئی پھوڑا کسی کو نکلتا یا ہاتھ پاؤں شکستہ ہوتے تو عطائی پتے پالے باندھتے تھے یا ممکن ہوا تو جراح سے ملتجی ہوتے تھے زخمی کو ٹانکے بھی جراح دیتے تھے مگر اسی کہنہ سوزن سے جو ان کے پاس قدیم سے رہتی آئی ہے۔ اور پھوڑے کو چیرتے بھی تھے لیکن اسی زنگ خوردہ نشتر سے جو پشتینی ان کے پاس چلا آرہا ہے۔ مگر یونانی اطباء کی نسبت تو زمانہ سابق پر اس زمانے کو ترجیح دے نہیں سکتے ہیں۔ اس امر خاص میں البتہ یہ زمانہ گھٹا ہوا ہے۔ زمانہ سابق میں حکیم رضا علی خاں مؤلف یادگار رضائی۔ مسیح الدولہ۔ حکیم شفائیخاں۔ حکیم صفدر۔ حکیم میر جعفر علی۔ حکیم حرّ علی۔ وغیرہ اطبّائے حاذق و لائق تھے۔ اس زمانے میں ویسے طبیب کم یاب ہیں۔ تحصیل علم طبابت کئے ہوئے باقاعدہ شاید کہ چند ہوں ورنہ اکثر بغیر قابلیت کے طبیب بن بیٹھے ہیں۔ اور مطب کی گرم بازاری و شہرت تو منحصر ہے عام مخلوق کو تیار دوا مفت دینے پر۔ صفوف، گولیاں، عرق رطب دیا بس بنا لے کر بیٹھ گئے بس مطب گرم ہو گیا اور اسی گرمی مطب نے طبیب صاحب کو مانند عرق کے پستی سے بلندی پر پہونچا دیا۔ چونکہ یہ زمانہ رواج ڈاکٹری و طبابت انگریزی کا ہے اس لئے سرکار عالی کو اس کی طرف چنداں اعتنا نہیں۔ بر این ہم کئی بار سرکاری حکم جاری ہونے کے چرچے ہوئے کہ جو بے سبب طبیب بن کر بیٹھے ہیں ان سے

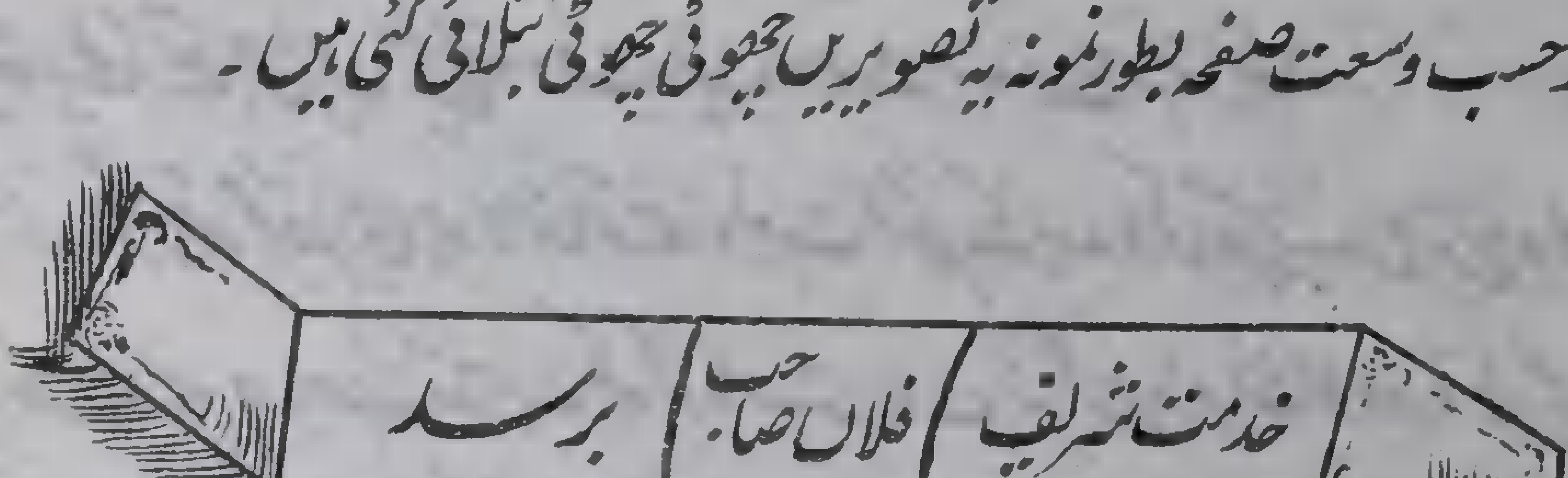
امتحان لیا جائے گا کیوں کے ناقص طبیوں سے بندگان خدا کے لئے خطرۂ جان ہے۔ حکم موصوف کی تعمیل تو نہ ہوئی مگر جو ویسے بے سند و ناکام اطبا تھے وہ ہوشیار ہوکر کسی بھی تدبیر و توسّل سے صاحب سند لامحالہ ہو گئے ہوں گے۔ اہل دنیا کو حصول زر کے لئے صدہا ذرایع ہیں مگر یہ طریقۂ طبیب بن جانے کا تو نہ اختیار کریں کہ یہ بڑا نازک فن ہے۔ اس میں جانوں کی ذمہ داری ہے۔ خصوصًا طبیب غیر حاذق و ناقابل ایسے قاتل ہیں کہ ان کی قتّالی ظاہر نہیں ہوتی ہے مگر عالم سرّ و الخفیات سے کیونکر چھپا سکتے ہیں۔ اس مقام پر ایک حکایت مناسب و دلچسپ یاد آگئی ہے ناظرین سے توقع ہے کہ نامناسب تصور نہ فرمائیں گے۔ وہ یہ کہ دو شخص باہم دوست تھے ایک ان میں کا جو مصوّر تھا اس نے ہجرت اختیار کی۔ بعد ایک عرصے کے مصوّر کا دوست بھی کسی ضرورت سے سفر کو نکلا۔ جب ایک ملک میں پہنچا تو وہاں ایک مقام پر مجمع لوگوں کا پایا۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ کسی طبیب کا مطب ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر حکیم صاحب پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہی دوست ہے جو اپنے شہر میں مصوّری کرتا تھا۔ اس کو تعجب ہوا کہ یہ طبیب کیونکر بن گیا ہے۔ تا آنکہ بیماروں کا مجمع چلا گیا حکیم صاحب تنہا رہ گئے اس وقت یہ دوست حکیم صاحب کے پاس گیا۔ صاحب سلامت و خیر و عافیت کے بعد پوچھا کہ آپ تو وطن میں مصوّر تھے یہاں حکیم و طبیب کیسے بن گئے تو کہا اے یار کیا کروں کیسی ہی مشقت اٹھا کر میں کھینچتا تھا تو ناظرین ایک نہ ایک عیب اس میں نکالتے تھے اس لئے تنگ آکر مصوّری چھوڑ دی اور یہاں طبیب بن گیا ہوں کہ اس فن کے

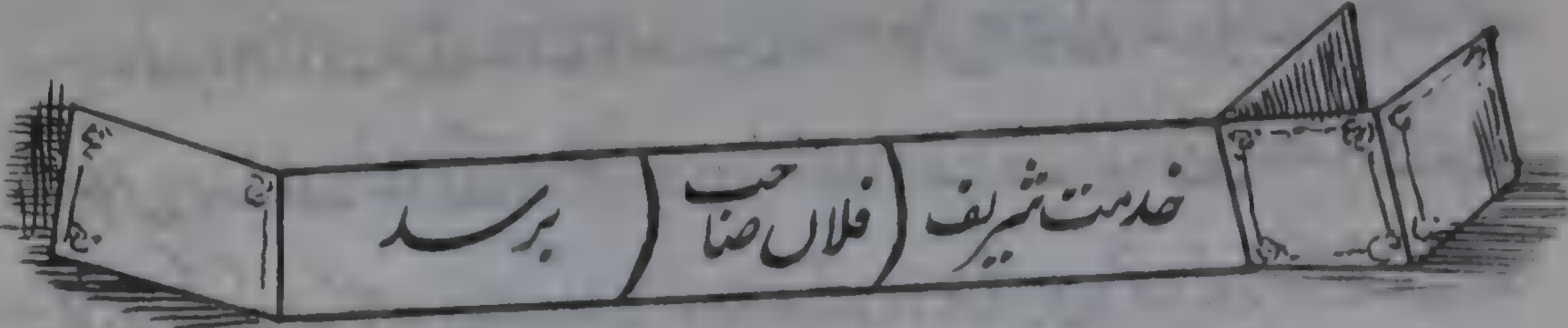
نقص و عیب کو زمین ڈھانک لیتی ہے کسی پر کھلتا نہیں۔

تعلیم اطفال شرفائے کم استطاعت کے واسطے زمانۂ سابق میں نہ سرکاری مدرسے تھے نہ تعلیم کا سامان کافی میسر ہوتا تھا اس لئے اکثر شرفا کم سواد تھے۔ محلّے بھر میں کوئی صاحب سواد ہوتا تھا تو سب اس کے محتاج رہتے تھے۔ یعنی کوئی خط وغیرہ کی تحریر کی ضرورت ہوتی تو اس سے پڑھواتے تھے اور بمنّت لکھواتے تھے۔ اطفال کو پڑھانے کے لئے استاد ذی علم و لائق میسّر نہیں ہوتا تھا۔ اگر کوئی ذی علم نامور ہوتا تو وہ پڑھانے کی نوکری کو گوارا کرتا تھا نہ ہر ایک شریف کو مقدرت اس کے لائق ماہوار دینے کی تھی۔ بعض شوقین طالب علم اس کے مکان پر جاکر درس لیتے تھے۔ اس زمانے میں کوئی کتاب قلمی گلستان وغیرہ کسی کے پاس ہوتی تھی تو طالب علم اس کے بہزار منّت و زحمت مالک کتاب کے مکان ہی پر بیٹھ کر اس کی نقل کر لیتے تھے۔ ازبسکہ کتابیں کم یاب تھیں مالک کتاب کا دل بطور مستعار بھی دینے کو نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانے میں مکتوب پڑھائے جاتے تھے یعنی لائق لوگوں کے فارسی خطوط و عرائض وغیرہ مختلف تحریرات قلمی جمع کر کے یکے بعد دیگرے ان سب کو جوڑ کر ایک طولانی طومار بناتے تھے اور اس کو لپیٹ کر تولہ بنا رکھتے تھے۔ بعد ختم قرآن شریف ابتدائی کتابیں فارسی کی پڑھا کر وہ مکتوب پڑھاتے۔ اس کے پڑھانے سے یہ نفع بھی تھا کہ اقسام کے خطوط یعنی نستعلیق شکستہ۔ شکستہ آمیز۔ شفیعہ۔ منتصدیانہ میرزائی نسخ۔ نستعلیق طبعی وغیرہ خطوط پڑھنے کی مہارت حاصل ہوتی تھی لیکن سوائے

اس نفع کے اس کے رواج کا یہ بھی سبب تھا کہ کتابیں نایاب نہیں اور کاتب کم یاب لہٰذا کسی کتاب کی نقل کرنی بھی خالی از دقت نہ تھی۔ کاغذ اس وقت وہی دیسی تھے۔ قاسم بیگی۔ شربتی ادنیٰ و اعلیٰ۔ دولت آبادی ادنیٰ و اعلیٰ۔ شربتی ادنیٰ کے لئے روشنائی گاڑھی لازم ہے ورنہ پھیکی یعنی رقیق ہو تو حروف پھیل کر دوسری جانب بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ شربتی کاغذ باریک و مہرہ دار ہوتا ہے۔ اس کا شربتی نام اس لئے ہے کہ دیسی سفید شکر کے شربت کا سا رنگ اس میں ہوتا ہے۔ قاسم بیگی نہایت سفید قدرے مہرہ دار ہوتا ہے۔ دولت آبادی گونہ شربتی رنگ ادنیٰ و اعلیٰ ہوتا ہے دبیز و مہرہ دار۔ یہ دیسی کاغذ پائدار ہوتے ہیں۔ پانی وغیرہ کا صدمہ نہ ہو تو صدہا سال رہتے ہیں بوسیدہ نہیں ہوتے۔ مگر شربتی ادنیٰ اور قاسم بیگی کاغذ برس چھ مہینے ایک حال پر سرد مقام میں رکھا رہے اور ورق گردانی نہ ہو تو اس میں کیڑا پیدا ہو کر سوراخ ڈال دیتا ہے۔ یہ کاغذ ٹاٹ کے پارینہ ٹکڑوں سے اکثر بناتے ہیں اور ٹاٹ سن سے یعنی امباڑے کی چھال سے بنایا جاتا ہے۔ زمانۂ سابق میں جملہ دفاتر سرکاری وغیرہ تمام ملک میں یہی دیسی کاغذ مستعمل تھا۔ اسناد و احکام اسی کاغذ دولت آبادی وغیرہ پر لکھے جاتے تھے۔ ساہوکاروں کی بہیاں انہیں دیسی کاغذوں کی ہوتی تھیں اور ہنوز ہوتی ہیں۔ علاوہ پائداری کے اس کاغذ میں یہ صفت بھی ہے کہ اس پر جو لکھا گیا پھر وہ مٹتا نہیں اگر کسی حرف کو چھیل کر بنائیں تو وہ صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ کاغذ بافشاں طلائی و نقرئی بھی ہوتا ہے اور سرخ بھی ہوتا ہے۔

سادہ و با افشاں نقرئی۔ اس کاغذ سرخ کا استعمال خوشی کی تقریبات میں ہوتا تھا۔
جلوس و سامان شادی کے مطلوبے اور استمداد مصارف شادی کی عرضیاں اسی سرخ
کاغذ پر لکھ کر سرکاروں میں گزرانے جاتے تھے۔ اسم نویسی (تحریر خواستگاری) منجانب
پسر اسی سرخ سادہ یا افشانی پر لکھ کر دختر والوں کے پاس باامید منظوری بھیجتے تھے۔
زیور وغیرہ اشیائے جہیز کی فہرست بھی اسی سرخ کاغذ پر لکھی جاتی تھی۔ دعوت شادی
و بسم اللہ خوانی وغیرہ تقریبات کے رقعے اسی سرخ کاغذ پر لکھتے تھے۔ قدیم رقعوں کی
وضع یہ تھی کہ سرخ کاغذ جس پر تحریر دعوت ہوتی تھی اس کو تہہ کر کے اس پر شتر بتی کاغذ
قدرے طویل تر بجائے لفافہ لپیٹ کر دونوں طرف کے گوشوں میں شکن ڈالتے تھے تاکہ
اندر کا رقعہ نکل نہ سکے اور بیچ میں سرخ کاغذ کی پٹی تخمیناً ایک انچ عرض کی جس کو
کمر بند کہتے ہیں لپیٹ کر چسپاں کرتے تھے۔ سرخ کمر بند سے معلوم ہو جاتا تھا کہ تقریب
خوشی کا رقعہ ہے۔ اور سبز کمر بند سے مجلس عزا کا یا دعوت نیازات وغیرہ کا۔ بعض اندر
اور باہر کا مع کمر بند جملہ کاغذ سرخ کے رقعے صاحب مقدرت کاغذ سرخ با افشاں
کے رقعے تقریبات خوشی میں تقسیم کرتے تھے۔ ان قدیم رقعوں کی شکل یہ تھی۔
مگر حسب وسعت صفحہ بطور نمونہ یہ تصویریں چھوٹی چھوٹی بتلائی گئی ہیں۔





تقریب خوشی کے سوائے دیگر امور کے رقعے بھی ایسے ہی بغیر سرخ کاغذ کے ہوتے تھے۔ قدیم رقعہ کی جب شکل بتلائی گئی ہے تو لازم ہوا کہ اس کی طرز تحریر بھی ملاحظہ ناظرین میں آئے۔ یہ تو معلوم ہے کہ سابق میں تا عہد وزارت لائق علی خاں بہادر عماد السلطنت مرحوم یہاں جملہ تحریرات فارسی ہوتے تھے اور منجملہ تکلفات شادی یہ بھی تھا کہ رقعہ دعوت شادی با عبارات رنگین طولانی ہوتا تھا۔ یعنی حمد و نعت مقفا و مسجع و استعارات رنگیں اور گل و بلبل و نشاط و انبساط و تہنیت بہاریہ فارسی سے تمام صفحہ جب بھرا تو۔ اما بعد بتاریخ ماہ روز تقریب نور چشم طول عمرہٗ مقرر۔ ترصد کہ بوقت رونق افزائے محفل نشاط شدہ داعی را ممنون و مبتہج خواہند فرمود زیادہ ایام شادمانی مدام بکام باد فقط المکلف ایسے رقعہ کو ہر ایک تو پڑھ نہیں سکتا تھا لہذا عموماً صرف آخر کی ایک دو سطریں دیکھ لیتے تھے جن میں تاریخ و وقت وغیرہ دعوت مندرج رہتا تھا۔

اگر رقعہ مختصر بھی ہوتا تھا تو حمد و نعت مختصر کے بعد ذکر تقریب مع تاریخ و یوم و وقت و نام صاحب تقریب لکھ کر استدعائے شرکت بزم نشاط اور آخر میں ایام شادمانی بکام باد لکھنا لازمی تھا۔

قدیم زمانے میں خاص طور پر کشمیری کاغذ بھی مستعمل تھا مگر بسبب کم یاب و گراں قیمت ہونے کے استعمال اس کا عموماً نہ تھا۔ بعض شوقین پنجسورہ و ادعیہ وغیرہ کشمیری کاغذ پر خوشخط لکھواتے تھے۔ نگہداشت نہ ہو تو کشمیری کاغذ میں بھی بہت جلد کرم پیدا ہوتا ہے۔ مشق خط کے لئے کسی قسم کے کاغذ کو باہم وصل کرتے ہیں جس کا نام وصلی ہے۔ اس پر آہار ہوتا ہے اس لئے مہرہ کر کے لکھتے ہیں۔ چنانچہ خوشنویسوں میں اب بھی اس کا استعمال ہے۔

قدیم کاغذ کے ساتھ روشنائی کا بھی حال بیان کرنا چاہئے واضح ہو کہ سابق زمانے میں ابتدائے مشق خط کے لئے خطاطی کے شوقین چاول یا کنہہ کی روشنائی بناتے تھے جس میں گونہ سرخی ہوتی تھی۔ ورنہ کتابت خانگی دفاتر سرکاری وغیرہ جملہ ملک میں یہی روشنائی مستعمل تھی اس کے سوائے کوئی روشنائی کسی رنگ کی نہ تھی۔ اس سیاہی کا جزو اعظم کاجل ہے۔ باقی ہٹکڑی۔ ماجو۔ سمغ عربی وغیرہ۔ تحریر کتابت میں ابواب و فصول وغیرہ مخصوص کلمات شنجرف کی روشنائی سے لکھتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں ویسے کلمات کو جلی قلم سے لکھتے ہیں اور اس کو سرخی کہتے ہیں۔ شنجرف کو لیمو وغیرہ سے صاف کرتے ہیں تو اس کی تیرگی دور ہو کر نہایت سرخ خوش رنگ ہوتا ہے۔ اس سے جدول بھی کھینچتے تھے۔ بعض خوشنویس و خطاط شوقین جدول کشی و نقاشی کے لئے سفیدہ و لاجوردی و نیلگوں وغیرہ رنگ تیار کرتے تھے۔ سفیدہ سے سیاہ یا نیلگوں وغیرہ رنگین کاغذ پر لکھتے بھی تھے۔ سبز رنگ زنگار سے بناتے تھے جس کی

جدول سبز سرخ جدول کے ساتھ نہایت خوش نما ہوتی تھی۔ مگر زنگار کی جدول کاغذ کو کھا جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر قدیم کتابیں زنگاری جدول کی دیکھی گئیں ہیں کہ متن سے حاشیہ جدا ہو گیا ہے گویا کسی نے کاٹ دیا ہے۔

زمانہ قدیم سے قلم ہی واسطی تھا جو فی الحال بھی بعض قدیم لوگوں کے پاس مستعمل ہے۔ ان قلموں میں بھی ادنیٰ و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ عمدہ وہ جس میں سنگینی و سختی اور سپید ہو بلدار نہ ہو۔ رنگ اس کا سرخ مایل بہ سفیدی ہو۔ انہیں قلموں سے جلی بھی لکھتے تھے اور خفی بھی سوائے اس کے کوئی قلم نہ تھا۔

ہاں ایک قلم مانند جوار کے ڈنٹھلے کے موٹا اور سفید ہوتا ہے اس سے بعض اطفال مبتدی تختی پر لکھتے تھے۔ تختی ساگوانی صاف ہوتی ہے اس پر کھریا لگا کر سکھلانے کے بعد استاد اس قلم مذکور سے جس کو بُرُو کا قلم کہتے ہیں بغیر سیاہی کے خالی مفردات وغیرہ جلی لکھ دیتے تھے۔ اطفال مبتدی اسی قلم سے اُن حروف قلمی استاد پر سیاہی سے لکھتے تھے۔

ابتداءً نواب صاحب مغفور نے ایک مدرسہ موسوم بہ دار العلوم اپنے مکان سر راہ واقع پتھر گٹی میں قایم فرمایا تھا کہ اطفال معززین و شرفا بلا فیس تعلیم عربی و فارسی و انگریزی پائیں اور جو لڑکا ایک حد معین تک پہنچتا تھا اس کو پانچ سات روپے ماہوار ترغیبی سرکار سے ملتی تھی۔ مگر بجز چند غریب لوگوں کے کسی معزز نے اپنے فرزند کو نہ بھیجا۔ یعنی مدرسہ میں پڑھانا معیوب و کسر شان سمجھتے تھے۔ تا آں کہ

نواب صاحب مغفور نے اپنے خواہر زادہ مکرم الدولہ بہادر کو اس مدرسہ میں داخل فرمایا۔ یہ دیکھ کر امراو معززین اوّل تو متعجب ہوئے بعدازاں رفتہ رفتہ منصبدار زادے وغیرہ داخل مدرسہ ہونے لگے۔ مولوی شیخ احمد صاحب و مولوی محمد صدیق صاحب ہر دو برادر جو بعدازاں ترقی کر کے مخاطب بہ رفعت یار جنگ بہادر و عماد جنگ بہادر ہوئے اسی مدرسے کے طالب علم تھے۔

جب مکرم الدولہ بہادر شریک مدرسہ ہوئے تو مولوی شیخ احمد صاحب بہادر کو سبق یاد دلانے لگے اور رابطہ بہم پہنچایا اور وہ باعث ملازمت و ترقی صاحب موصوف کا ہوا۔ پھر بتدریج خطاب و عہدۂ جلیلہ صوبہ داری سے سرفراز ہوئے۔

بیان لباس وغیرہ قدما و نواب صاحب مغفور

اس کو ناظرین غالبًا بے ضرورت جانیں گے کیونکہ ہنوز وہ اوضاع قدما بالکل مفقود نہیں ہوئے ہیں مگر جب بالکل نہ رہیں گے اور ڈھونڈے سے نہ ملیں گے تو طبقۂ آیندہ کے لوگ ان اوضاع قدما کو جو مولف بیان کرنا چاہتا ہے غنیمت جان کر بکمال اشتیاق دیکھیں گے۔ بیان مذکور اگرچہ انتظام سے تعلق نہیں رکھتا ہے مگر زمانہ سابق کے حالات سے اور نواب صاحب مغفور سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ضمنًا بیان کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ زمانہ عالمگیر بادشاہ کے روسا و امراے ہند کی تصاویر سے جن میں شیر جنگ بہادر و غیور جنگ بہادر اجداد نواب صاحب مغفور بھی تھے ظاہر ہے کہ بینی دستار کی اونچی یعنی ابھری ہوئی ہوتی تھی اور دیوار بڑی۔ بوٹیدار پارچہ کی دستار اکثر ہوتی تھی۔ بعض سفید بھی۔ وہ دستار سر پر رکھنے کے بعد چند پیچ علٰحدہ پارچے زرّین قور وغیرہ اس دستار پر باندھتے تھے اور وہ پیچ بینی دستار کے اوپر سے یعنی بینی کو نمایاں رکھ کر عقب گوش پر سے بعض نصف گوش و گردن پر سے کسے جاتے تھے اور اس کا سرا بعض دستاروں کی بینی پر قایم ہو کر مانند گردن کے نمایاں رہتا تھا۔

چنانچہ تصاویر شیر جنگ بہادر و غیور جنگ بہادر سے ظاہر ہے۔ ان پیچوں کو گوشی پیچ کہتے تھے۔ بعض کی دستار و گوشی پیچ سفید وغیرہ ہم رنگ بھی ہوتے تھے۔ بعض کی دستار و گوشی پیچ ہر دو زرین ہوتے تھے۔ بہرحال اس زمانے میں گوشی پیچ کا عموماً رواج تھا اور بعض صاحبوں کا قول ہے کہ یہ گوشی پیچ بھی منجملہ عطایائے شاہی تھا لیکن مولف نے اس عہد کے عام و خاص جملہ تصاویر کی دستاروں پر گوشی پیچ دیکھے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اس کا رواج ہی تھا۔ بہرحال اس گوشی پیچ سے مقصود حفاظت دستار تھا کہ گھوڑے کی سواری وغیرہ کی تکان سے دستار گر نہ جائے کیونکہ وہ زمانہ اکثر جنگ و جدل کا تھا۔ نیز تصویر مذکور سے ہویدا ہے کہ اس زمانے کا لباس معزز زرین قلم کاری یا شالی یا ہمرو وغیرہ کا مانند قبائے عربی جس کو قبائے حسنی کہتے ہیں تھا مگر گھیر دار۔ اس کا بر مانند جامے کے داہنا بائیں طرف اور بایاں داہنے جانب آتا تھا۔ آستینیں ایک دوخت کی جسم کے برابر۔ اس کے بند رنگین وغیرہ دراز گاؤ دم آویزاں مانند بند جامہ کے ہوتے تھے۔ غالباً یہ قبا وہی ہے جو یہاں کے روسا بھی سابق میں پہنتے تھے اور اس کو دہتو کہتے تھے۔ کمر بنارسی وغیرہ زرین پٹکہ سے باندھی جاتی تھی جس کے دونوں سرے گرہ دینے کے بعد آویزاں رہتے تھے جیسا کہ نواب صاحب مغفور کے خاندان میں لباس درباری پر اب تک بھی اس کا رواج ہے۔ نیز اس زمانے کے تصاویر سے پیدا ہے کہ کمر میں کٹار یا قرول وغیرہ ضرور لگی رہتی تھی اور اس پر تلوار بھی ضرور رکھتے تھے۔ پاجامہ عموماً مشروع

وغیرہ کے رنگین ہوتے تھے۔ مولف نے صغیر سنی میں ایک بزرگ میر اصغر علی نامی کو جو سید تھے سپاہی سادات بارہ میں کے تھے دیکھا ہے اور خوب یاد ہے کہ وہ سبز مشروع کا پاجامہ پہنتے تھے۔ زمرۂ انبیاز بان نظم جمعیت میں ملازم اور اسی محلّہ دارالشفا میں مقیم تھے ان کے فرزند معروف بہ مہدی صاحب گریباں چاک دس بارہ سال کے قبل تک زندہ تھے۔

الحاصل زمانہ مذکور بالا میں یعنی عہد عالمگیر پادشاہ میں ادنی لوگ بھی سلائید اچھیٹ وغیرہ کے رنگین پاجامے پہنتے تھے جوتی عموماً بغیر ایڑی کے بوضع سلیپر زمانۂ حال مستعمل تھے۔

فی الحال نواب صاحب مغفور کی خاندانی دستار جو کھڑکی دار کہلاتی ہے ہمیشہ سفید ہوتی تھی مگر اتفاقاً کبھی اپنے ولی نعمت کی تقاریب خوشی میں گلابی وغیرہ دستار سر پر رکھتے تھے۔ مانند اپنے چچا سراج الملک مرحوم کے نواب صاحب مغفور بھی اپنی دستار آپ باندھ لیتے تھے بغیر کلف کے خشک دستار ہوتی تھی۔ پانی سے بھگوتے نہ تھے جیسا کہ دستار باندھنے والوں کا عموماً دستور ہے۔ اسی وجہ سے مغفور کی دستار سر سے اُتارتے ہی ٹوٹ جاتی تھی۔ اور ہر وقت ضرورت مجدّداً دستار باندھنا پڑتا تھا۔ بنی اس کی حسب دستور قدیم ہوتی تھی مگر دیوار زیادہ بلند نہیں چنانچہ مغفور کی تصویروں سے ظاہر ہے۔ نیز عماد السلطنتہ مرحوم کی تصویر سے پیدا ہے کہ ان کی دستار بھی ویسی ہی تھی۔ جیسی کہ اونچی بنی کی عموماً مروجہ فی الحال ہوتی ہے ایسی نہ تھی۔

زمانۂ سابق میں اہل حیدرآباد دکن کی دستاریں انواع و اقسام کی تھیں

کھڑکی دار۔ پیٹھا۔ شاہ نواز خانی۔ سبحان خانی منصبداری جوڑی دار وغیرہ ہر ایک امیر و شریف اپنے خاندان کی دستار سر پر رکھتا تھا اور اس دستار سے پہچانا جاتا تھا کہ فلاں خاندان کا ہے۔ دوسرے خاندان کی دستار سر پر رکھنا معیوب تھا۔

دستار بند کے ہاتھ سے دستار بہت کم بندھوائے تھے اکثر اپنے ہی ہاتھ سے باندھ لیتے تھے حتیٰ امرا بھی۔ اور یہ قول تھا کہ دستار بند کی محتاجی اچھی نہیں۔ اگر بروقت ضرورت دستار بند نہ ملے تو کیا ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر اب تک بھی دستور ہے کہ شادی میں عروس کے گھر سے نوشاہ کے واسطے دستار جو آتی تو اسکے ساتھ دستار باندھنے کا سامان بھی رہتا ہے یعنی نقرئی آئینہ۔ سلائی کٹوری کنگھی نما پانی کے لئے ضرور ہوتی ہے۔ سلائی مانند چھری کے چپٹی ہوتی ہے اس سے دستار کے پیچ صاف کرتے ہیں۔

مولف کو خوب یاد ہے کہ تقریباً ۱۲۹۵ھ کے قبل بعض اہل ہند نے جو ہم محلہ مولف تھے دستار بند سے لکھنوی چوگوشیہ ٹوپی کے مانند اونچی دستار بند ہوائی اس کو دیکھ کر دوسرے بھی ویسی ہی بندھوانے لگے تا آنکہ نیر الملک بہادر ثالث معین المہام مرحوم فرزند خورد نواب صاحب مغفور نے ایک طرز نکالی یعنی سطح دستار کو قدرے پست کر کے پیشانی کو مانند محراب کے بلند قرار دیا اور دیوار پس گردن اس قدر بڑھائی کہ نصف گردن اس میں پوشیدہ ہوئی۔ اس طرز کا بھی رواج ہوا اور نام اس کا معین المہامی دستار قرار پایا ورنہ معین المہام موصوف کی دستار بھی ابتداءً مانند دستار عماد السلطنۃ تھی۔

المختصر رفتہ رفتہ تمام حیدرآباد میں کیا اعلیٰ و کیا اوسط و کیا ادنیٰ اور ہر خاندان میں اونچی دستار کا رواج ہو گیا۔ وضع قدیم پر نہ رہی۔ اصل یہ ہے کہ اونچی دستار یا اونچی ٹوپی یا بڑا شملہ سر پر رکھنے کے بعد چھوٹی دستار یا چھوٹا شملہ سر پر رکھا جائے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ جنھوں نے اپنی قدیم وضع کی دستار کو باقی رکھا ہے ان کے سر پر وہی دستار اچھی معلوم ہوتی ہے۔

بہرام الملک مرحوم کی خاندانی دستار پر کلابتونی توڑہ کے تین پیچ متصل رہتے ہیں نواب صاحب مغفور کے چھوٹے داماد نواب بہرام الدولہ بہادر اسی خاندان کے ہیں۔ نواب رکن الملک خان دوران بہادر کی خاندانی دستار پر بھی کلابتونی توڑے کے پیچ ہوتے ہیں مگر بینی دستار پر ان پیچوں میں قلغی رہتی ہے۔ بہادر موصوف ہم جد ہیں میر موسیٰ خاں رکن الدولہ مرحوم کے۔ ان توڑوں کی نسبت بعض عطیہ شاہی سمجھتے ہیں لیکن مولف کا خیال یہ ہے کہ سابق زمانے میں جنگ و جدل اکثر رہتا تھا اس لئے فولادی زنجیر کے چند پیچ سر کے بچاؤ کے لئے دستار پر لپیٹتے تھے یا آنکہ فولادی زنجیر پر کلابتوں لپیٹ کر دستار پر قایم کرتے تھے اور اس کو اپنا تمغہ قرار دیا تھا۔ جب وہ زمانہ شمشیر زنی کا باقی نہ رہا اور وہ لوگ بھی نہ رہے تو ان کی اولاد نے فولادی زنجیر کو ترک کر کے صرف کلابتونی توڑا بطرز بزرگانِ خود دستار پر باقی رکھا ہے۔

نواب سرتاج جنگ بہادر خلف محبوب یار جنگ ناظم الملک بہادر مرحوم

کی خاندانی دستار پر بھی کلابتونی توڑا لپٹا جاتا ہے بطور چوخانہ۔ چونکہ بہادر موصوف
نواب صاحب مغفور سے پشتینی توسل خاص رکھتے ہیں لہذا لازم ہے کہ تھوڑا سا
حال بہادر موصوف کا بھی بقدر علم بیان کیا جائے۔ واضح ہو کہ نواب سرتاج جنگ
بہادر کے پردادا یعنی میر چراغ علی خاں مرحوم منصب دار و معززین ریاست سے
اور وابستۂ خاندان نواب صاحب مغفور تھے۔ دستور خاندان مغفور یہ رہا ہے کہ
جب کوئی فرزند متولد ہو تو اس کو پہلے پہل کسی عابدہ و زاہدہ سیدانی کا دودھ تبرکاً
تیمناً پلایا جاتا ہے۔ جس وقت نواب صاحب مغفور متولد ہوئے تو بناءً علیہ
میر چراغ علی خاں موصوف کی بیوی کا دودھ جو انہیں صفات سے متصفہ تھیں
پہلے پہل پلایا گیا فلہذا توسل خان موصوف کا اس خاندان عالی سے بڑھ گیا اور
مستوجب مزید عنایات ہو گئے چنانچہ فرزند میر چراغ علی خاں کے میر تہور علی خاں
مختار جنگ جلال الدولہ مرحوم جو ہمشیر برادر رضائی نواب صاحب مغفور کے تھے
جن کا سنہ ولادت پنجم صفر ۱۲۸۴ھ تھا باہم پرورش ہوئے اور نواب صاحب
مغفور کے کوکا کہلانے لگے اور ان کے امور پرورش وعیدین منت مراویں شادی بیاہ
وغیرہ جملہ ابواب کی کفیل بھی سرکار فیض آثار رہی۔ جب سن شعور کو پہنچے نواب صاحب
مغفور نے معاش منصب سے سرفراز اور شاہی فیل خانے کی داروغگی سے ممتاز
فرمایا۔ دربار و دعوت تقاریب وسفر و حضر میں اپنی ہمراہی کا افتخار بخشا۔ ۱۳۰۱ھ
میں خطاب مختار جنگ اور ۱۳۱۰ھ میں جلال الدولہ بہادر پایا اور بتاریخ ۴ محرم ۱۳۱۹ھ

مرحوم ہوئے۔ ان کے فرزند میر ریاضت علی خاں محبوب یار جنگ بہادر بتاریخ ۹ ماہ جمادی اوّل ۱۲۶۹ھ متولد ہوئے تو ان کی بھی پرورش یہیں سے ہونے لگی بلکہ ان کے لئے ناز و نعم زیادہ رہے کیونکہ ان کے وقت میں خود نواب صاحب مغفور سا مختار کارخانہ و مدارالمہام سلطنت پرورش فرما و نازبردار تھا۔ مانند اپنے بچوں کے تعلیم و تربیت فرمائی۔ محل نواب صاحب مغفور کو ان سے پردہ نہ تھا۔ لائق بنا کر غفران مکان کی خدمت میں منفرر فرمایا جس کے باعث بعد ازاں ایڈی کانگ اور مورد عنایات غفران مکاں ہوئے اور تکیخانہ و تعمیرات وغیرہ خدمات علاقہ صرفخاص و خطاب محبوب یار جنگ ناظم الدولہ ناظم الملک بہادر سے سرفراز رہ کر دوم ماہ شوال ۱۳۲۵ھ میں رحلت کی۔ ان کے بعد ان کے فرزند لائق و نیک الطبع کریم النفّس نواب سرتاج جنگ بہادر جن کا سنہ میلاد ۱۳۰۳ھ ۱۴ ماہ صفر شب جمعہ ہے خدمات پدری سے بمراحم شاہی منصرمانہ سرفراز و کارگزار ہیں بس فی الحال اس قدر کافی ہے۔ اب اس بیان دستار وغیرہ ملبوس قدما کو پورا کرنا لازم ہے جو باقی رہ گیا ہے۔ واضح ہو کہ عہد وزارت سراج الملک بہادر میں طالب الدولہ بہادر کو تول اور ان کے بھائی غالب الدولہ بہادر و فیض مآب الدولہ بہادر ایرانی نژاد تھے اس لئے زرین فوردار عمامہ سر پر رکھتے تھے جیسا کہ میرزا علی محمد خاں معتمد الدولہ بہادر مرحوم کے خاندان میں چھوٹے آغا مخاطب بہ معتمد جنگ بہادر مرحوم تک رواج رہا۔ کسی خاندان کی دستار کو اختیار کرنا اس زمانے میں

سخت عیب تھا اسی وجہ سے ہر سہ برادران موصوف مرحوم نے عمامۂ مذکور کو اختیار کیا تھا حالانکہ کوتوال اور امیر صاحب جاگیر تھے دستار سر پر رکھتے تو ممکن تھا۔ نیز نور الامرا بہادر نے جو سامانہ سے یہاں آکر درجہ امارت کو پہنچے تھے وہی دستار امرا و شرفاے دہلی کو اختیار کیا تھا۔ یہاں کی کسی دستار کو سر پر نہ رکھا۔ چنانچہ ان کے پوتے پروتوں میں اب تک وہی دستار مروّج ہے۔

بیان لباس خاندان امیر کبیر بہادر از روئے تصاویر جو دولت سرائے نواب سالار جنگ بہادر میں موجود ہیں۔ شمس الامرا بہادر کلاں کی سفید دستار جس کی بنی پست قدیم منصبداروں کی طرح تھی۔ قبا پہنتے تھے آستین ایک دوخت کی ڈھیلی مگر سرا آستین کا تنگ۔ گنڈیاں نہیں بلکہ اندر ہک ٹکے ہوئے۔ ہاتھوں میں زمرد کی سمرنیں۔ عمدۃ الملک بہادر عرف منجھلے میاں۔ رشید الدین خاں بہادر وقار الامرا کی سفید دستار بنی پشت دیوار عقب بلند۔ ان کے خاندان میں درباری لباس جامہ یا ہمرو وغیرہ کا ڈگلا اور گلے میں زمرد کی تسبیح ہاتھوں میں سمرنیں۔

نواب صاحب مغفور حسب طریقہ خاندان اپنے قیام گاہ میں کارچوبی نوکدار ٹوپی پہنتے تھے۔ لیکن مرشد زادوں کی ٹوپی سے کہ وہ ایسی ہی ہوتی ہے علٰحدہ ہونے کے لئے اپنی ٹوپی کی نوک میں شکن ڈال کر قدرے جھکا لیتے تھے۔ اور تادم رحلت وہی ٹوپی کارچوبی پہنتے رہے۔ دراصل یہ ٹوپی قدیم وضع ایرانی ہے

اور شکن ڈالنا بھی وہیں کا طرز ہے۔ لیکن وہ اس سے اونچی اور شنال وغیرہ پشمینے کی ہوتی تھی مانند یہاں کے کارچوبی نہیں۔

نواب صاحب مغفور ہر گاہ شکار یا سفر وغیرہ میں گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور دھوپ ہوتی تھی تو پیشانی اور آنکھیں دھوپ سے محفوظ رہنے کے لئے حسب طریقۂ اہل ایران یعنی دستار پر یعنی پیشانی پر قنات باندھ لیتے تھے مگر سایہ کے واسطے کبھی انگریزی ٹوپی سر پر نہ رکھی۔ قنات سیاہ بانات و مقوہ وغیرہ کسی دبیز چیز کا ہلال ہوتا ہے اس کے گوشوں میں دو ڈوریاں ہوتی ہیں۔ اس ہلال کو پیشانی پر کھڑا رکھ کر اس کی ڈوریاں پس سر باہم باندھ لیتے ہیں تو اس ہلال کا سایہ پیشانی اور آنکھوں پر پڑتا ہے۔ اگر آفتاب سر پر ہوتا ہے تو تمام چہرہ بھی اس ہلال کے سایہ میں رہ سکتا ہے۔

عموماً شرفا دربار شاہی میں یا امرا کے پاس یا کسی دعوت وغیرہ میں جانے کے وقت دستار سر پر رکھتے تھے ورنہ شملہ یا ٹوپی سنجافی قطع کی جس کو اہل ایران عرقچین کہتے ہیں۔ یا تاج اپنے گھر میں پہنتے تھے۔ کہیں باہر ٹوپی سے نہیں جاتے تھے تاج مشابہ ہوتی ہے لکھنو کی دو پلڑی ٹوپی سے مگر دو پلڑی چھوٹی ہوتی ہے سالم سر کی نہیں ہوتی اور تاج سالم سر کی ہوتی ہے۔

تمام لباس میں دستار کی عزت زیادہ تھی۔ اگر سر پر سے یا کھونٹی پر سے اتفاقاً دستار گر پڑتی تو اس کو گیہوں کے ساتھ ترازو میں تول لیتے تھے۔

اور گیہوں کسی محتاج کو دے دیتے تھے۔ جب تک ٹولی نہ جاتی اس دستار کو سر پر نہیں رکھتے تھے۔

قبل مدارالمہامی مغفور اوّل یہاں رومی ٹوپی فقط چند رومیوں کے سر پر نظر آتی تھی۔ ان کے سوائے کوئی نہیں پہنتا تھا۔ اور نہ ایرانی ٹوپی مروجہ حال کا کہیں پتہ تھا۔

دیوار کی تفوہ دار ٹوپی جو اس زمانے میں رواج پائی ہے۔ یہ ٹوپی سابق زمانے میں صرف کم سن لڑکیوں کو پہناتے تھے۔

نواب صاحب مغفور کا نیز دوسرے امرا و شرفا و اہل منصب کا لباس درباری جامہ کے سوائے قبا و کیانی بھی تھی۔ وہ بھی مانند جامہ کے لانبی ٹخنے تک جامہ کے نیچے نیمہ پہننا لازمی تھا۔ نیمہ کی قطع بھی مانند جامہ کے ہوتی ہے لیکن اس کا گھیر مثل جامہ کے زیادہ نہیں ہوتا ہے اور لانبان بھی جامہ سے کسی قدر کم ہوتی ہے۔ آستین ایک دوخت کی سیدھی۔ دو دوخت کی جیسی کہ اب مروّج ہے اس کو جانتے ہی نہ تھے۔ اور نہ کوئی خیاط یہاں کا تیس[۳] برس کے قبل تک بھی قبا کی ایسی قطع و برید جانتا تھا۔ نیز قدیم امرا سوائے دربار کے خالی اوقات میں بھی دُہتو پہنتے تھے جو کہ مانند قبا کی تھی مگر اس کا بر مانند جامہ کے ایک پر ایک آتا تھا۔ اور اس کے بند بھی مثل جامہ کے ہوتے تھے۔ جس کا ذکر لباس عہد عالمگیر پادشاہ میں کیا گیا ہے۔ نیز چہلواری

جگزانی۔ململ۔سیلا۔ ڈوریہ۔ آغابانی۔کنچی وغیرہ کا گھیردار انگرکھہ پہنتے تھے چنانچہ **نواب صاحب مغفور** بھی کم گھیر کا انگرکھہ عہد شباب میں پہنتے تھے۔ اواخر زمانے میں قبا کے نیچے پہنتے تھے۔بعض لوگ باریک انگرکھے کے نیچے کرتہ بھی پہنتے تھے۔خصوصاً بانکے اور ورزشی جوان باریک انگرکھے کے نیچے آغابانی یا ڈوریہ یا کشیدہ وغیرہ کے کرتے پہنتے تھے۔ ایسوں کے انگرکھے زیادہ گھیردار اور ٹخنے تک لانبے ہوتے تھے۔**چوبغلہ** یعنی ہندوستانی انگرکھہ بھی شاذونادر پہنا جاتا تھا۔چنانچہ **نواب صاحب مغفور** نے بھی گاہے پہنا ہے۔

سابق زمانے میں یہاں موسم سرما میں قلمکار یا کوئی اور چھینٹ وغیرہ کا انگرکھہ استردار اندر روئی دیا ہوا پہنا جاتا تھا اس کو ڈگلا کہتے تھے۔سوائے بنات کے یہ ٹویٹ وغیرہ اونی پارچے جو فی زمانہ انواع واقسام کے مستعمل و مروّج ہیں پچاس برس کے قبل ان کے نام سے کوئی واقف نہ تھا۔

نواب صاحب مغفور اوایل عمر میں نیز دیگر امرا و اہل مقدرت موسم سرما میں صوفیانی شال بوٹیدار کا یا حسن قلیچخانی کا ڈگلا پہنتے تھے۔جامہ وار انواع واقسام کے جو فی الحال یہاں مستعمل ہیں ایسے اس زمانے میں نہ تھے۔

اس زمانے کی قبا جس کو شیروانی کہتے ہیں اور وہ دربار شاہی میں پہن کر جاتے ہیں۔اتنی اونچی قبا کو قدیم لوگ یعنی تیس ۳۰ چالیس ۴۰ برس کے قبل تک بھی قبا نہیں کہتے تھے بلکہ کفچہ کہتے تھے جس کی آستینیں ایک دوخت کی اور قطع اس کی

بطرزِ قدیم تھی۔ موسم سرما میں بنات وغیرہ کا صرف اپنے گھر میں پہنتے تھے۔ یعنی اتنا اونچا لباس کہ زانو تک پاؤں نظر آئیں اس کو پہن کر کہیں باہر جانا خلافِ تہذیب جانتے تھے۔ اگر باہر پہنتے بھی تو انگرکھے کے اوپر۔

نواب صاحب مغفور اتنی اونچی قبا گھوڑے کی سواری کے وقت پہنتے تھے۔ نیز حسب دستور بزرگانِ خود دربار جانے کے وقت جامہ پہن کر سفید بنارسی پٹکہ جس کا متن سادہ تو رتلو زرین ہوتا ہے کمر پر باندھتے تھے اور اس کے دونوں شملہ گرہ دینے کے بعد سامنے آویزاں رہتے تھے۔ اس ٹپکہ پر کلابتو پرتلا بھی لپٹا جاتا تھا جس میں تلوار رکھنے کا ایکّا نصب رہتا تھا۔ اس ایکے میں بوقت سواری اسپ تلوار رکھتے ہیں ورنہ تلوار ہاتھ میں رہتی۔ اور حسب دستور قدیم کمر میں ایک قرول یشب یا بلوری وغیرہ دستے کے لگاتے تھے۔

قدیم زمانے میں روسا وغیرہ اکثر بطریق دکھنیاں تلوار سیدھی اور لانبی رکھتے تھے۔ اس کا قبضہ پرچدار ہوتا تھا یعنی بینی اس کی چوڑی انگلیوں کے بچاؤ کی غرض سے ہوتی تھی۔ اس قبضہ میں تلوار کا پھل آہنی کیلوں سے جڑا جاتا تھا۔ ایسی تلوار کو دہوپ کہتے ہیں۔ بروزن ثوبؔ چونکہ اہل دکن میں بنوٹ یعنی فن شمشیر کا کمال رواج تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس فن شریف کے اہل دکن موجد و ماہر تھے۔ مولف نے اپنے استاد مرحوم سے سنا ہے کہ کسی زمانے میں اس فن کے ایک استاد محمد رسول صاحب نامی دکن سے ہندوستان گئے تھے

نوان سے وہاں کے بعض لوگوں نے یہ فن کسی قدر حاصل کیا تھا۔ المختصر اس فن کے لئے سیدھی تلوار مناسب ہے اس لئے اکثر اہل دکن سیدھی تلوار رکھتے تھے اور جنگ وجدال اکثر واقع ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ان کی تلواریں بلحاظ مضبوطی آہنی کیلوں سے قبضوں میں جڑی جاتی تھیں لاک سے قبضہ میں تلوار جڑنے کو وہ تجربہ کار لوگ ناپسند کرتے تھے کہ اس کا اعتبار نہیں عین شمشیر زنی میں تلوار قبضے سے علحدہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس زمانے کی تلواریں جو فی الحال اورنگ زیبی وغیرہ قبضوں میں جڑی ہوئی ہیں ان میں قریب دنبالہ کیلوں کے سوراخ نمایاں ہیں اگرچہ چاندی وغیرہ سے وہ سوراخ بھر دیے گئے ہیں۔

قدیم دکھنیوں کی ایسی ہی سیدھی لانبی ایک اور تلوار ہوتی ہے جس میں بجائے قبضہ کہنی تک آہنی دستانہ نصب رہتا ہے۔ اس کی گرفت مانند کٹار کے ہوتی ہے۔ ایسی تلوار کو پَٹا کہتے ہیں۔ اس کے پھل کو اکثر پیٹ نہیں ہوتی بلکہ ہر دو طرف دھار ہوتی ہے جس کو سَیف کہتے ہیں۔ نیز ایک اور سیدھی تلوار ہوتی ہے جس کا سر نوکدار نہیں ہوتا بلکہ چپٹا اور مدوّر و تیز ہوتا ہے۔ قبضہ اس کا مانند دھوپ کے ہوتا ہے۔ ایسی تلوار کو کھانڈا کہتے ہیں۔ اس کا استعمال اکثر مرہٹوں میں تھا۔

فی الحال یہاں کے امرا و شرفا وغیرہ ثقہ لوگ سیدھی تلوار بہت کم باندھتے ہیں۔ اگرچہ عموماً تلوار کو بیکار تصور فرماتے ہیں۔ مگر دربار وغیرہ میں گاہے

بطور زیبائش یا بلحاظ لازمۂ دربار ہاتھ میں رکھتے ہیں تو خمدار از قسم مغرب یا حلب یا جُنب یا مصری یا صراحی یا بَرَہ وغیرہ آہنی جس کو اصیل کہتے ہیں ۔ یا عباسی یا خراسانی یا اصفہانی یا قزوینی یا شیرازی وغیرہ جو کہ فولادی جوہر دار ہوتی ہے ۔ ان میں جس کو ہیلا ہو اوسکو غدّارہ کہتے ہیں ۔ ان جملہ تلواروں کے قبضے اور نگ زیبی ۔ حکیم خانی ۔ سیف خانی ہوتے ہیں جن پر اکثر طلائی تہ نشان یا زر نشان یا مُنبّت یا کُوفت یا کارِ غلامان ہوتا ہے ۔

ان کاموں کے جب نام بتلائے گئے ہیں تو لازم ہے کہ ہر ایک کام کی کچھ کیفیت بھی بیان کی جائے ۔

واضح ہو کہ لوہے کے قبضے پر بیل بوٹے کندہ کر کے طلائی تار جو بٹھاتے ہیں وہ تہ نشان ہے ۔ طلائی باریک کام جو مُنبّت (ابھرا ہوا) ہوتا ہے اس کو زر نشان کہتے ہیں ۔ جس قبضہ پر تہ نشان و زر نشان ہر دو قسم کا کام ہو اس کو دو کارہ کہتے ہیں ۔ طلائی یا نقرئی وغیرہ بیل بوٹے ابھرے ہوئے بڑے بڑے ہوں تو وہ مُنبّت کہلاتا ہے ۔ ورق طلائی یا نقرئی سے جو بیل بوٹے کا کام ہوتا ہے وہ کوفت ہے طلائی یا نقرئی ملمع کر کے اس پر بیل بوٹے کے لئے زمین جو خالی کرتے ہیں یعنی سیادہ بیل بوٹے ہوتے ہیں تو اس کو تہ طلا یا تہ نقرہ کہتے ہیں جس کے بیل بوٹے میں طلا و نقرہ اور تانبا بھی شریک ہوتا ہے اس کو کار غلامان کہتے ہیں بعض قبضوں پر صرف طلائی یا نقرئی ملمع ہوتا ہے سادہ یعنی کوئی

بیل یا بوٹہ نہیں ہوتا ہے اس کو ملمّع کار کہتے ہیں۔

الحاصل قبضہ ہائے مذکور بنی دار بھی اور بغیر بنی کے بھی ہوتے ہیں جن میں تلوار کے بیل لاک سے جڑتے ہیں۔ نواب صاحب مغفور بھی اسی قسم کی تلوار حسب رواجِ زمانہ دربار شاہی میں رکھتے تھے۔ جمعداران و سپاہ پیشہ دربار جانے کے وقت عموماً انگرکھا پہن کر کمر پر بڑا پٹکا باندھتے تھے اور اس میں پیش قبض کٹار تنیچے وغیرہ لگاتے تھے اور کلابتونی یا چرمی پٹا جس کو علی بند کہتے ہیں حمایل کرتے تھے جس میں تلوار کا بکّا اور اس میں تلوار پڑی رہتی تھی۔ پشت پر بڑی سپر لگی ہوئی رہتی تھی۔ سابق زمانے میں علی بند حمایل کرنا روسا و امرا کا بھی عموماً دستور تھا۔

رسالداروں اور جمعداروں کی دستاریں یا نیں پیچی پگڑیاں مختلف وضع کی تھیں اور ہنوز ہیں۔ پٹکا چھوٹا ہو یا بڑا کمر پر باندھنا عموماً دستور دربار تھا۔ جیسا کہ اس زمانے میں فقط لنگوس کمر پر لگا لینا اعلیٰ و ادنیٰ سب نے اختیار کیا ہے سابق زمانے میں ایسا جائز نہ تھا۔ سابق زمانے میں عموماً جامہ و قبا وغیرہ کے اوپر موسم سرما وغیرہ میں دوشالہ یا شالی رومال اوڑھتے تھے۔ غیر موسم سرما میں بنارسی یا ناندیڑی یا سادہ سفید رومال باریک اوڑھتے تھے۔ چنانچہ خاندان لالہ بہادر میں ہنوز اس کا رواج ہے۔

دوشالہ مستطیل شالی دو چادروں کا ہوتا ہے رومال شالی وغیرہ مربع ہوتا ہے اور ثلث تہہ کر کے اوڑھتے ہیں۔ انگرکھا پہن کر بغیر رومالی کا جوڑا یا

فرد کاندھے پر ڈالے کے عموماً باہر نکلتے نہ تھے۔ یہ رومال جوڑا چار یا پانچ ہاتھ کا طول اور دو ڈھائی ہاتھ کا عرض سوتی سُرخ سیاہ وغیرہ جو خانہ انواع واقسام اسی ملک کے تعلقات ہیں یعنی دیورکنڈہ۔ چریال۔ نلگنڈہ۔ وغیرہ میں بُنا جاتا ہے۔

نواب صاحب مغفور نے سوائے پیرہن کے انگریزی قمیص کبھی نہیں پہنا۔ اور پاجامہ چہلواری کا دوہرا محرابی قطع کا بغیر کلیوں کے اپنے قیام گاہ وغیرہ میں اکثر پہنتے تھے۔ رزیڈنسی یا اور کہیں باہر جانا ہو تو فلالین وغیرہ کا پتلون نما پاجامہ بھی پہنتے تھے جس کو مغلائی ازار بند ہوتا تھا۔ جامے کے ساتھ جو پاجامہ پہنا جاتا ہے اس کو تنبان کہتے ہیں۔ مشروع یا بنارسی گلبدن کا اکھیرا ہوتا ہے۔ ہر پائچہ تقریباً آدھے وار عرض کا چنانچہ نواب صاحب مغفور بھی جامے کے ساتھ تنبان پہنتے تھے۔ تنبان سے کسی قدر چھوٹے پائچوں کا پاجامہ یعنی ہر پائچہ تقریباً ایک فٹ عرض کا جو ہوتا ہے اس کو فیلپایہ کہتے ہیں۔ چہلواری کا یا سلائیدار کسی بھی پارچہ کا اکھیرا ہوتا ہے۔ سابق زمانے کے مرشد زادے وغیرہ ثقہ لوگ پہنتے تھے۔ اس سے ذرا کم پائچوں کا سفید پاجامہ مگر اونچا یعنی ٹخنے تک شرعی کہلاتا ہے۔ ایسا پاجامہ زاہد و عابد متشرع پہنتے تھے۔ نیز چہلواری کا دوہرا پاجامہ جس کو گرگی کہتے تھے عام طور پر مستعمل تھا۔ چوڑیدار پاجامہ اریب کا اعلیٰ و ادنیٰ کوئی نہیں پہنتا تھا۔ ہندوستان کے گویوں کا لباس ہے کہتے تھے۔

پاتابہ پہننے کا سابق زمانے میں دستور تھا نہ پاتابے ہر ایک کو دستیاب ہوتے تھے۔ بعض اہلِ مقدرت کو ایرانی وغیرہ پاتابے میسر ہوتے تھے تو موسم سرما میں فقط اپنے قیام گاہ میں پہن لیتے تھے دربار میں پہن کر نہیں جاتے تھے۔

نواب صاحب مغفور سُرخ نری کا دیسی جوتا چونچ دار پہنتے تھے۔ اس کا سر خمیدہ نہیں ہوتا تھا۔ ایڑی پست اور اندر سُرخ مخمل منڈھا ہوا۔ دربار میں بھی وہی جوتا پہن کر جاتے تھے عموماً ثقہ لوگ ملکی سرخ نری کا جوتہ جس کو آپا شاہی کہتے ہیں پہنتے تھے۔ خواہ اپنے گھر میں خواہ دربار میں وہی ایک قسم کا جوتا تھا۔

گھوڑے کی سواری کے لئے چرمی موزے زانو تک پہنتے تھے۔

جوان اور بانکے لوگ زیرپائی زرد یا سرخ وغیرہ مخمل کی یا کمخواب یا کمخت کی یا کارچوبی کام کی یا سادی سرخ نری کی پہنتے تھے۔ زیرپائی کی ایڑی میں نعل ہوتی ہے اور اس کا سر نہایت خمیدہ ہوتا ہے۔ پہنو تو پاؤں کی انگلیاں فقط اس میں جاتی ہیں اور نصف سے زیادہ ایڑی باہر رہتی ہے۔

اس زمانے کا زنانی جوتا عموماً سرخ نری کا یا مخمل کا یا کارچوبی وغیرہ مثل آپا شاہی کے تھا مگر اس کا سر آپا شاہی سے زیادہ اونچا اور خمیدہ۔ ایڑی بھی اونچی۔ ایسا ہی زنانی جوتا کارچوبی کام کا جلوہ کے روز نوشاہ بھی عموماً پہنتے تھے۔ انگریزی جوتا بوٹس یا پمشوز وغیرہ پہننا تو گویا کفر تھا۔

یہ سلیم شاہی وغیرہ ہندوستان کا جوتا بھی ثقہ لوگوں کے نزدیک معیوب تھا چھنے والوں کا جوتا ہے کہتے تھے۔ ہندووں کے جوتے عموماً سرخ نری کے دیہات کے بنے ہوے اور سرخ ریشم کا کام نچوں پر ہوتا تھا۔

اہل اسلام اعلیٰ و اوسط اپنے بچوں کو اقلاً دو تین سال تک سفید پاجامہ پہنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مشروع یا اطلس یا سرخ مدرہ وغیرہ کی حسب مقدرت رنگین تنبان پہناتے تھے۔

مصالح کناری گوٹہ ٹانک کر رنگین تاج یا گول ٹوپی یعنی عرقچین یا کان ٹوپی اطلس و کمخواب وغیرہ کی حسب استطاعت پہناتے تھے۔

سابق زمانے میں یہاں کے مستورات شرفا انگیا یا چولی ململ کی پہننے تھے۔ جالی پہننا معیوب جانتے تھے۔ اگر پہننے بھی تھے تو استر ململ وغیرہ کا دے کر اور کرتی کوتاہ یعنی کمر سے کچھ نیچے۔ شادی وغیرہ تقاریب میں یہ پشواز پہنتے تھے۔ شوہر دار رنگین اور بیوہ سفید۔ اوڑھنی سر پر سے سرکنے نہیں دیتے تھے یعنی کھلے سر رہنا ممنوع و معیوب جانتے تھے۔

ادنیٰ درجہ والوں کا لباس علحدہ تھا۔ شاہ گرد پیشہ و فراش و اہل حرفہ وغیرہ جملہ انگرکھا ہلکے کپڑے کا پہنتے تھے اور پگڑی نین پیچی یا کوئی اور وضع کی سرخ وغیرہ رنگین۔ پٹکا یا رومال سے کمر بندھی ہوئی۔ لیکن وستار و قبا سوائے شرفا کے دوسرا کوئی ہرگز نہیں پہن سکتا تھا اگرچہ مال دار ہوتا چنانچہ کوئی

شریف و نثار تو کجا اپنی کہنہ قبا بھی کسی شاگرد پیشہ وغیرہ کو عطا نہیں کرتا تھا کہ ہمارا لباس وہ پہن نہیں سکتا ہے۔

الحاصل سابق زمانے میں اعلیٰ و ادنیٰ کے لباس میں بلکہ ہر فرقہ و ہر پیشہ ور کے لباس و پگڑی میں فرق ہوتا تھا جس سے صاف معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ شخص فلاں پیشے کا ہے۔

مسلمان اور ہندو انگرکھے سے پہچانا جاتا تھا یعنی مسلمان کے انگرکھے کی گھنڈی و تکمہ بائیں طرف ہوتا ہے اور ہندو کے انگرکھے کا داہنے جانب۔ معمار۔ نجار۔ زرگر۔ آہنگر۔ صراف خیاط وغیرہ کے انگرکھے کھادی وغیرہ موٹے کپڑے کے کمر تک ہوتے تھے اس سے زیادہ لانبے نہیں۔ عید کے روز یا شادی وغیرہ میں زانو تک لانبا انگرکھا پہنتے تھے۔ قدیم لباس بتلایا گیا ہے تو لازم ہوا کہ مختصر سا حال ان قدیم تقاریب کا بھی بیان کیا جائے جو متروک ہو گئے اور ہونے کو ہیں۔

واضح ہو کہ بزمانہ سابق تقریب بسم اللہ خوانی میں لڑکا یا لڑکی بسم اللہ پڑھنے کے بعد اس کے ہاتھ میں جملہ اقارب و احبائے مدعو فرداً فرداً حسب مقدرت روپے یا اشرفیاں رکھتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس زمانے میں مستورات بھی دیتی تھیں۔ چنانچہ خاص خاص عزیز و اقارب اب بھی دیتے ہیں۔ شادی میں ہمراہی رسم جو طرف ثانی سے آتے تھے یا ہمراہ نوشہ جو رہتے تھے اُن کی

شربت خوری ہوتی تھی یعنی چھوٹی سی گلاس میں مصری کا شربت انہیں پلایا جاتا تھا۔ شربت پینے کے وقت ہر ایک شخص دو روپے یا ایک روپیہ یا ادھیلی حسب امکان گلاس شربت کی تھالی میں رکھ دیتا تھا۔ اسی طرح زنانے میں بھی۔ اب وہ شربت خوری عموماً نہیں رہی مگر بعض شادیوں میں صرف جلوہ کے روز بعد عقد خوانی نوشاہ کو اور پدر و برادر حقیقی کے لئے ہوتی ہے۔

کیسا ہی کم استطاعت آدمی ہوتا بغیر رسم ساچق و حنابندی و شبگشت کے اس کی شادی ہوتی نہ تھی۔ یعنی یہ تینوں تقریبیں تین روز میں ادا ہونا واجبات سے تھا۔ فقط ایک شب و روز کی شادی ناپسند و معیوب تھی۔ شب گشت نصف شب کو ہوتا تھا۔ عقد خوانی اور جلوے سے فارغ ہو کر قبل طلوع آفتاب تاروں کی چھاؤں میں اکثر بازگشت ہو جاتی تھی۔ کسی کی بازگشت ذرا دن چڑھے ہوتی تھی تو سب کہتے تھے بڑی دیر ہوگئی۔ تیس[۳۰] چالیس[۴۰] روپے ماہوار دار تک بھی اپنی شادی میں اقلاً ایک دو خوانی تورہ تقسیم کرتا تھا۔ ذی مقدرت کی شادی میں سات خوانی یا پانچ خوانی تورے تقسیم ہوتے تھے۔ نامی گرامی بڑے امیر و وزیر دولتمند کی شادی میں گیارہ[۱۱] خوانی یا سترہ[۱۷] بلکہ اکیس[۲۱] خوانی تورے تقسیم ہوتے تھے۔ ایسا تورہ کسی غریب منصبدار کے گھر آتا تھا تو اس کا گھر کھانے کی چیزوں سے بھر جاتا تھا اور وہ شخص بسبب افراط اغذیہ اس میں سے اپنے ہمسایہ میں اور عزیزوں کو تقسیم کرتا تھا اس کے گھر میں اس روز گویا شادی کی

بو آتی تھی۔ بہر حال تقسیم طعام شادی واجبات سے تھی۔ سابق زمانے میں بعض دولتمندوں کی شادی میں خوان۔ چھیبے۔ لنگی۔ نورہ پوشش سمیت نورے تقسیم ہوئے ہیں یعنی مزدوروں نے سر پر سے خوان اتار دئیے اور چلے گئے۔

چنانچہ پچاس برس کے قبل ایک چودھری چوبینہ فروش یالے صاحب نام ساکن رزیڈنسی نے بھی اپنے پسر کی شادی میں نورے مع خوان وغیرہ تقسیم کئے اور مزید برآں یہ تکلف کیا کہ بجائے سفالی ہر نورے میں نو عدد ظروف مسی قلعی کئے ہوئے تھے۔

۱۳۰۸ھ میں نواب رکن الملک خان دوران بہادر نے اپنی صبیہ کی شادی میں کئی روز تکلف سے دعوت کر کے جملہ اقارب و احباب کو اگرچہ عمدہ کھانے کھلائے مگر چونکہ بہ نسبت دستورِ قدیم امرا میں یہ نئی بات تھی تو لوگوں میں چرچے ہوئے۔ جو ناواقف تھا وہ کہتا تھا کہ ایسے بڑے امیر ہو کر نورے تقسیم نہ کئے۔ جو واقف تھے وہ کہتے تھے کیا کریں گے نواب قرضدار و زیر بار ہیں۔

تخمیناً چالیس برس کے قبل قوت جنگ مرحوم نے اپنی صبیہ کی شادی میں رسم حنابندی کو خلاف دستور قدیم بوقت عصر روانہ کیا لہذا چرچے ہوئے کہ کیا کفایت شعاری ہے۔ مصارف روشنی سے بچنے کے لئے دن کو مہندی نکالی ہے۔ بسبب خلاف عادت ہونے کے چند روز چرچے تو رہتے ہیں لیکن کفایت کا کام جلد بند آجاتا ہے چنانچہ جب سے دن کو مہندی روانہ کرنے کا اور بعوض نورے کے

دعوت کر کے طعام شادی کھلانے کا طریقہ رفتہ رفتہ تمام بلدے میں جاری ہوگیا۔
شادی وغیرہ تقریب میں مہمانوں کو وقت رخصت پھولوں کے دو ہار گلے میں ڈالتے تھے ایک ہار دینا معیوب تھا۔ اگر پھول گراں رہتے یا کم استطاعتی ہوتی تو گلاب کی پتیوں ہی کے سہی مگر ہاروں کا ہونا لازمی تھا۔ اور پاندان یعنی ایک کشتی میں سات تشتریاں مصالح کی۔ الایچی۔ چھالیہ۔ چکنی ڈلی۔ جوز۔ جوتری۔ لونگ کتھا۔ اور حسب امکان پچاس یا اس سے کم و زیادہ پان ہر ایک مہمان کو پیش کرتے تھے۔ مہمان وہ سب مصالح خالی کر لیتا تھا۔
ابنّ صاحب والد مرزا ثابت علی مرحوم نے جو ایک تاجر شخص تھے بنظر تخفیف تصدیع و تقلیل مصارف الایچی اور چھالیہ وغیرہ ہر ایک شۓ مصالح کی جدا جدا پوڑا باندھ کر سرخ یا زرد کاغذ کے مستطیل کیسے میں جملہ پوڑیاں ڈالدیں۔ وضعیہ اور قہوۂ خام کی دو پوڑیاں بھی شریک کیں تا کہ کیسۂ مذکور کا ابھار اور وزن کسی قدر بڑھ جائے۔ اور کیسے کا منہ بند کر کے پان کے ساتھ تقسیم کئے۔ کیسہ پوڑا کہلاتا تھا۔ اس کا رواج کئی سال رہا۔ جب کشتیاں مروج ہوئیں تو وہ کاغذی کیسے تفصیلی آدمیوں کو یعنی مہمانوں کے ملازمین وغیرہ کو دینے لگے۔ کشتیوں کا بانی و موجد معلوم نہ ہوا مگر اس کی کیفیت یہ کہ ٹین کی کشتی مربع مستطیل خانے دار بنوائی گئی ان خانوں میں مصالح مذکور ڈالنے کے بعد سرخ پارچے میں کشتی کو لپیٹا اور اس پر سرخ پارچہ کا تورہ پوش

نقرئی چھوٹی کرن ٹکی ہوئی اُڑھایا گیا۔ اور عطر کی چھوٹی سی شیشی اور پان کے ساتھ دینے لگے۔ ایک مدّت یہ خوشنما کشتی اکثر تقاریب میں جاری رہی۔ بعد ازاں ڈاکٹر مرزا علی خاں حکیم الحکما مرحوم نے ۱۳۲۰ھ میں اپنے فرزند میر عباس حسین کی شادی میں ٹین کی کشتی عمدہ ڈھکنے دار تقریباً آدھ گز طول ایک فٹ عرض کی۔ ایک طرف نر مادے دوسرے طرف کنڈہ بند کرنے کا کسی اچھے کارخانے میں بنوائی اور اس کشتی پر رنگین نقشی کاغذ ولایتی چسپاں کیا۔ اس میں اشیائے مصالح کے ساتھ ایک ڈبیہ نقرئی تخمیناً چار ماشہ وزنی اس میں عطر کا پھاہا رکھا۔ اور وہ کشتیاں پان کے ساتھ تقسیم کیں۔

یہ کشتی بہ نسبت کشتیٔ مذکور کے جو آسان نظر آئی تو اسی کی تقلید شروع ہوئی مگر صرف ٹین کے ڈبے ہیں کے بنے ہوئے کہیں بڑے کہیں چھوٹے یا مصالح مذکور عطر کی شیشی مع پان تقسیم ہونے لگے۔ بعضوں نے آئینہ دار وغیرہ بنوائے۔ تا آنکہ وہ بھی موقوف ہو کر صرف انگریزی ڈبیہ ٹین کی قدرے الائچی اور چکنی ڈلی بجائے ہار ایک گلدستہ جس کو یہاں پھول سنگنی کہتے ہیں دیے جاتے وہ بھی متوسطین ورنہ متمولین تو وہ بھی نہیں۔

جب لباس و تقاریب اہل زمانہ سابق کا بیان ہوا ہے تو ان کے تھوڑے خصائل وغیرہ کا ذکر کرنا بھی لازمی ہوا۔

واضح ہو کہ زمانۂ سابق کے لوگ خصوصاً شرفا جھوٹ کہنے کے عادی نہ تھے۔

اکثر سید ھے اور وضع کے پابند تھے۔ اور جھوٹی قسم کھانے کی جرات تو عوام الناس میں بھی بہت کم تھی۔ اکثر مخلوق ہتیار بند تھی حتّیٰ یہ کہ بعض سائیس اور بھوئی یعنی کہار بھی سواری کے وقت ایک خمدار چھری خاص وضع کی جس کو تڑپ کہتے ہیں کمر میں لگا لیتے تھے۔ نشہ باز خصوصاً مسلمانوں میں کے سبندھی پینے پینے بوڑھے ہوتے تھے مگر شراب کو بہت بد چیز جانتے تھے اور نہایت گناہ کا کام اور سخت مضر سمجھ کر پرہیز کرتے تھے قدیم لوگ رواج قدیم کے پابند رہتے تھے اگرچہ حکم شرع سے نہ ہو۔ چنانچہ خوشدامنیں اپنے دامادوں سے عموماً پردہ کرتی تھیں۔ بعد انتقال برادر زوجۂ برادر کے ساتھ عقد کرنا نہایت ناجائز جانتے تھے بلکہ اب تک بھی انہیں طبایع کا اثر ہے۔ جو شخص کسی عورت کو بہن کہہ دیتا تو اس کا لحاظ عمر بھر رکھتا تھا۔ جس دختر کی صرف نسبت ٹھہرتی یا آنکہ کوئی رسم ابتدائی منگنی وغیرہ ادا ہوتی اور بعد ازاں قبل شادی وہ منگیتر اگر مر جاتا تو پھر اس دختر کی شادی کسی دوسرے سے نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو عمر بھر کے لئے بیوہ بنا کر بٹھا دیتے تھے۔

سابق زمانے کے شرفا میں ناکتخدا لڑکیوں کے بیٹھنے کا مقام سب سے علیحدہ کنارے معیّن رہتا تھا۔ کشیدہ وغیرہ دوخت کے کام میں مشغول رہتی تھیں۔ کسی کے پاس کی ماما وغیرہ باہر کی عورتیں آتیں یا مہمان مستورات آتی تھیں اور گھر کی بی بیوں سے جو کچھ بات چیت باہم ہوتی تھی اور اہل زمانہ کی بھلی بری

کیفیتیں بیان کی جاتی تھیں اس سے ناکتخدا لڑکیاں بالکل مطلع ہونے نہیں پاتی تھیں۔ اور ناکتخدا لڑکیوں کو کسی شادی وغیرہ تقاریب میں بھی نہیں بھیجتے تھے لہٰذا وہ لڑکیاں کتنے ہی سن کی کیوں نہ ہوں زمانے کے صفات مذموم یعنے جھوٹ۔ سخن سازی۔ غیبت۔ مکر و فریب وغیرہ سے محفوظ و بے خبر رہتی تھیں۔

عروس و نوشہ اپنے والدین وغیرہ بزرگوں کے روبرو باہم بات چیت نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لحاظ اکثر صاحب اولاد ہوئے تک رہتا تھا۔ جب اولاد ہوتی تھی تو بزرگوں کے سامنے اپنے طفل کو گود میں لینا یا پیار کرنا بے شرمی سمجھتے تھے۔ مستورات شرفا کے لئے نہایت گاڑھا پردہ تھا۔ چنانچہ منس یا رتھ ہیں کہ زنانی یہی دو سواریاں تھیں خصوصاً جب کبھی بیرون شہر کسی قدر دور جانا ہوتا تو منس یا رتھ کے اصلی پردہ پر اکتفا نہ کر کے اس پر چاندنی یعنی سفید گاڑھا کپڑا لپیٹ کر سوتی رسیوں سے کستے تھے۔ غریبوں کے لئے کرایہ کی ڈولی یا چھتری میانہ یا برقع کی گاڑی تھی۔ برقع کی گاڑی دو چاک کی ہوتی تھی اور دو بیل اس کو کھینچتے تھے۔ اس پر موٹے پارچے کی دوہری پوشش ہوتی تھی اس کو برقع کہتے تھے۔ اس گاڑی میں گھنگرو لگائے جاتے تھے جس کے باعث بوقت رفتار آواز ہوتی تھی خصوصاً جب پتھر گٹی پر سے گزر ہوتا تھا تو دور ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ برقع کی گاڑی جا رہی ہے۔ بعض رتھ میں بھی گھنگرو ہوتے تھے مگر نازک آواز کے۔

مردوں کے لئے ہاتھی۔ گھوڑا۔ میانہ کے سوائے کرسی میانہ بھی مروج تھا جو کہ بطور کرسی کے ہوتا ہے اس پر فقط مربع چھت ہوتی ہے۔ بعض بغیر چھت کے بھی۔ ٹاپ بھی بطور کرسی میانہ کے ہوتی ہے مگر اس پر ٹاپ مانند فٹن گاڑی کے ہوتی ہے خواہ اس کو چڑھا دیں یا اتار دیں۔ پنس مثل میانہ کے ہوتی ہے مگر میانے سے کسی قدر بڑی اور سنگین۔ اس کا ذکر مفصلاً واقع دربار عید الفطر میں ۱۲۸۲ھ میں آئے گا جس کو ابتداً خاص میر عالم بہادر کے لئے گورنر جنرل بہادر نے کلکتہ سے تیار فرما کر بھیجا تھا۔ بعد ازاں یہاں کے امرائے عظام نے بھی ویسا ہی بنوا لیا۔

انگریزی گھڑیال طاقچے وغیرہ میں رکھنے کی یا جیبی گھڑی سابق زمانے میں نام کو نہ تھی۔ سو برس کے آگے شاذ و نادر رئیس و وزیر کے پاس شاید آئی ہوگی ورنہ رئیس و وزیر و امرائے اعظم کے پاس عموماً گھڑیالی ملازم تھے۔ گھڑیالی کے پاس ریتی اور شیشی کی گھڑیال رہتی تھی اس کے حساب سے روز و شب کی گھڑیوں اور پہر کی خبر با آواز بلند دیتا تھا۔ سواری کہیں گئی تو گھڑیالی بھی ہمراہ رہتا تھا اور وقت معینہ پر اپنا فرض منصب ادا کرتا تھا۔ مثل نوبت اور روشن چوکی وغیرہ کے یہ گھڑیال بھی سامان امارت میں داخل ہے۔ چنانچہ بڑے امیروں کی سرکار میں ہنوز وہ گھڑیالی موجود و ملازم ہیں اگرچہ اب وہ بیکار ہیں۔ نیز پانی اور کٹورے کی گھڑیال بھی امرا کی ڈیوڑھیوں پر ہوتی تھی اسی کے حساب سے پچرسی گردے کو یعنی گھڑیال جو

آویزاں ہوتا ہے موگری سے بغرض اطلاع عام بجاتے تھے مگر وہی گھڑیاں اور پہر۔ گھنٹے اور منٹ کے نام سے بھی کوئی آگاہ نہ تھا۔

بیانِ عدم صفائی وغیرہ زمانۂ سابق

قبل مدار المہامی مختار الملک مغفور اوّل بمقام دروازۂ افضل گنج فصیل کہنہ تھی اس کے اندر جانب غرب جو فی الحال حیدر نواز جنگ مرحوم کی بنائی مارکٹ ہے وہاں بہت عمیق گڑھا دہلی دروازے تک تھا۔ اندرون جملہ شہر پناہ کہیں چند مکان کہیں ویرانہ زمین افتادہ تھی۔ کہیں زراعت بھی ہوتی تھی۔ اسی طرح بلدہ میں اکثر مقام غیر آباد تھے۔ بعض کم آباد محلوں میں بڑے بڑے عمیق گڑھے تھے جن میں کچرا کوڑا ڈالا جاتا تھا۔ بارش کا پانی ان میں جمع ہو کر عفونت ہوتی تھی۔ نیز بڑی بڑی بعض باؤلیاں ویران و خستہ حال تھیں جن کا پانی استعمال نہیں کرتے تھے۔

جملہ محلوں کی گلیاں تنگ اور غلیظ تھیں۔ مکانات کی مہریوں کا پانی باہر بہتا ہوا۔ جابجا کچرے کوڑے کے انبار۔ کیونکہ اس زمانے میں صفائی کی بنڈیاں کہاں تھیں جو کچرا کوڑا روزانہ اٹھا لیجاتیں۔ پس لامحالہ ہر ایک مکان کا کچرا کوڑا اسی گلی میں کے گھوڑے پر ڈالا جاتا تھا۔

شاہراہ پر جو مکانات واقع تھے ان کی مہریوں کا بھی پانی راستے پر بہتا تھا۔ کیونکہ شاہراہ کی سرکاری پختہ مہریاں نہ تھیں۔ اکثر مکانات میں سنڈاس تھے۔ سوائے امرا کے مکانات کے کہ وہ گچ کے تھے باقی جملہ مکانات خواہ کوچوں میں کے

خواہ سرراہ کے ان پر چونا نہیں پڑتا تھا یعنی سفید کاری مدتوں نہیں ہوتی تھی۔ محرم کا مہینہ آیا تو عاشور خانوں میں سفید کاری ہوتی تھی۔ یا آنکہ جس مکان میں شادی وغیرہ ہوتی تھی اس کی سفید کاری ہوتی تھی۔ اس کے سوائے نہیں اگرچہ برسوں گزر جائیں۔ اس وجہ سے کوچے وغیرہ اکثر بدرونق تھے۔ شاہ راہ میں اکثر پتھر کٹی یعنی پتھروں کا فرش ناہموار تھا۔ زمانۂ دراز کے مرور و عبورِ مخلوق سے پتھر گھس کر اس قدر صاف ہو گئے تھے کہ انسان اور چارپایوں کے پاؤں خصوصاً موسم بارش میں بآسانی پھسل جاتے تھے۔ کہیں شاہ راہ بغیر فرش سنگ کے تھی لیکن پست و بلند۔ جابجا کیچڑ۔ عام شاہ راہوں کی تنگی کا یہ حال تھا کہ دو بنڈیاں یا دو رتھ ایک ادھر سے اور ایک ادھر سے۔ توان دو میں سے جس کسی کو ذرا کشادہ مقام ملتا تو وہاں اپنی بنڈی یا رتھ کو ہانکنے والا روک لیتا تھا تاکہ دوسری بنڈی وغیرہ جو سامنے سے آرہی ہے بازو سے گزر جائے اور ٹکر نہ ہو۔ جس وقت کڑبی سے لدا ہوا ہاتھی گزرتا تھا تو اکثر مقاموں پر اس ہاتھی سے راستہ بھر جاتا تھا۔ اور مقابل سے کوئی گھوڑا یا میانہ وغیرہ آتا تو اس کو واپس ہوکر کسی گلی میں یا قدرے کشادہ مقام پر جاکر ٹھہر جانے کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا دوکان دار ویسے ہاتھی کی آمد دیکھ کر اپنی ٹٹیاں وغیرہ سائبان دوکان پر کی جلد نکال لیتے تھے اور جو نکال لینے نہیں پاتا تھا اس کی ٹٹی اور سائبان کڑبی کے صدمے سے ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے۔ جس مکان سفالی کی اونچی

راستے کی طرف ہوتی تھی تو اس کی سفال وغیرہ کا فیصلہ ہوجاتا تھا۔ اگرچہ اس میں فیلبانوں کی مخموری اور شرارت بھی شریک تھی لیکن تنگی شاہ راہ کی وجہ سے ہی انھیں شرارت کا موقع ملتا تھا۔

اس تنگی راہ پر طرفہ یہ تماشا تھا کہ نٹ جن کو یہاں گاروڑی کہتے ہیں۔ نیز پہلوان وغیرہ بازیگر جہاں چاہتے تھے عین راہ میں تماشا تبلانے کو بیٹھ جاتے تھے۔ اور تماشا بینوں کے ہجوم سے راستہ مسدود ہوجاتا تھا۔ رہگذر خصوصاً گھوڑا۔ میانہ۔ رتھ۔ بنڈی وغیرہ کو بدقت وہاں سے گزرنا ہوتا تھا۔ نیز رفاعی فقیر خصوصاً جو دوکاندار پیسہ دینے میں انکار کرتا تھا تو اس کی دوکان پر گھنٹوں اڑے رہتے تھے۔ ضرب لگاتے تھے یعنی زبان کاٹ لیتے تھے۔ آنکھ نکال لیتے تھے۔ یہ دیکھنے کو بھی مجمع لوگوں کا ہوجاتا تھا۔

بعض فقیر بھیڑیئے۔ بعض ریچھ کو۔ بعض شیر کو دو طرف سے رسیاں تھامے ہوئے اور ہاتھوں میں فقیروں کے لوہے کے کڑے۔ ہر ایک دوکان پر بجاتے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ جب پیسہ لیتے تھے تو دوسری دوکان پر جاتے تھے۔ یہ دیکھنے کو بھی بچے اور بڑے جمع رہتے تھے۔

چارکمان اور چارمینارہ کی طرف کے راستے اس قدر تنگ نہ تھے تو بھی ایسے تھے کہ چاروں کمانوں کی کرسی کے آگے ایک ایک ملگی کمان کے اندر بھی تھی۔ اس پر وہاں کی وسعتِ شاہراہ کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

چارسو کا حوض جو فی الحال گلزار حوض کہلاتا ہے از بسکہ خشک و خستہ و غلیظ رہتا تھا سوکھا حوض مشہور ہوا تھا۔ مولّف نے بچشم خود دیکھا ہے اور اکثر سن لوگ دیکھے ہوئے موجود ہیں کہ حوض مذکور میں مٹی کے ظروف بیچنے کے لئے رکھتے تھے اور غلاظت پڑی رہتی تھی۔

چارمینارہ بھی خستہ حال تھا یعنی سیڑھیاں وغیرہ بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اس کے اندر کا حوض بھی ہمیشہ خشک و غلیظ رہتا تھا۔ اور چارمینار کے اندر ٹٹیاں وغیرہ لگاکر دوکانیں لگائی جاتی تھیں۔ کچرا کوڑا پڑا ہوا۔ اُجرت سے لکھنے والے کاغذ و قلم و دوات لئے ہوئے دن کو بیٹھے رہتے تھے۔ ایک طرف کو کسی فقیر نے اپنا مسکن بھی بنالیا تھا۔ اور چارمینارہ عربوں کی بندوقوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ روزانہ گولیوں کی مار سے چھلنی ہوگیا تھا۔

نیز اوپر کے حصہ میں بعض جا پیپل وغیرہ کے درخت نکل آئے تھے۔

حضوری جلوخانہ کا چھوٹا دروازہ شمال رویہ تک اونچا چبوترہ تھا اس پر چمار لوگ سرخ نری کے جوتے لاکر دوپہر سے شام تک بیچنے کو بیٹھتے تھے۔ ان کے سوائے کنگیاں۔ ازاربند وغیرہ بیچنے والے بھی بیٹھتے تھے۔

اس چبوترے کی پشت پر پردے پڑے ہوئے رہتے تھے۔ ان پردوں کے اندر ایک سیری آدمیوں کے چلنے کی۔ اس کے بعد کرسی وار ملگیات اس میں کناری گوٹا مشروع۔ ہمرو۔ بیچنے والے بیٹھتے تھے وہ لاڈ بازار کہلاتا تھا۔

چمار لوگ جوتے بیچنے وہاں بیٹھتے تھے اس لئے جلوخانہ موصوف کا چھوٹا دروازہ شمال آرو
چماری دروازہ مشہور ہوگیا تھا چنانچہ اب تک بھی بعض قدیم لوگوں کی زبان پر اس دروازہ کا
وہی نام آجاتا ہے۔ الغرض چماروں کے بیٹھنے کا چبوترہ اور اس کے عقب کا لاڑ بازار یہ
ہردو چماری دروازے سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ بعہد وزارت نواب صاحب مغفور
توسیع شاراہ میں وہ ہردو نکالدیے جانے سے قدیم دروازۂ موصوف راستے پر آگیا ہے
اور یہ توسیع شاہراہ کی ایک جانب سے نہیں بلکہ حسب ضرورت ہردو جانب سے
ہوئی ہے۔ علی ہذا القیاس چار مینار ہ کی ہردو شاہراہیں ویسی ہی تنگ تھیں کہ ہر شاہراہ
میں کے دو جانبہ ملگیات چبوترے اور سائبان سمیت منہدم کر دے گئے ہیں تب کہیں
ایسا وسیع راستہ قرار پایا ہے اور ملگیات پختہ عہد قطب شاہان جو شاہراہ جانب
جنوب و شمال میں باقی اور چھپی ہوئی تھیں وہ باہر نکل آئی ہیں۔ پس اس حساب سے
سابق شاہراہوں کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس وسعت کی تھیں راستے ناہموار۔
کچرا کوڑا جا بجا پڑا ہوا کیوں نہ ہوتا محکمہ صفائی کا وجود ہی جب نہ تھا تو انتظام
صفائی کیسا۔

چوک میں اب جہاں گھڑیال اور چمن بندی ہے وہاں ایک چبوترہ اس مگ
مشہور کرامت شاد کی قبر تھی۔ رومال۔ سوسی۔ کھادی وغیرہ بیچنے والے اور
ہتھیار بیچنے والے کھلے میدان میں دوپہر سے دوکانیں لگاتے تھے۔ پرندہ فروش
میر شکاری بھی ایک طرف بیٹھتے تھے۔ بیچ میں سے ایک نالہ غلیظ پانی کا ہمیشہ

بہتا تھا۔ چونکہ وہ مقام نشیب تھا اس لیے جب کبھی زور کی بارش ہوتی تھی چوطرف کا پانی جمع ہوکر چوک ایک تالاب ہوجاتا تھا اور ملکیات زیرِ مسجد وغیرہ غرقاب ہوجاتی تھیں۔

افضل گنج کا پل جس کا ذکر آیندہ ہوگا جب تیار ہوا تو ساتھ ہی دروازہ بھی جدید تعمیر ہوا۔ ورنہ قدیم دہلی دروازہ میں سے ندی پار جانے کا راستہ تھا۔ ندی کی اُس جانب مہاراج گنج۔ بیگم بازار۔ کاروان۔ وغیرہ پرانے پل تک کہیں کہیں آبادی تھی۔ باقی تمام ویرانہ۔ اب جہاں افضل گنج و مسجد افضل گنج ہے وہ تمام کالی زمین ریگڑ کی پست و بلند تھی۔ رزیڈنسی چھاونی تک شاید کہیں کچھ مکانات دیول وغیرہ ہوں ورنہ تمام ویرانہ تھا۔ ادہر اسٹیشن اور مقام باغ عام۔ حسین ساگر کا تالاب۔ توپ کا سانچہ۔ رنبول کے احاطہ سے لے کر رزیڈنسی کی چھاونی تک تمام صحرا و ویرانہ تھا۔ فی الحال جس بنگلے میں نظام کالج ہے اس مقام پر ایک مختصر قدیم بنگلہ تھا اس کو رنبول کی کوٹھی کہتے تھے۔ اب بفضلہ و باقبال خسروی و بریاضت مختار الملک مغفور اول یہ شہر اندرون و بیرون آراستہ و آباد امن و امان میں ہے۔ آبادی و تعمیر امکنہ روز افزوں کثرت مخلوق از حد بیرون بحمداللہ یہ ملک تمام اہلِ بلادِ ہندوستان کا مرجع و امید گاہ بنا ہے خصوصاً ۱۲۹۱ھ سے یعنی جب سے کہ ریل حیدرآباد میں آگئی ہے اطراف و کناف سے مخلوق آئی اور آرہی ہے۔ لائق تو لائق ہیں ضعیف نود سالہ اور معذور و ناکارہ بھی ہیں تو

دور دور سے یہاں چلے آرہے ہیں اور پرورش ہو رہے ہیں یہ پرورش کسی ریاست میں نہیں ہے۔ خداوندِ عالم بحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے زیادہ برکت اس ریاست کو عطا فرمائے سبحان اللہ کلام الملک ملک الکلام غفران منزل اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ دہلی کی ریاست کو ہمیشہ آباد رکھے۔ یہ سن کر ایک مرتبہ کسی مقربِ بارگاہ نے عرض کی کہ پیر و مرشد پہلے اپنے ملک کے لئے دعا لازم ہے۔ جواب ارشاد ہوا کہ دراصل یہ دعا اسی ملک کے واسطے ہے کہ اگر خدانکردہ وہ ریاست تباہ ہو جائے اور وہاں کی مخلوق یہاں آئے تو لامحالہ اس ملک والوں کے لئے باعث تنگی روزگار کا ہوگا۔ غفران منزل کو جس امر کا اندیشہ تھا آخر وہی ہوا۔ علاوہ براں مد منصب میں تخفیف تدریجی لاحق ہو گئی ہے حالانکہ ایک ایک منصبدار متوسط کے گھر دس پانچ بندگانِ خدا اور بیوگان و یتیم پرورش ہوتے ہیں اور شب و روز ولی نعمت کے حق میں اور بقائے سلطنت کے لئے دست بدعا ہیں۔ پس حسب ارشاد مجیب الدعوات (اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ) یہ تنخواہ بیکار نہیں بڑا کام کر رہے ہیں۔ نیز یہ زمرہ منصب منجملہ تزک سلطنت آصفجاہی اور موجب برکت و بقائے شاہی ہے چنانچہ اسی لحاظ سے مغفور اوّل سا دانائے روزگار و خیرخواہ سرکار نے جس طرح مداخل ریاست میں ترقی دی ہے اسی طرح پرورش بندگان خدا میں بھی توفیر کی۔

کاش درصورت ضرورت تخفیف مغفور اوّل کی وہ تدبیر جو موازنہ مذکور میں تبلائی ہے جس کا ذکر آئندہ آوے گا منظور و معمول سرکار عالی ہوتی کہ اس سے مقصود سرکار بھی حاصل ہوتا اور منصبدار بھی بحال رہتے۔ بحمد اللہ منصبداروں کی اب وہ حالت سابق بھی نہیں رہی ہے بلکہ متعدد کارگزاری و ہنمنی خدمات ہیں۔

افسوس ہے بدقسمتی پر منصبداروں کی کہ مغفور اوّل کی تجویز و ہدایت پر جو عین بہی خواہی اہل منصب پر مبنی تھی۔ مطلق عمل نہ کیا اور وقت کو ہاتھ سے دیا۔ اس کی کیفیت مفصل آئندہ بیان ضلع بندی میں ناظرین ملاحظہ کریں گے۔

بابِ دُوم

مجملاً بیان ریاضت و جانفشانی سالارجنگ مختار الملک مغفور اوّل انتظام ملک و رفاہ عام میں اور واقعات من ابتدائے مدار المہامی الیٰ آخرہ

واضح ہو کہ مختار الملک مغفور اول کے اجداد وغیرہ بزرگوں کا حال اجمالی مقدمۂ کتاب میں ہر ایک کے نام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے نیز کسی قدر خاندانی کیفیت مع کیفیت شادی وغیرہ نواب صاحب مغفور ضمیمہ سے منکشف ہو گی۔

اب خاص حسب و نسب کا ذکر اجمالاً یہ کہ **نواب میر تراب علی خان بہادر** سر سالارجنگ **شجاع الدولہ مختار الملک** فرزند نواب میر محمد علی خان بہادر سالارجنگ شجاع الدولہ و نبیرۂ نواب منیر الملک بہادر ثانی و نبیسۂ حقیقی میر عالم بہادر تھے۔ ان کے والد شجاع الدولہ کی شادی نواب شہاب جنگ افتخار الملک بہادر جو فی الحال معین المہام متفرقات سرکار عالی ہیں ان کے جدامجد نواب سید کاظم علی خان بہادر

مختار الدولہ کی دختر زینت النسا بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ مختار الدولہ بہادر موصوف امرائے سلطنت سے تھے۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے بطن سے ارسطوئے زمن مایۂ نازو افتخار ہندو دکن نواب مختار الملک مغفور اول ۱۲۴۴ھ م ۲ر جنوری ۱۸۲۹ء میں متولد ہوئے۔

صغر سنی میں والد کا سایہ اٹھ گیا اور نواب نیر الملک بہادر ثانی جد امجد جو اس نبیرہ کو نہایت چاہتے تھے جن کے چاہنے کی کیفیت عجیب ضمیمہ سے ناظرین پر ظاہر ہو گی۔ وہ بھی مرحوم ہو گئے۔ خوردسالی میں جو سخت علیل ہوئے تھے تو اس کے سبب سے آغاز شباب تک لاغری و نقاہت لاحق رہی توانائی میسر نہ ہوئی۔ ایسی حالت میں تو کسی طفل کو تعلیم کا بار دینا مناسب نہیں جانتے ہیں چہ جائیکہ امیرزادہ اور تمام گھر کا ایک چراغ۔ اس کا جینا ہی غنیمت سمجھتے ہیں فلہذا زمانہ تعلیم کے کئی سال یونہی گزر گئے۔ بارہ تیرہ سال کی عمر سے کم کم تعلیم شروع ہوئی اور بتدریج پڑھائی ہونے لگی کہ ہرج نہ ہو۔

سراج الملک بہادر جو عمو اور سرپرست تھے اکثر مبتلائے افکار رہتے تھے۔ بوجہ قرضہ پدری و عتاب غفران منزل جملہ جاگیرات ضبط۔ صرف ایک دو گاؤں قلیل محاصل کے بپاس خاطر صاحبہ بیگم صاحبہ مغفورہ جو کہ دختر میر عالم مرحوم اور جدہ ماجدہ مختار الملک مغفور کی تھیں چھوڑ دیئے گئے تھے اسی میں سب کی بسر ہوتی تھی۔ صاحبہ ممدوحہ کی ہی سرپرستی میں مختار الملک مغفور کی تعلیم و تربیت تھی حسب رواج

اس زمانے کے عربی۔ فارسی۔ سیاق وسباق کی تعلیم پائی۔ گھوڑے کی سواری اور ورزش بھی تھی کسی قدر ہوشیار ہونے کے بعد ذاتی طور سے تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھی۔ اس زمانے میں باقاعدہ انگریزی علم کے معلّم ملکی زبان جاننے والے اور کتابیں جیسی کہ اب ہیں کب میسر ہوتی تھیں۔ بہرحال۔ ایک من علم را دہ من عقل می باید۔ یہ مثل مختار الملک مغفور اوّل کے لیے صادق آئی تھی۔ جیسا کہ دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے

اس زمانے میں مولّف کے والد جو کہ فارسی کے اہل زبان اور نہایت خوش لہجہ وخوش بیان تھے حسب الحکم سراج الملک بہادر اتالیقی وتعلیم زبان فارسی کے لئے مغفور اول ممدوح کی خدمت میں متعین رہ کر ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ اس لیے مولّف نے والد مرحوم سے سنا ہے کہ نواب صاحب مغفور عہد صاحبزادگی میں اپنے چچا سراج الملک بہادر کے اکثر انتظامی امور کو ناپسند فرماتے تھے اور بجائے خود پیچ تاب کھاتے تھے۔

عہد صاحبزادگی میں بھی ایسا اعتبار نواب صاحب مغفور کا ساہو کاروں کے نزدیک تھا کہ سراج الملک بہادر باوجود مدار المہامی لاکھ دو لاکھ روپے مصارفِ ریاست کے لیے قرض مانگتے تو ساہو کار اُن کے برادر زادہ کی جو کم چاہتے تھے سراج الملک بہادر اپنے ہونہار برادرزادے سے یعنی سالار جنگ بہادر سے جو کم کے خواہاں ہوتے تھے تو عرض کرتے تھے کہ فدوی جو کم کے لئے حاضر ہے مگر اس قرض کی ادائی کا انتظام کرنے کے لیے کوئی تعلقہ سپردِ فدوی کیا جائے تو مناسب ہے چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب ہونہار برادر زادہ کی ذکاوت ولیاقت دیکھی تو بعض امور

انتظام ملکی میں برادر زادہ سے مشورہ بھی لینے لگے تھے۔

مسٹر ڈائیٹن جو سابق میں سرکار عالی کا انتظام کرتے تھے ان کے ساتھ نواب صاحب مغفور نے تعلقداری کر کے مال کے کام کا بخوبی تجربہ حاصل فرمایا تھا۔ نیز نظم جمعیت کے کام سے واقف ہو گئے تھے۔

۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء میں اعلیحضرت نواب ناصر الدولہ بہادر نے سراج الملک بہادر کو جب دوبارہ عہدۂ مدار المہامی سے سرفراز فرما کر جملہ معاش خاندانی واپس مرحمت فرمایا تو سراج الملک بہادر نے ان جاگیرات کو بغرض انتظام برادر زادۂ موصوف کے اختیار میں دے دیا۔

سیدی عنبر خانساماں سے مؤلف نے سنا ہے کہ یہ معاش یعنی جاگیرات واپس مرحمت ہونے کے لئے بسبب عدم زرِ نقد کئی کشتیاں جواہر کی پیشکش غفران منزل ہوئی ہیں کیونکہ یہ جاگیرات قرضہ آبائی میں پھنس گئی تھیں اور حسب دستور عہد غفران منزل خزانۂ شاہی سے تصفیۂ قرضۂ مذکور ہو کر جاگیرات داخل سرکار عالی ہو گئے تھے

المختصر جب ۱۲۶۹ھ میں بیمار ہو کر ماہ شعبان کی ستر۲۷ تاریخ کو روز پنجشنبہ سراج الملک بہادر نے انتقال فرمایا تو اس کے پانچویں روز یعنی بائیسویں کو ماہ مذکور کی روز دوشنبہ چھبیس برس کی عمر میں دفعتاً بلا درخواست مدار المہامی کی خدمت سے نواب سالار جنگ بہادر سرفراز ہوئے۔

اس مقام پر مولّف کو تاریخ رشید الدین خانی کے مولّف کا یہ قول غیر صحیح یاد آیا جس کی اصل عبارت یہ ہے کہ بعد انتقال سراج الملک حضور پر نور تجویز میں تھے کہ اہل دفاتر و کارپردازان سرکار جھٹ والدہ سے سراج الملک بہادر کی سوال وجواب کر کے سالار جنگ بہادر بن اشجع الدولہ بن منیر الملک بہادر مرحوم کو تجویز کر کے معروضہ کئے اور مزاج کو خود بدولت کے کہہ سن کر سرفرازی پر اُن کی لے آئے الخ۔

اس بیان کے غیر صحیح ہونے پر وہ خط نواب صاحب مغفور کا جو بعد انتقال سراج الملک بنام مسٹر ڈائیٹن لکھا تھا دال ہے جس کی نقل مرقع عبرت میں مرقوم ہے۔ اس کا خلاصہ یہ کہ "چند روز سے میرے چچا صاحب کو بخار وغیرہ کی شکایت چلی جاتی تھی لیکن بیسویں ماہ گزشتہ کو ان پر اس قدر مرض وضعف کا غلبہ ہوا کہ نشست وبرخواست سے بالکل معذور ہو گئے۔ باوجود شدت علالت کے جب ان کو قدرے افاقہ ہوا تو بروز شنبہ شریک دربار ہوئے اور حضور کی طرف سے گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ معاہدۂ جدید کی تحریر وتکمیل کی۔ اس کے بعد ان کی حالت ابتر ہو گئی۔ مرض نے لحظہ لحظہ ترقی کرنی شروع کی۔

چوبیسویں تاریخ روز دوشنبہ حسب صلاح ڈاکٹر میکلین نقل مکان کیا گیا اور پسنن جی کے مکان واقع چادر گھاٹ پر اُن کو لے گئے۔ تو بھی ان کی حالت آناً فاناً ابتر ہوتی گئی۔ آخر کار چھبیسویں ۲۶ مے روز پنجشنبہ سات بجے شام کو انتقال فرمایا۔

تیسویں مے کو بروز دوشنبہ حضور پر نور نے دفعتاً مجھ کو یاد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

دوسرے بیج بھی حاضر رہیں اور صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی اس وقت مدعو ہوں چنانچہ اکیسویں مے کو دربار ہوا اور بغیر میرے یاد ادی صاحبہ کی درخواست کے حضور پرنور نے مجھے خلعت دیوانی اور راجہ نرندر بہادر کو خلعت پیشکاری مرحمت فرمایا۔

جی چاہتا تھا کہ عمّو مرحوم کی جاگیر پر قبضہ رہ کر گوشہ نشینی میں بسر کروں اور اپنی عمر ان خدشات اور افکار میں نہ گزاروں جو عہدۂ دیوانی کے ساتھ متعلق ہیں خصوصاً ان دنوں کہ حوادث گوناگوں سے ایک تلاطم پیدا ہے۔

لیکن ممکن نہ ہوا اور میرے یورپین اور ہندوستانی دوستوں کی یہ صلاح قابل تسلیم نظر آئی کہ اگر میں اس عہدے سے انکار کروں گا تو میں اور میرا خاندان تباہی میں پڑجائیگا۔

اگر خدا نے چاہا تو حتی المقدور کوشش کروں گا کہ اس سلطنت کو انواع انواع پیچیدگیوں اور طرح طرح کی الجھنوں سے نکالوں اور انتظام درست کروں۔

مسٹر بائی سن کے خط میں جو ایما جواہرات کے فروخت کا ہوا تھا میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس میں ابھی تھوڑے دنوں توقف کریں گے۔ آپ سچ سمجھئے کہ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا میں روپیہ دے کر فک رہن میں کوشش کروں گا۔"

یہ اسی جوہر کا ذکر ہے جس کو نواب ناصر الدولہ بہادر غفران منزل نے برائے ادائی قرضہ رہن فرمایا تھا۔

نواب صاحب مغفور نے اس تحریر کے آخر میں جو خیالات اپنے ظاہر فرمائے ہیں

ان سے حزم و احتیاط اور کمال عزم و حزم نواب صاحب موصوف ہویدا ہے۔ وزارت کی کشتی پر سوار ہونے کے وقت حالانکہ گرداب خسارت و تلاطم بدنظمی بحرِ ریاست صاف نظر آرہا تھا لیکن نواب صاحب مغفور کی عالی ہمتی و عزم جوان مردی نے کچھ اس کی پروا نہ کی اور نظر بخدا اوس کشتی پر گویا یہ کہہ کر سوار ہو گئے ؂

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان شور افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا

بفضلہ اس کشتی کو نہ صرف ساحل مراد تک پہنچا دیا بلکہ بحر سلطنت کو گرداب و تلاطم مذکور سے پاک و صاف کر دیا۔

الحاصل مختار الملک مغفور خلعت دیوانی سے جب سرفراز ہوئے ہیں تو اہل دفتر و اراکین کو بنظر نحافت و کم سنی نواب صاحب مغفور یہ خیال تھا کہ یہ ابھی طفل نوجوان ہیں ان سے کیا ہونا ہے۔ خصوصاً بعد رحلت غفران منزل و جلوس مغفرت مکان آصفجاہ خامس اکثر و بیرینہ اشخاص بے خبر "ریاست جملہ بازی گاہِ طفلان شد"۔ کہنے لگے تھے کیونکہ رئیس و دیوان و پیشکار ہر سہ نوجوان تھے لیکن بعد ازاں معائنہ حسن انتظام و دانائی نواب صاحب مغفور تھوڑے ہی عرصہ میں کہہ اٹھے۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ اسی اوایل زمانے میں جمشید جی معتمد مورد عنایات نواب صاحب مغفور کے تھے۔ چونکہ نواب صاحب مغفور کے جوہر ذاتی کا ہنوز عام مخلوق کو یقین کامل نہ ہوا تھا تو ہر ایک کو یہ خیال تھا کہ بمشورت و رائے معتمد مذکور

انتظام ریاست ہو رہا ہے۔ نیز معتمد صاحب کو بھی کچھ اس قسم کا ناز تھا چنانچہ جب آتے تھے تو مانند دیگر معززین کے ڈیوڑھی پر میانہ سے اترتے نہ تھے بلکہ اندرزینہ ہائے نور محل تک جو دیوان خانہ دربار عام ہے ان کا میانہ آتا تھا اس زمانے میں یہ بڑی خصوصیت تھی۔ الحاصل بعد چندے نواب صاحب مغفور کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ شب کو ہم تنہائی میں جو تجویزیں کرتے ہیں اس سے دوسرے ہی روز مخالفین ہمارے واقف ہو جاتے ہیں یہ کیا ماجرا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ جب اس کی فکر ہو گئی تو بعض خیر خواہوں نے سراغ لگا کر جمشید جی کی نسبت خبر دی کہ در پردہ آپ کے مخالفوں سے ملے ہوئے ہیں۔ نواب صاحب مغفور ایسے نہ تھے کہ بمجرد استماع خبر یقین کر لیتے اور درپے انتقام ہو جاتے لہذا یقین کامل حاصل کرنے کے لئے یہ کیا کہ ایک شب خبر رکھ کر بہ تبدیل لباس بذات خود گھوڑے پر سوار ہو کر مع سیدی عنبر خانساماں حدر زیڈنسی تک گئے وہاں سے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور پیادہ پا جمشید جی کے بنگلے پر پہنچے تو دیکھا کہ بنگلے کے پھاٹک میں ایک میانہ رکھا ہوا ہے۔ جب پوچھا گیا تو کہاروں نے ایک مخالف نواب صاحب کا نام لیا کہ یہاں آئے ہوئے ہیں اور یہ میانہ ان کا ہے۔ جب اس طرح تحقیق فرما کر واپس ہوئے تو اسی وقت شب کو بنام رزیڈنٹ بہادر رقعہ لکھا کہ صبح ہوتے ہی جمشید جی کا اخراج ہو۔ اس حکم نواب صاحب کی تعمیل جب صبح کو ہوئی اور جمشید جی مع عیال و اطفال چلنے تو نواب صاحب مغفور نے کہلا بھیجا کہ اطفال بے گناہ کو ہمراہ لے جانے کی کیا ضرورت ہے

وہ یہاں رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ منجملہ اطفال مذکور فرامرز جنگ بہادر صوبہ دار اب تک موجود ہیں۔ مقام غور ہے کہ باوجود اس قدر عتاب کے معتوب کی اولاد کا لحاظ مدنظر رکھا بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است | چو رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

اس زمانے میں باعث اخراج جمشید جی معتمد مذکور عتاب غفران منزل بھی مشہور ہوا تھا یعنی غفران منزل کو بھی یہی خیال ہوا تھا کہ معتمد مذکور دخیل امور وزارت ہے۔ بہرحال نواب صاحب مغفور نے ایسے معتمد کو دفعتًا بلا تامل جب خدمت سے بلکہ ریاست سے دور فرمایا تو اس وقت سب کی آنکھیں کھل گئیں اور یقین ہو گیا کہ یہ وزیر جوہر ذاتی رکھتا ہے کسی کی امداد کا محتاج نہیں۔

واضح ہو کہ اس وقت کے انتظام محاصل و کمی مداخل و افزونی مخارج سرکاری متعلق دیوانی کی کیفیت جو کچھ تھی باب اول میں مجملاً بیان ہو چکی ہے۔ علاوہ براں اسی زمانے میں تعلقات برار و رائچور دوآب و نلدرگ محاصلی تراتالیس (۴۳) لاکھ سینتالیس (۴۷) ہزار نو سو تیس (۳۰) روپے اور تعلقہ بھوم و الپور وغیرہ علاقہ دیوانی سے بایدداد قرضہ سرکار عظمت مدار میں اور سود و تنخواہ کنٹیجنٹ میں بطریق تعلقداری امانی سرکار عظمت مدار کے سپرد جو کئے گئے تھے اس سے بھی محاصل دیوانی میں کمی ہو گئی تھی۔

ہر چند ظاہرا دیوانی سرکار عالی دو بار عظیم سے سبکدوش ہو گئی تھی۔ ایک قرضہ سے بقایائے تنخواہ کنٹیجنٹ کے۔ دوم جمعیت کنٹیجنٹ کی ماہوار آیندہ دینے سے۔ مگر دراصل اس معاملے کے نتیجے میں

کئی دعوے قرضے کے اور زیر باریاں حد سے زیادہ تھیں۔ یعنی جو جاگیردار ملک برار وغیرہ سے خارج ہو گئے تھے۔ جیسے کہ جاگیرداران ایلچپور و جاگیردار مجوم رابجہ راؤ رنبھا اور سلطان نواز جنگ۔ دلاور جنگ۔ بڈھن خاں عبداللہ بن علی عمر بن عوض وغیرہ سب اپنی جاگیرات کا معاوضہ طلب کر رہے تھے۔ ان میں ہر ایک کا دعویٰ رقم خطیر کے ساتھ یعنی پانچ لاکھ سے تئیس لاکھ روپے تک تھا۔ اقربایان خاص کی اور منصبداروں کی ماہواریں جو ایک رقم کثیر ہوتی ہے بغیر جائداد کے تھیں۔

سکھوں کی جمعیت جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے بقایائے تنخواہ کے لئے دولتخانۂ حضور پرنور پر دنگا بیٹھی تھی۔ نیز دوسرے مطالبے والے مانند سلطان غالب و بالاسود و قلندر بیگ وغیرہ و اہل رسالۂ خاص بھی دنگا کر رہے تھے۔ چنانچہ دولت خانے پر سے نکالدینے کے لیے حکم ہوا تو قلندر بیگ لڑ بھڑ کر مارا گیا۔

جواہرات مرہونہ رقمی ساٹھ لاکھ روپے جس کو ڈٹین صاحب لندن لے گئے تھے اس کو رہن سے چھڑانے۔ اور بڑا الماس جو ساہوکاروں کے پاس رہن تھا اس کو فک رہن کرنے کے لئے پیشگاہ حضور پرنور سے تقاضا ہو رہا تھا۔ اس کے سوائے تعلقات برار جن لوگوں کے رہن میں تھے ان سے بغیر ہنگامہ و فساد کے گزاشتیں لے کر صاحب عالیشان کو دینا ضروری تھا۔ اور کئی رقمیں از رقم برآیندگی تنخواہ وغیرہ دینے کی تھیں۔ ساہوکاروں کے قرضے کی بھی رقم کثیر تھی یعنی دو کرو ستر لاکھ روپیہ تخمیناً ہوا تھا۔ واگزاشت تعلقات جمعداران عرب وغیرہ سے۔

ان تمام امور متذکرہ کا تصفیہ و انتظام آسان نہ تھا۔ اور اخراجاتِ معمولی کے لئے افزائش محاصل کا بندوبست اہم ترین انتظام دیوانی تھا۔ حالانکہ صرف یہی ضروریات و مشکلات نہ تھے بلکہ درستی و خوبی انتظام سرکاری کے لحاظ سے ہر تعلقہ و ہر ضلع میں دیوانی و فوجداری عدالتیں قایم کرنے کے لئے اور ان عدالتوں کی نگرانی کا اہتمام و انتظام صدر میں کرنے اور برائے بہتری انتظام مالی عہدہ داران معتبر و بیش قرار مواجبی مقرر کرکے تعلقات دیوانی امانی میں رکھنے کے واسطے اور دوسرے علٰحدہ سررشتے اہتمام محاصل غیر اراضی کے لئے اور اجرائے پیمائش اراضی و تشخیص و تقرر دہارا کے لئے اور انتظام تعلقداری ضلع واری کے لئے جس سے ڈکیتی اور خونریزی و رہزنی وغیرہ کا انسداد ہو۔ اور تعلقات و اضلاع میں جمعیت کوتوالی ایجاد کرنے کے لئے ٹوٹے ہوئے تالابوں کو ترمیم کرنے اور آبپاشی کے واسطے نالے بنانے کے لئے۔ بلدہ کی اور دیہات کی سڑکیں درست کرنے کے لئے اور تعلقات میں انتظام تعلیم کے لئے۔ اور سرکاری شفاخانے اضلاع میں جاری کرنے کے لئے۔ مصارف صفائی بلدہ و دیہات کے لئے۔ اہتمام ٹپہ اور اجرائی ریل۔ نیز اتفاقی و ناگہانی اخراجات از قسم قحط وغیرہ کے لئے خزانہ کافی و وافی چاہیئے تھا۔ مگر مقام غور ہے کہ اس قدر مشکلات کا سامنا اور حل ہونا ان تمام مشکلات کا منحصر زرخطیرہ خزانہ کثیر پر تھا۔ اور حالت مملکت یہ کہ خزانہ دیوانی خالی قرض کمیاب۔ تعلقات جو عاملان سابق کے تفویض کئے گئے تھے ان کی رقم محاصل صرف تخمیناً بہتر لاکھ چوراسی ہزار ایک سو بہتر روپئے باقی رہ گئے تھے۔

سو وہ معمولی اخراجات کے لئے بھی ناکافی تھے۔ چہ جائیکہ اس سے حل مشکلات موجودہ میں کامیابی کی امید اور مصارف آئندہ کو کافی ہونے کی توقع رکھی جاتی۔

چونکہ بغیر سرمایہ کافی و خزانہ کثیر ملک و ریاست کا کوئی انتظام خوبی کے ساتھ انجام نہیں پاسکتا ہے لہذا نواب مختار الملک بہادر کو لازم ہوا کہ اس عمل جدید میں زمینات خالصہ کی افزایش اور محاصل سرکاری کی ترقی اور تخفیف اخراجات غیر ضروری کی اور تجویز ان مصارف کی جو مناسب موقع پر تہذیب و بہتری ملک میں ہوں کی جائے۔ چنانچہ اصل تدبیر و عین کوشش افزائش محاصل و آسائش رعایا کے لئے یہ کی گئی کہ دیوانی کے تعلقات جو سابق کے عاملوں کو بطور تعلقداری امانی اور تنخواہ داروں کو بطور تنخواہ جاگیر کے سپرد کئے تھے۔ یا ٹھیکہ داروں کو تعہد دئے گئے تھے وہ سب رفتہ رفتہ واگذاشت کرلے کر دیوانی کے اہتمام و انتظام میں لیئے گئے اور تشخیص و تحصیل رقم خام میں امانی کئے گئے۔ اسی طرح جاگیریں اور انعامات اراضی جو معتبر سند نہیں رکھتے تھے یا عطا حاکم مقتدر کی نہ تھی وہ خالصے میں لے لئے گئے۔ اور انتظام مالگزاری و آبکاری میں جدید و مفید تجویزیں عمل میں لائی گئیں۔ یعنی ٹھیکہ داروں کی موقوفی اور ناجائز پٹیات جو ٹھیکہ داروں کے ایجاد کئے ہوئے تھے اور موجب اذیت رعایا تھے جس کی آمدنی سالانہ قریب تیس۳۰ لاکھ روپے تھی موقوف و معاف کر دی گئیں۔ نیز بٹائی اور گڈم کے طریقے کی مسدودی اور دہارے کی رقم نقد کا تعین اور کمال اہتمام پابندی قول میں۔ نیز رواج دینا پیمائش پختہ کا اور تشخیص دہارے کی بمیعاد سی۳۰ سالہ۔ اور پٹیات

ناجائز جن کی تفصیل بیانِ حالاتِ زمانہ سابق میں بتلائی گئی ہے وہ تمام موقوف کردینے کے سوائے دوسرے بعض ابواب مال و محصولات جن کی تحصیل معتد بہ تھی اور تمام ممالک محروسہ میں مانند مالگزاری کے وصول ہوتے تھے اور رعایا کو ناگوار بھی نہ تھی۔ وہ بھی معاف کردیے گئے۔ باین لحاظ کے مالگزاری اراضی کے صیغہ سے خواہ بنام زراعت یا ابواب یا پٹیات قرار دے کر رعیت کاشتکار سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ سب ایک ہی رعیت سے یا اسی ایک قطعہ زمین کی پیداوار سے لیا جاتا ہے۔ پس رعایا پروری سے بعید ہے کہ مختلف ناموں سے اور جدا جدا طریقے ٹھہرا کر رعیت سے روپیہ لینے کا طریقہ جاری رکھا جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ زیادہ ستانی و بدقولی زمانہ سابق سے رعایا شکستہ خاطر و نادار ہوگئی ہو اور طاقت ادائے مال واجب کی جو عین المال ہے نہ رکھتی ہو علیٰ ہذا القیاس سائر و بدیہی اور درآمد غلہ اور محترفہ کے محصولات جو مانع تجارت و حرفت تھے معاف کردیے گئے۔ زہے انصاف و ترحم نواب صاحب مغفور ابواب و محصولات جو کہ معاف کردیے گئے ان کی سالانہ رقم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بابت	رقم سرشکن سالانہ
پٹیات خفیف و متفرق	لک [illegible]
امرائی	[illegible]
بنچرائی	دو لک [illegible]
شہر سدہارنی	[illegible]

بابت	رقم سرشکن سالانہ
سائر و بدیہی	سے لک لعہ للہ معہ
محصول درآمد غلّہ	مہر لک
مخزفہ	صلعہ لہ معہ مہر لک
تخفیف در محصول پنبہ سرنج و نیل وغیرہ	صلے لک

تاآنکہ رعایا عام طور پر اطمینان و امن و آرام کے ساتھ زراعت و تجارت کی ترقی میں مشغول ہوی ۔ اور ادہر محاصل میں روزانہ ترقی ہونے لگی ۔ اور سرکار قرضداری و زیر باری سابقہ سے سبکدوش ہوئی ۔ آمدنی و خرچ افراط و تفریط سے اعتدال کے درجہ پر آیا ۔ بلکہ آمدنی افزونی دکھانے لگی ۔ اسی اثنا میں خوبی اقبال سرکار عالی اور حُسن عمل وزیر باتدبیر سے کئی تعلقات بھی ملک آمانی سے واپس آگئے ۔ الخ

ایک خزانہ عامرہ قایم کیا گیا ۔ دفتر صدر محاسبی ۔ دفتر مہتمم خزانہ ۔ دفتر مہتمم تقسیم منصبداران قرار پایا ۔ بفضلہ سرکاری اعتبار بہت کچھ بڑھ گیا ۔ سلطنت رونق پکڑی ۔ نواب صاحب مغفور کو خصوصاً آغاز دیوانی کے تخمیناً تین سال تک سب سے زیادہ دقت و مجبوری تھی کیونکہ غفران منزل انگریزی قانون وغیرہ کے نام سے نہایت برہم ہوتے تھے ۔ پس اس لحاظ کے ساتھ انتظام ملک کرنے میں مغفور کو سخت مشکل کا سامنا تھا ۔ اور سرکار انگریزی سے اتحاد بڑھانا اور اپنے

ایسے آقا کو راضی رکھنا یہ لیاقت خدا نے مغفور ہی کو دی تھی۔ بعد **غفران منزل** عہد **مغفرت مکان** میں وہ مجبوری نہ تھی تو بھی مصاحبینِ **مغفرت مکان** کی اشتعالک دفتنہ پردازیوں کی وجہ سے نواب صاحب مغفور دل کھول کر انتظام کر نہیں سکتے تھے۔ ایک نہ ایک امر میں معاندین **مغفرت مکان** کو برافروختہ کر دیتے تھے۔ ایسے زمانے میں جان پر کھیل کر جو کچھ انتظام کیا وہ **مغفور** ہی کا کام تھا۔ اور جو دقتیں اور کاہشات لاحق ہوئے ہیں جس کا ذکر عہد **مغفرت مکان** میں کیا جائے گا۔ اس کو مغفور ہی جانتے تھے یا اس زمانے کے وہ لوگ جو اہل فہم و باخبر تھے

بعد **مغفرت مکان** ۱۲۸۵ھ سے البتہ نواب صاحب مغفور کو خاطرخواہ انتظام کرنے کا موقع میسر ہوا اور **مختار الملک** اسم باسمی ہوئے۔

بوجوہات مذکرۂ بالا انتظام کو توالی و عدالت و امنیت بلدہ و بیرون بلدہ جیسی کہ چاہئے مغفور اوّل دیوان ہونے کے بعد بھی کئی سال تک نہ تھی اگرچہ کوتوالی و عدالت کا انتظام بتدریج ہو رہا تھا لیکن علاوہ وجود مذکرہ کے مغفور کو ابتداءً مالی و ملکی امور سترگ کی اصلاح میں زیادہ تر مصروفیت رہی کہ پہلے اس کی اصلاح لازم تھی۔ نیز در اصل جملہ امور ریاست کی اصلاح ایک انسان سے وقت واحد میں ممکن بھی نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مخلوق یہاں کے قانون سے ناواقف محض۔ اعلاؤں کے دماغ میں خود حاکمی سمائی ہوئی۔ عام ہتیار بند متمردی و شورہ پشتی کے عادی۔ جس کا ذکر باب اوّل میں کیا گیا ہے۔ نگاہوں میں نہ کوتوالی کی کوئی

وقعت نہ عدالت کی کچھ حقیقت۔ عدالت موجودہ کا فیصلہ بغل میں لیا ہوا مستغیث برسوں سرگرداں رہتا تھا تعمیل نصیب نہیں ہوتی تھی۔ تعمیل کیونکر ہوتی کہ ایک معمولی شخص کے بھی گھر پر بغرض تعمیل جاتے تھے تو وہ براہ تمرد تعمیل کنندہ کو واپس کر دیتا تھا۔ چہ جائیکہ معززین و امراو غیرہ۔ ان کی ڈیوڑھی پر تو تعمیل کا خیال بھی نہیں جا سکتا تھا۔

نواب صاحب مغفور ایسے زمانے میں مدارالمہام ہوئے تھے کہ عموماً امرا و اہل مقدرت عیش دوست تھے۔ اکثر ناچ رنگ میں مشغول رہتے تھے۔ کسبیوں سے تعلق رکھنا عیب نہ تھا۔ اور ان کے ساتھ جس قدر ہو سکے سلوک کرنا باعث نام آوری و لازمۂ امارت جانتے تھے اگرچہ کتنا ہی قرضہ لاحق ہو جائے۔ گویا اس زمانے کا وہ فیشن تھا۔ چنانچہ مغفور اوّل مدارالمہام ہونے کے بعد بھی چند سال تک حسب عادت قدیم جمعداران ذی حشم وغیرہ بتاریخ ہجدہم ماہ رجب اپنی اپنی کسبی کو با زیور گراں بہا و لباس پر تکلف ہاتھی پر سوار کر کے اپنی جملہ جمعیت پیدل و سوار۔ ڈنکا۔ نشان عرب مرفعہ بجاتے اور ضامن بولتے ہوئے اس کی جلو میں دے کر روز روشن لنگم پلّی کے میلے میں روانہ کرتے تھے۔ اور خود بھی کسی بالاخانہ پر بیٹھ کر بہ کمال افتخار اس کی سواری دیکھتے تھے۔ اور اپنی معشوقہ تمام میلے میں حسن فروشی کے لئے جو پھرتی تھی دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ نشان و علامات جمعیت سے میلے کے لوگ پہچان لیتے تھے کہ فلاں جنگ یا جمعدار کی یہ کسبی ہے۔

باوجود مختار الملک مغفور سا مدار المہام مہذب سرگرم انتظام ملک رہنے کے اہل ملک اپنی اس رفتار قدیم پر قائم تھے۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس زمانے میں خودسری و آزادی کیسی تھی۔ اور یہ بھی غور کے لائق ہے کہ نواب صاحب مغفور کی طبع مہذب و منتظم کے کسی قدر خلاف یہ طریقہ ہوگا۔ مگر کیا کر سکتے تھے۔ اس لیے سردست اہل ملک کی اس رفتار نامہذب سے چشم پوشی مناسب جان کر انتظام ملک و رفاہ خاص و عام میں مصروف رہے تاآنکہ اس امر خاص و مہم عظیم میں بفضلہ کامیاب ہوئے۔ اور خاص و عام غرض کل مخلوق کے دلوں پر مغفور کی وقعت و عظمت چھاگئی۔ اس وقت مغفور کے ادیب تہذیب لئے اثر بخشا اور وہ طریقے متروک ہو گئے۔ مانند طبیب حاذق کہ جب کسی مریض کا سبب مرض محض ناتوانی پاتا ہے تو اس مرض کا علاج نہیں کرتا بلکہ رفع ناتوانی کی فکر کرتا ہے اور طبیعت کو تقویت دیتا ہے تاآنکہ وہ مرض خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔

الحاصل ایسے زمانے میں نواب صاحب مغفور ہی کا کام تھا جو بتدریج وتامّل کوتوالی اور عدالتوں کو ترقی دے کر جس کا ذکر موازنہ مذکور میں آئندہ آئے گا۔ سب کی نظروں میں باوقعت کیا جس کی باعث ظلم کم اور انصاف زیادہ ہونے لگا۔

ابتدائے مجلس مرافعہ کی یہ صورت تھی کہ چاندنی کا سفید فرش اس پر تین رکن چھوٹے چھوٹے میز روبرو رکھ کر کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ تھوڑے زمانے کے بعد کٹگر دار اونچے چبوترے پر کرسیاں رکھی گئیں۔ اس پر حکام عدالت کا اجلاس

حاکمانہ قرار پایا۔ تاآنکہ اہل مقدمات کی نظروں میں فی الجملہ عدالت کی وقعت قائم ہوئی۔

المختصر ہر ایک امر کے انتظام کو نہایت تدبیر و تامل کے ساتھ جیسا کہ اس زمانے میں چاہئے تھا نواب صاحب مغفور نے پورا کیا۔ عام رعایا تو جوں توں عدالت میں رجوع ہونے اور احکام عدالت کو ماننے لگی لیکن حضرات عرب سوائے اپنی قومی پنچایت کے کب کسی کو مانتے تھے۔ حکام ہندی کے روبرو مستغیث ہونے کو عیب جانتے تھے۔ لہذا نواب صاحب مغفور نے عربوں کے جمعداروں سے فرمایا۔ بہتر ہے پنچایت ہی سہی لیکن پنچوں میں سرکاری پنچ بھی شریک رہنا لازمی ہے اس لئے میں خود شریک ہوتا ہوں۔ جمعداروں نے بہ کمال خوشی قبول کیا بلکہ ابوالپنچ اپنا یعنی میر مجلس نواب صاحب کو قرار دیا۔ بعد ازاں نواب صاحب مغفور نے ضرورت تبلا کر حسب پسند جمعداران مذکور ایک عالم فقہ دان یعنی مولوی عبدالقادر صاحب کو مقرر فرمایا اور اس محکمہ کا نام قضایائے عروب رکھا۔ اس میں خاص عربوں کے مقدمات دریافت ہونے لگے۔ فیصلوں کی تعمیل بھی عربوں ہی کے ذریعہ سے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ راہ پر آگئے اور سرکاری عدالتوں میں بھی رجوع ہونے کو گوارا کر لیا۔ محکمۂ مذکور میں ابتداءً مولوی محمود اور ان کے بھائی نے بھی کام کیا ہے۔

فی الجملہ عدالتوں کا انتظام ہوا تھا مگر فیصلوں کی تعمیل عام طور پر نہیں ہونے پاتی تھی۔ اس لئے نواب صاحب مغفور نے میرزا علی محمد خان معتمد الدولہ بہادر ساکن بمبئی کو جو انگریزی سرکار میں کام کیے ہوئے تھے یہاں طلب فرمایا اور خاص

تعمیل فیصلہ جات کے لئے ایک محکمہ موسوم بہ محکمہ اجرائے اعمال قایم فرمایا۔ اس کا صدر بہادر موصوف کو قرار دے کر سمجھا یا کہ ہنوز یہاں کے لوگ قانون سے ناآشنا و جاہل ہیں لہذا موقع و محل دیکھ کر کام کریں۔ مانند سرکار انگریزی کے کارروائی نہ ہو۔

بہادر موصوف کام کرنے لگے تا آنکہ ایک شخص پر حسب فیصلہ عدالت تعمیل جاری کی اور اس کا مال و سامان قرق کیا گیا۔ وہ شخص علاقہ دار محلات مغفرت مکان تھا۔ اس نے جا کر شکایت جو کی تو بنام نواب صاحب مغفور عتاب نامہ آیا کہ اب ہمارے علاقہ داروں کے ساتھ یہ برتاؤ ہونے لگا ہے۔ معتمد الدولہ بہادر نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ جب یہاں کی ایسی نازک معاملت ہے تو مجھ کو معاف رکھیں۔ یعنی استعفا دے دیا۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو عدالتوں کی وقعت قایم کرنے اور بلا رور عایت دادرسی رعایا ہونے کے لئے جو فرض سلطنت ہے نواب صاحب مغفور نے واقعی بڑی بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں۔ حتیٰ یہ کہ اُسی زمانے میں محلّ خاص نواب صاحب مغفور نے ایک اصیل کو بالزام سرقہ اپنے ملازمین سے مار کھلوایا تھا۔ اس اصیل کے دعوے کی بناپر عدالت سے حسبِ قانون بنام محلّ موصوف طلب نامہ جاری ہوا تو جواب دہی کے واسطے اپنے محلّ کی جانب سے بذاتِ خود نواب صاحب مغفور عدالت میں تشریف لے گئے تھے۔ تاکہ ادائے شہادت وغیرہ کے واسطے عدالت میں

جانے کو جو اہل حیدرآباد عیب سمجھتے ہیں وہ عیب اٹھ جانے اور عدالت کی وقعت وعظمت بھی بڑھے۔

اس عدالت کے حاکم اس وقت مولوی محمد امین الدین خاں تھے۔ اور سننے میں آیا تھا کہ انھیں تاکید کی گئی تھی کہ میرے لئے کوئی تعظیم و تکریم عمل میں نہ آئے بلکہ عام اہل مقدمات کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا ہے ویسا ہی میرے لئے ہو۔

اس صورت میں قیاس یہ کہتا ہے کہ طلبنامہ بنام محل خاص موصوف جاری جو ہوا تھا وہ بھی بایماء و اجازت نواب صاحب مغفور ہوا تھا۔ ورنہ ویسے زمانے کی عدالت میں یہ قدرت وجرات کہاں تھی۔

نذر علی خاں نامی جو اہل بھوپال اور مسن شخص ہیں جنھیں نواب صاحب مغفور نے محکمۂ قضاءت میں مہتمم تعمیل کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ اس وقت قاضی صاحب کی دو مہریں تھیں۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ فیصلہ پر بڑی مہر کرانے کو دس روپے مہرانہ لیتے تھے اور چھوٹی مہر کے پانچ روپے۔ جب تک اہل مقدمہ مہرانہ مذکور داخل نہیں کرتا اس کے فیصلہ پر مہر نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے پانسو فیصلے ملتوی پڑے ہوئے تھے نواب صاحب موصوف نے کیفیت سماعت فرما کر اس عمل ناجائز کو موقوف کرنے کے لئے ہدایت کی مگر چونکہ اس زمانے میں رئیس و رعایا کی نظروں میں شریعت پناہ قاضی صاحب ایک وقعت خاص رکھتے تھے اس لیے نواب صاحب مغفور کی ہدایت پر توجہ نہ کی اور اپنے اس عمل ناجائز کو بدستور قدیم بتلا کر جاری رکھنا چاہا۔ آخر کار

نواب صاحب مغفور نے یہ تجویز کی یعنی ایک مہر سرکاری محکمہ قضاۃ کے لئے تیار کرائی اور مہتمم تعمیل کے سپرد کر کے فرمایا کہ اس مہر کو فیصلوں پر ثبت کر کے جاری کرتے جائیں ۔ چنانچہ اسی طرح حکم کی تعمیل شروع ہوگئی اور اہل مقدمات بیچارے خوش ہو گئے ۔

اسی زمانے کا ایک واقعہ زبانی نذر علی خاں موصوف یہ بھی ہے کہ بنام اعظم علی خاں فرخ نگری کئی ہزار روپے کا عدالت دیوانی بزرگ سے فیصلہ صادر ہوا تھا مگر بوجہ سرکشی خان مذکور تعمیل ہوتی نہ تھی ۔ ایک روز خان مذکور سوار اسپ کا گزر راستے سے ہو رہا تھا اور خان مذکور غالباً نہتے تھے یعنی بے ہتیار کے تھے ۔ حکیم مولوی محمد سعید خاں ناظم عدالت موصوف کو یہ خبر جو ملی تو سپاہیوں کو حکم دے کر خان مذکور کو عدالت کی حراست میں لے لیا ۔

نواب صاحب مغفور نے یہ کیفیت سن کر ناظم صاحب موصوف کو کہلا بھیجا کہ رقم تعمیل کے ہم ذمہ دار ہیں اعظم علی خاں کو چھوڑ دو ۔

ناظم صاحب مذکور کو جو اہل بھوپال تھے ضرورت سے زیادہ ضابطہ کی سوجھی اور نواب صاحب مغفور کے جواب میں یہ کہا کہ جب تک رقم تعمیل عدالت میں نہ آئے گی خان مذکور کو نہ چھوڑوں گا ۔

حالانکہ نواب صاحب مغفور کو اپنے حکم کی تعمیل کا نہایت لحاظ تھا مگر افزائش وقعت عدالت بھی ازبسکہ منظور تھی ۔ اس جواب صاف کو ناظم عدالت کے

سماعت فرماکر بکمال ضبط و تحمل فی الفور رقم تعمیل عدالت میں بھیجدی خان مذکور کو عدالت سے رہا کرادیا۔ لیکن بعد ازاں ناظم صاحب مذکور کو بجرم عدول حکمی نظامت سے معزول کردیا۔

چونکہ لائق عہدہ داروں کی اس وقت ضرورت بھی تھی لہذا دو سال کے بعد مولوی محمد سعید خاں صاحب موصوف کو پھر دوسری خدمت دی یعنی محکمۂ دریافت انعامات کا ناظم کیا۔

علیٰ ہذا القیاس انتظام کوتوالی بھی اسی طرح بتدریج ہوتا گیا ہے جس کا مجملاً حال موازنہ مذکور کے فقرہ (۱۴) سے آیندہ ظاہر ہوگا۔ مگر عہد مغفور میں کوتوال اندرون علیحدہ تھا اور کوتوال بیرون بلدہ علیحدہ۔ عہد دیوانی عماد السلطنۃ مرحوم سے اندرون و بیرون بلدہ کی کوتوالی حسب استدعا اکبر جنگ اکبر الملک کوتوال مرحوم ایک ہی ہوگئی ہے۔ اور جمعیت میں افزایش بھی ہوئی۔

موازنہ مذکور بابت ۱۲۸۳ف سے ظاہر ہے کہ ہر ایک امر کے انتظام میں نواب صاحب مغفور کی نظر مداخل پر رہتی تھی کہ ریاست زیر بار نہ ہو۔ چنانچہ صیغۂ مال و عدالت میں افزایش عہدہ داران لائق کی ضرورت بتلاکر فرمایا ہے کہ اجرائی اس تجویز کی منحصر ہے تخفیف اخراجات غیر ضروری و زیادتی خزانہ پر۔

واضح ہو کہ زمانۂ سابق میں تحریر دیوانی بہت بیش قرار تھی چنانچہ اعظم الامرا ارسطو جاہ کے عمل میں بحساب فی روپیہ دو آنہ تحریر دیوانی تھی۔ اور عمل میر عالم بہادر

میں فی روپیہ تین آنے تحریر دیوانی قرار پائی تھی جس کا تخمینہ بائیس لاکھ روپیہ سالانہ تھا عمل نیر الملک بہادر ثالث میں تحریر دیوانی پچاس ہزار روپیہ ماہانہ جس کے سالانہ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں مقرر تھی۔ تحریر پیشکاری مہاراجہ چندو لعل بہادر فی روپیہ آدھے آنے کے حساب سے جس کا تخمینہ دو لاکھ پچاس ہزار روپے سالانہ تھا۔ اس کے سوائے دوسرے ابواب مانند دہ یک وغیرہ تھے۔ نیز دوسرے جملہ اخراجات مہاراجہ کے سرکاری اخراجات میں ملے ہوئے تھے۔ سراج الملک بہادر پچیس ہزار روپے ماہانہ یعنی تین لاکھ روپے سالانہ تحریر دیوانی پاتے تھے۔

مگر آفریں ہے مختار الملک مغفور اوّل کی عالی ہمتی و خیر خواہی پر کہ بنظر زیر باری ریاست اپنی تحریر دیوانی پچیس ہزار ماہانہ میں سے دس ہزار روپے تخفیف کر لئے اور پندرہ ہزار تحریر پیشکاری میں سے پانچ ہزار تخفیف کر کے دس ہزار روپے ماہانہ قرار دیے۔ گویا ایک اپنی تحریر میں دیوانی و پیشکاری ہر دو کام اجرا کئے اور سرکار عالی کی کفایت مد نظر رکھی اور مدت العمر وہی پندرہ ہزار ماہانہ لیتے رہے۔ حالانکہ بکمال جانفشانی و حسن انتظام خسارہ ریاست کو دور اور بافزائش محاصل ملک خزانۂ شاہی کو معمور بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ از روئے موازنہ مذکور بابت ۱۲۸۰ھ ف رقم محاصل بابتہ ۱۲۶۲ ف جملہ لہ الیابا لیعہ لک چوہتر لاکھ ایکاسی ہزار آٹھ سو تر انوے روپے چلتی تھی۔ بعد ازاں اس کو مغفور کے حسن انتظام نے چوگونہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو موازنہ بابتہ ۱۲۹۱ ف جس سے ظاہر ہے کہ جمع بابت ۱۲۸۹ ف

لگ بھگ تین کرور اکتالیس لاکھ اکاون ہزار ہوئی۔ بر ایں ہم اپنی تحریر دیوانی کا تکملہ و اضافہ نہ چاہا۔ بلکہ علاوہ برآں نذروں کی رقم جس قدر جمع ہوتی تھی وہ سب داخل خزانہ شاہی کرنے لگے چنانچہ جب سے وہی دستور جاری ہو گیا ہے۔ ورنہ سابق کے وزرا جو نذریں لیتے تھے وہ انھیں کا حق سمجھا جاتا تھا اور اپنے صرف میں لاتے تھے۔

چونکہ تقسیم ماہوارات ماہ بماہ کا انتظام اہم ترین امور تھا اور بر آیندہ تنخواہ سالہا سال بابتہ زمانۂ سابق کی ادائی بھی سخت مشکل تھی لہٰذا یہ حکم دیا کہ جملہ ملازمین جمعیت وغیرہ بقایا سے دستبردار ہوں اور آیندہ سے بہ تخفیف دہ روزہ تنخواہ ماہ بماہ لیتے رہیں۔

نواب صاحب مغفور نے اپنی پچیس ہزار تحریر دیوانی میں سے دس ہزار جو تخفیف کئے تھے اس میں علاوہ ہمدردی ریاست کے یہ مصلحت بھی تھی کہ ملازمین سرکاری کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اگر خیر خواہِ ریاست ہیں تو اپنی تحریر دیوانی کیوں برابر لے رہے ہیں اس کو تخفیف کیوں نہ فرمایا۔

الحاصل جمعداران و رسالداران عہدویہ وغیرہ بقایا کی دستبرداری و تخفیف تنخواہ سے چند روز ناراض رہے۔ ان میں کے ایک جمعدار جنید خان نامی نے جو سراج الملک مرحوم کے وقت سے توسّل رکھتا تھا حسب ایما و رضائے مغفور ممدوح سے کہا کہ آخر کب تک بغیر تنخواہ گھوڑوں کو ہم پالیں اور تکلیف میں مبتلا رہیں

اب جو ہو سو ہو میں تو جا کر اپنے علاقہ کی ماہواریں لے لیتا ہوں اور آیندہ بفضلہ ماہ بماہ تنخواہیں ملنے سے تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔ حاکم سے مخالفت کر کے کیا فائدہ چنانچہ ہمارے ہم قوم بہت سے چوّن پچپّن مہینے گنتے گنتے مر گئے۔ یہ کہہ کر جمعدار مذکور گیا اور رقم بقایا پر وصول کی مُہر ثبت کر دی اور حسب قرارداد سرکار عالی اپنے علاقہ کی رقم ماہوارات اٹھالائی اور اظہار خوش حالی کرنے لگا۔ یہ کہہ کر دیگر جملہ جمعداران وسلحدار مہدوی چار وناچار تعمیل حکم سرکار پر راضی ہو گئے اور اسی طرح رقم بقایا پر مہر وصول ثبت کر کے حسب قرارداد سرکار ماہواریں اپنی اٹھالائے۔ بفضلہ منصبداران و امتیازیان وجمعیت متفرقات وغیرہ جملہ ملازمین کی تنخواہ ماہ بماہ تقسیم ہونے لگی۔

یا فقط نام تنخواہ کا سُنتے تھے اس کی صورت سے واقف نہ تھے۔ اب جو ماہ بماہ تنخواہ ملنے لگی تو ایک عام خوش حالی پدید تھی۔ ہر گھر میں گویا عید تھی۔ بنئے بقالوں کے ہاتھوں سے نجات ملی افلاس دُور ہو گیا۔ دوست دشمن سب یک زبان۔ نواب سالار جنگ بہادر کے مدح خوان۔ جا بجا چرچے کہ سراج الملک کا بھتیجا کیا لائق نکلا ہے ماشاء اللہ۔ اس کمسنی میں یہ عقل وتدبر سبحان اللہ۔ ایسا دیوان تو آج تک کوئی نہیں ہوا یہ خداداد ہے۔ اس کی نسبت نواب ناصر الدولہ بہادر کا صحیح ارشاد ہے کہ گھوڑے پر سے ہیں ہیرا ملا ہے کیا پوچھنا کلام الملک ملک الکلام لیکن ہیرے کو پہچاننا بھی جوہر شناس ہی کا کام ہے۔ زہے بصیرت و فراست

شاہی انتخاب اس کا نام ہے۔ الحاصل ایک عرصے تک اس خوش دلی کے آثار ملازمین سلطنت سے پیدا تھے۔ اگرچہ اس کے سوائے اور بہت سے انتظامات ریاست باعث رفاہ عام و موجب آرام انام وقوع میں آئے لیکن ابتدا ہی میں اس ماہ بماہی تنخواہ کے حسن عمل نے ایسا نقش دلوں پر جما دیا کہ بیساختہ ہر ایک کی زبان سے دعا نکلنے لگی اور عام رضامندی پھیلی۔

ایک قدیم بزرگوار مولوی سیّد عطاء اللہ صاحب منصبدار ساکن محلہ نورالامرا کا بیان ہے کہ جس وقت ابتدائی تقسیم تنخواہ منصب کی خبر نقیب نے دی ہے مجھ کو باور نہ ہوا بلکہ یہ سمجھا کہ شاید کسی نے مزاح کی ہے لیکن پھر دل میں آیا کہ دیکھوں تو سہی۔ جا کر دیکھا تو واقعی روپے لُٹ رہے ہیں تقسیم ہو رہی ہے۔ منصبدار رومالوں میں رقم باندھ باندھ کر لے جا رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ شکر ہے اللہ نے یہ دن بھی دکھلایا۔ تا آنکہ میرا نام بھی پکارا گیا اور مجھے ماہوار ملی۔ کچھ نہ پوچھئے اس وقت کی خوشی کا حال تقسیم پر سے آتے ہوئے کچھ پارچہ وغیرہ عیال و اطفال کے لئے بازار سے خرید لیا کہ خدا جانے پھر کب تقسیم ہو۔ جب دوسری تقسیم کی خبر ملی تو دل نے کہا یہ تو بیشک کسی نے مذاق کیا ہے۔ پرسوں تقسیم ہوئی ہے دس پانچ روز میں پھر یہ تقسیم کیسی۔ اصل یہ ہے کہ تقسیم تنخواہ برسوں میں ہوتی تھی اس کے مقابل میں یہ ایک مہینہ ایسا معلوم ہوا کہ چند روز گزرے ہیں۔ الحاصل جب دفتر تقسیم پر گیا تو دیکھا واقعی تقسیم ہو رہی ہے۔ اسی طرح چند ماہ تک ہر تقسیم پر

ایک استعجاب شادی آمیز ہوتا رہا۔

مغفور نے اس حسن عمل کو تا دم زیست تیس برس تک جاری رکھا اور جملہ ملازمین سلطنت کو ماہ بماہ تنخواہ پانے کا عادی کر دیا کہ بعد مغفور موصوف ہر مدار المہام کو اس حسن عمل کا جاری رکھنا لازم ہو گیا۔ بلکہ جملہ امرائے سلطنت کو بھی یہ حسن عمل لازم ہوا ہے۔ جو امیر اس کے خلاف متعمل ہوتا ہے یعنی ملازمین کی تنخواہ ماہ بماہ نہیں دیتا ہے تو اس کے کارخانہ کا ذکر برائی سے کیا جاتا ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مغفور نے واقعی یہ بڑا کام کیا۔ بیچارے منصبدار وغیرہ اس فلاکت سے جس کا بیان حالات زمانہ سابق میں کیا گیا ہے نجات پائے۔ رفاہیت کی صورت دیکھی حوصلے بڑھ گئے۔ صرف تمثیلاً بطور مشتی از خروارے اندکے از بسیار اس امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ زمانۂ سابق میں سوائے امرا و ذی مقدرت کے دوسرا کوئی اپنی دختر کے جہیز میں چاندی کا پلنگ نہیں دے سکتا تھا اب بفضلہ نیک روپیہ تیس چالیس روپے ماہوار دار بھی چاندی کا پلنگ دیتا ہے۔ یہ برکت اسی ماہ بماہ تنخواہ پانے اور ساہوؤں کے ہاتھوں سے چھوٹ جانے کی ہے۔

الغرض ہنوز انتظامی مشکلات کامل حل نہ ہوئے تھے کہ مغفور کے لئے عجیب نازک وقت اور ہجوم افکار کا زمانہ آیا یعنی غفران منزل سا قدردان مالک اور بادشاہ کی رحلت اور جمعداران عرب جو اس وقت کمال زور پر تھے ان سے مغفور کا برسر حساب ہونا اور واگزاشت تعلقات کی بنا اور ادھر دہلی میں جو غدر ہو رہا ہے

اس کے چرچے تمام حیدرآباد میں ہو رہے ہیں کہ اہل دہلی نے تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا اب وہاں نام کو انگریز نہیں رہا۔ ہر ملک کے اوباش لٹیرے تو ایسے موقع کے آرزومند رہتے ہیں لہذا یہاں کے اوباش بھی باہم مشورے کرنے لگے کہ اب اچھا وقت آیا ہے۔ اورنگ آباد کے چند مفسد متعلق غدر جو یہاں آکر گرفتار ہوئے تھے انھیں مغفور نے سرکار انگریزی کے حوالے کر دیا تھا تو یہاں کے عوام الناس کو سخت ناگوار ہوا تھا اور اندرونی طور پر ہر ایک کو جوش جہاد پیدا ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ **حضور پرنور مغفرت مکان** اور **مدار المہام مغفور** کو دھمکی دی گئی کہ انگریزوں سے اس وقت جہاد نہ کیا جائے گا تو ہم شاہ و وزیر کی جان کا لحاظ ہرگز نہ کریں گے مگر آفریں ہے رئیس و دیوان پر کہ ہراس کو مطلق پاس آنے نہ دیا اور کمال استقلال سے بندوبست رکھا۔ فوج باقاعدہ تو اس وقت نہ تھی لامحالہ عربوں کے جمعداروں کی تالیف قلوب کر کے جملہ دروازوں پر شہر کے عرب بٹھا دیے گئے اور حکم دے دیا گیا کہ جس کو ہنگامہ آرا دیکھو گولی مار دو۔ باوجود اس اہتمام کے **طرہ باز خان** برفاقت **مولوی علاء الدین** پانسو روہیلے فراہم کر کے آمادہ ہنگامہ آرائی ہو گیا چنانچہ ماہ شوال روز جمعہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں دو پہر کے بعد دہلی دروازہ کی راہ سے مع ہمراہی چلا۔ اوباش بلدہ تو ایسے وقت کے منتظر ہی تھے ہر ایک سمت سے جوق جوق نکل کر ان میں شامل ہونے لگے تا آنکہ رفتہ رفتہ پانچ ہزار کے اندازہ میں وہ مجمع ہو گیا۔ مغفور اول نے دیکھا کہ اگر اس ہنگامے کو روکیں تو لامحالہ

کشت و خون ہوگا اور یہ روہیلے وغیرہ اوباش بلدہ ہی میں لوٹ مار شروع کردیں گے لہذا بکمال دانائی و دور اندیشی ان بلوائیوں کے متعرض نہ ہوئے مگر یہ کیا کہ پیش از پیش کرنل ڈیوڈسن رزیڈنٹ بہادر کو مطلع فرمادیا کہ اپنی حفاظت کا انتظام کرلیں اور بلارعایت ان بدمعاشوں کی سرکوبی کریں۔

ازبسکہ ان دنوں میں ہر جگہ چرچے غدر دہلی کے تھے اور دہلی میں عیسائیوں کا مع عیال واطفال مارا جانا مشہور ہوگیا تھا جس کے باعث خود سرکار انگریزی متزلزل و کمزور تھی اور یہاں کے تمام عیسائی نہایت پریشان تھے کہ دفعتاً اس ہنگامے کی خبر چھاونی میں پھیلی۔ رسالہ رویداد حیدرآباد دکن سے ظاہر ہے نیز بعض مسن لوگ اس زمانے کے بیان کرتے ہیں کہ عیسائی عورتیں اور لڑکیاں گل رخسار اپنے اپنے بنگلوں سے نکل کر مانند ابر بہار اشک ریزاں حواس باختہ افتاں وخیزاں رزیڈنٹ بہادر کی کوٹھی میں پناہ لینے کو چلی جارہی تھیں۔

رزیڈنٹ بہادر نے بمجرد اطلاع ہنگامہ مذکور کوٹھی کی فوج کو مستعد کرلیا اور سکندرآباد سے بھی جمعیت آگئی میجر برگس نے دو توپیں کوٹھی کے دروازہ غرب رویہ کے باہر لاکر لیس رکھا تا آنکہ بلوائیوں کی فوج یعنی آگے روہیلے اور ان کے پیچھے شہر کے اوباش۔ کوئی سپر تلوار لئے بشاش۔ کسی کے پاس کہنہ بندوق اکثر توڑے دار اور بانسے لئے ہوئے دین دین کہتے ہوئے گوئی گوڑہ تک پہنچے۔ طرہ باز خاں کے خاص خاص جانباز سب سے آگے بنگلیوں کی

باولی کے پاس پہنچتے ہی ایک توپ گویا سلامی کی میجر موصوف نے سرکی۔ مگر ازراہ انسانیت پہلے ہوائی فیر کیا کہ ڈر کر پلٹ جائیں۔ جب دیکھا کہ بدمعاشوں کو مطلق اثر نہ ہوا اور وہی جسارت باقی ہے تو دوسرا فیر اس مجمع ناجائز پر کیا جس سے کئی مر گئے اور کئی مجروح اپنے خون میں لوٹنے لگے۔ یہ دیکھ کر بقیہ جانبازان طرہ بازخاں نے مرزا ثابت علی کے مکان میں جو وہیں واقع ہے پناہ لی۔ اور بندوقیں سر کرنے لگے۔ عقب کے دین دین کہنے والے جو تھے انھوں نے دیکھا کہ لوٹنا تو نہیں ہے یہاں اپنے خون میں لوٹنا ہے۔ بانسے پھینکدئے اور جوتیاں ہاتھ میں لیں اور سیدھا اپنے گھر کا راستہ لیا۔ چونکہ اس وقت میں ایسے مکانات حائل نہ تھے بلکہ اکثر میدان تھا اس لئے گھبرا گھبرا کر پیچھے دیکھتے بھی تھے کہ مبادا کوئی گولا یہاں تک آئے اور بھاگے جاتے تھے۔

طرہ بازخاں اور ہمراہیوں کو یہ سوجھی کہ مرزا ثابت علی کے مکان میں سے دیواریں پھوڑتے ہوئے کوٹھی کے دروازہ تک پہنچ جانا چاہئے۔ چنانچہ جب محمد اعظم علی خاں کے بنگلے کی دیوار توڑنے لگے تو خان مذکور نے فی الفور رزیڈنٹ بہادر کو خبر کر دی۔ بہادر موصوف نے حفاظت کے لئے چند سپاہیوں کو بھیج دیا۔ اس عرصہ میں شام ہوگئی۔ باغیوں نے دیکھا کہ یہاں کامیابی کی امید نہیں لہذا صبح تک بتیس زخمی اور بسمل کو چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

نواب صاحب مغفور نے طرہ باز خاں اور مولوی علاء الدین کی گرفتاری کے لئے بنام تعلقداران ممالک محروسہ احکام جاری کئے اور اشتہار دیا کہ ان دونوں کو جو گرفتار کر لائے گا ہر ایک کے لئے پانچہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ طرہ باز خاں کی خبر اپنے نواح میں نرکھوڑہ کے زمیندار نے جو پائی تو اپنے سپاہیوں کو لے کر پہنچا۔ زندہ گرفتار ہونا ممکن نہ تھا اس لئے طرہ باز خاں کی ران پر گولی ماری جس سے وہ گر کر پھر اٹھ نہ سکا اور گرفتار ہو کر سرکار میں آیا۔ سرکاری طور پر اس کا علاج ہوا روزانہ دو روپے اس کی خورونوش کے لئے مقرر ہوئے تھے اور زخم اس کا چنگا ہو گیا تھا مگر لنگ باقی تھا بایں ہم ایک روز موقع پاکر قید سے نکل گیا۔ تا آنکہ ۱۲۷۵ھ میں تعلقہ تو پران کے راستے پر مرزا قربان علی بیگ تعلقدار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی لاش یہاں آئی اور دفن کر دی گئی۔ سنا گیا کہ طرہ باز خاں تعلقہ تو پران کی ایک باولی میں پانی پینے کی غرض سے اترا تھا تعلقدار مذکور نے موقع پاکر باؤلی پر سے گولی ماردی ہنگامہ مذکور بالا کے بعد کئی روز تک سکندر آباد کی فوج بغرض حفاظت رزیڈنسی میں رہی۔ نیز نواب صاحب مغفور نے بھی غالب جنگ جمعدار کے علاقہ کے عربوں کو چھاونی کی حفاظت کے واسطے چند روز متعین فرما دیا تھا۔ اسی عرصہ میں علاء الدین مفرور مذکور بھی گرفتار ہوا۔ اس کو بعبور دریائے شور حبس دوام کی سزا دی۔

سنہ ۱۲۷۰ھ میں مغفور اول جو مورد عنایات تھے نو براہ عزت افزائی و قدر دانی **مغفرت مکان** نے دعوت قبول فرماکر مع محلات مبارک رونق افزائے محل وزارت ہوئے تھے چنانچہ مغفور نے اپنی سکونتی جملہ حویلیاں باغ بارہ دری فرش وشیشہ آلات وفرنیچر وغیرہ سے آراستہ کردے کر خود مع زنانہ منڈی والے مکان میں فروکش ہوئے تھے جلوخانہ کے اندرونی دروازے سے لے کر بارہ دری کی پھاٹک تک سراپے نصب کردئے گئے تھے لہذا چھتہ کی حویلی اور بارہ دری ایک ہوگئی تھی۔ محلات شاہی کی ستورات حویلی مذکور سے بارہ دری میں بلا تامل جاتی آتی تھیں۔ بارہ دری میں نو چمن کے دونوں جانب انگور کے منڈوے جو نہایت طولانی تھے ان میں بحسن اتفاق انگور کی فصل ہونے کی وجہ سے تمام خوشوں کو سنہری اور روپہلی بادلے کی تھیلیاں پہنادی گئی تھیں۔ اور بیچ کے نو چمنوں میں لالہ نافرمان لہلہا رہا تھا۔ عجب لطف وطرفہ بہار تھی۔ چونکہ باغ بارہ دری لب رود موسٰی واقع ہے اس لئے مغفور نے بغرض حفاظت محلات شاہی رود موسٰی کے اس کنارے پر پہرہ بندی کا انتظام کیا تھا اور پہرہ والوں کے لئے راوٹیاں وغیرہ جابجا نصب تھیں۔

الغرض اعلیحضرت مع محلات مبارک رونق افزا ہوکر تین یا چار روز گذرے تھے اور نہایت اہتمام سربراہی مہمانداری میں ہو رہا تھا کہ حاسدان ومعاندان فتنہ انگیز کے دلوں میں آتش حسد بھڑکی اور دفعتًا حاضر ہوکر عرض

کیا کہ پیرو مرشد یہاں مطمئن تشریف فرما ہیں حالانکہ انگریزی فوج پیرو مرشد کے لئے بیرون بلدہ ندی میں آگئی ہے اعلیٰحضرت کے دل میں چونکہ پہلے ہی سے معاندوں نے اس قسم کی توہمات پیدا کر رکھے تھے۔ اس خبر بے اصل کو سماعت فرمانے کے بعد پھر کیا تھا مخبران کاذب کے قول کا یقین ہو گیا اور فی الفور سواری طلب فرما کر بہ کمال عجلت بلا جلوس سواری ایوان شاہی میں داخل ہو گئے اور حسب الحکم اقدس جملہ محلات مبارک اسی وقت واپس روانہ ہو گئے۔

مقام غور ہے کہ یہ خبر ملالت اثر دفعتاً پہنچی ہو گی تو مختار الملک مغفور کے دل کو عین شادمانی میں کیا صدمہ اور کس قدر رنج و ملال ہوا ہو گا۔ اگرچہ بعد ازاں ان مفتریوں کو جو اس ضیافت و مسرت شاہ و وزیر کے مخرب ثابت ہوئے حسب مناسب سزائیں دی گئیں۔ قلعہ گولکنڈہ میں مقید ہوئے لیکن عین ضیافت میں اس بے لطفی کا ملال خاطر مغفور کو جو ہوا تھا وہ کیونکر رفع ہو سکتا تھا۔ تاریخ مہمانی موصوف مسمّی محمد امین نے خوب کہی ہے۔ اس لئے درج ذیل ہے قطعہ

زہے نواب مختار الممالک — کہ از جہش عیان شانِ وزارت
جواں سال و جواں دولت جواں بخت — گرامی گوہرِ کانِ وزارت
نمودہ شاہ خود را مہمانے — بصد تزئین بر خوانِ وزارت

بآئینِ شہان جشنِ ضیافت	مہیا شد ز سامانِ وزارت
پسندِ شاہ گشتہ خدمت او	خلائق ہم ثنا خوانِ وزارت
چو کردم عرض بہر سال فرخ	حضورِ سرو بستانِ وزارت
چہ خوش تاریخ آن برجستہ فرمود	شہم آمد بر ایوانِ وزارت

بتاریخ ۱۹ ماہ شعبان ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۶۱ء ایک اور واقعہ عظیم وقوع میں آیا۔ یعنی کرنیل ڈیوڈسن رزیڈنٹ بہادر اور مغفور اول حضوری دربار سے فارغ ہو کر ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے نکل رہے تھے ایک شخص جہانگیر خاں نام نے غضب کیا یعنی ہر دو معززین موصوفین پر قرابین فیر کر دی۔ حافظ حقیقی نے ان دونوں معززین پر فضل کیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ رئیس و ریاست پر اپنا فضل فرمایا۔ تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ خدا نکردہ اگر رزیڈنٹ بہادر کی جان کا ضرر ہوتا تو نتیجہ اس کا کیا ہوتا۔ آیا جہانگیر خاں اور اس کے مغویوں کو اتنی بھی سمجھ نہ تھی کہ اگر مختار الملک بہادر سا وزیر باتدبیر و خیر خواہِ سلطنت کی ہلاکت بھی کچھ کم مضرت رسانِ ریاست نہ تھی۔ لیکن اس کو کور فہم کیا جانتے اس کے جاننے والے عقلا تھے چنانچہ استاد نواب صاحب مغفور میر روشن علی خاں شہسوار کے داماد میر قاسم علی منصبدار مع چند ساکنین مغلپورہ انتقال نواب صاحب مغفور کے چند روز قبل یہاں سے روانہ کربلا معلی ہو چکے تھے بغداد میں پہنچ کر ڈیڈی صاحب سے ملاقی ہوئے صاحب موصوف نے

خبر دی کہ تمھارے شہر کے مختار الملک کا انتقال ہوگیا۔ اور کہا کہ ہر چند مجھ میں اور ان میں صفائی نہ تھی لیکن ان کے انتقال کا مجھ کو افسوس ہوا بعدازاں یہ بھی کہا کہ تمھارے شہر کے باہر مولا علی کا جو پہاڑ ہے ویسا پہاڑ اب ان کے انتقال سے ریاست حیدرآباد پر گرا ہے سمجھو۔

ٹوپڈی صاحب دراصل دانایان فرنگ سے اور یہاں ایک مدت تک مددگاری پر رزیڈنٹ بہادر کی معمور تھے لہذا مختار الملک مغفور کی دانائی و فراست کو خوب جانتے تھے اور باوجود مخالفت جو بات حق تھی کہہ دی۔ ہر شاطر ماہر کو مقابلہ کے شاطر ہی جانتے ہیں کہ کس پایہ کا ہے۔ ملاحظہ ہو مرقعہ عبرت کہ یورپ کے وزراو عقلا نے تحریرات و تقریرات میں مغفور کی نسبت کیا کہا اور کس پایہ کا عقلمند مانا ہے اور کس درجہ خیر خواہ اپنے ملک و مالک کا جانا ہے۔ نیز زمانہ رحلت مغفور میں ایک اخبار کا یہ مضمون ہے کہ مسٹر بیلی ممبر پارلیمنٹ جس کو لوگ نواب صاحب مغفور کے دوستوں میں شمار کرتے تھے اس نے بعد تحقیق خبر رحلت نواب صاحب مغفور اہل پارلیمنٹ سے کہا کہ اب سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان پر ہمارا کامل تسلط ہوا ہے ورنہ سر سالار جنگ سا شخص مدبر موجود رہے تک ہمارا تسلط لائق اطمینان نہ تھا۔

الحاصل جب اس بدبخت نے دیکھا کہ فرامین سے کام نہ نکلا تو فی الفور تلوار میان سے کھینچ لی اور مغفور پر حملہ کیا۔ فتح علی خانساماں نے جس کا ذکر واقعہ عہد ویان

وسراج الملک مرحوم میں آچکا ہے بیچ میں آکر اس کے وار کو روکا۔ پھر تو جملہ ہمراہیان مغفور اس پر ٹوٹ پڑے۔ اگر پنبہ دار چہلتا اس کے جسم میں نہ ہوتا تو ٹکڑے ہو جاتا۔ بسبب چہلتے کے جو ایک خاص قسم کا تھا تلواریں پورا کام نہ کر سکیں چنانچہ میر تہور علی صاحب نے بھی جو بعد ازاں مخاطب بہ جلال الدولہ بہادر ہوئے ہیں۔ وار کیا تھا تو تیغہ ان کا اس کے چہلتے میں در آکر پھنس گیا تھا۔ اس میں سے بدقت نکالا گیا۔ چنانچہ وہ تیغہ اور ایک قدیم کتاب مصنف کے قلم کی جس پر کسی بادشاہ کے ہاتھ کی تحریر بھی تھی یہ ہر دو چیزیں محبوب یار جنگ مرحوم نے بطور تحفہ و یادگار وکٹوریہ میموریل (نمائش گاہ) میں جس کا آغاز لارڈ کرزن کے عہد میں ہوا تھا پیشکش کر دیا۔ بزمانہ لارڈ منٹو۔

الحاصل زخمی ہونے کے بعد گرفتار ہوا مغفور کے بعض ملازمین جو ہمراہ تھے بیان کرتے ہیں کہ وہ وقت بھی ایک عجیب حشر نما تھا۔ ایک کی خبر ایک کو نہ تھی۔ باوجودیکہ رزیڈنٹ بہادر اور نواب صاحب مغفور ہاتھ میں ہاتھ لئے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت دونوں صاحب دو طرف ہو گئے۔ اندر کے اور باہر کے لوگ جمع ہو کر ایک مجمع عظیم ہو گیا تھا۔ جب جہانگیر خاں گرفتار ہو گیا تو نواب صاحب مغفور کو ہم نے دیکھا کہ بہ کمال پریشانی ہر ایک سے پوچھ رہے تھے کہ بڑے صاحب کہاں ہیں۔ جب بڑے صاحب صحیح و سالم مل گئے تو اس وقت مطمئن ہو کر ہاتھ میں ہاتھ ملا لیا۔

مرقعۂ عبرت میں مرقوم ہے کہ نواب صاحب مغفور کے ایک ہمراہی نے قبل اس کے کہ قرابین فیر ہو اس کا منہ پھیر دیا اور اسی وجہ سے یہ دونوں صاحب محفوظ رہے۔ اسی زمانے میں مولّف نے یہ سنا کہ عین فیر کرنے کے وقت کسی نے قرابین پر زور سے ہاتھ مار دیا جس کے باعث قرابین کا منہ زمین کی طرف جھک گیا۔ بہرحال اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس شخص کی بدنصیبی پر افسوس ہوتا ہے کہ ایسا کارِ نمایاں کر کے بغیر صلہ و انعام روپوش و گمنام رہا۔ الحاصل فضل خدا ہو۔ ایک موٹا چھرّا امیر تہور علی صاحب کے پاؤں میں لگا تھا۔ ظالم نے قرابین میں خدا جانے کیا کیا بھر ا تھا۔ علاوہ چھرّے اور گولیوں کے پارہ بھی تھا کیونکہ حاجی جمال محمد سراج الملک مرحوم کے وقت کا شاگرد پیشہ جو مغفور کے ہمراہ تھا۔ ذکر کرتا تھا کہ بعد دفع انتشار جب ہم سب نواب صاحب کے پاس جمع ہو گئے تو مجھ کو دیکھ کر نواب صاحب مغفور نے فرمایا تھا تمھارے منہ پر کیا لگا ہے۔ میں نے رومال سے پونچھ کر دیکھا تو پارہ تھا۔ شاید دور رہنے کی وجہ سے پارہ سرد ہو گیا تھا اس لیے جلد پر جم کر رہ گیا۔

المختصر اعلیٰحضرت نے ملاقات کے مکان میں رزیڈنٹ بہادر اور نواب صاحب مغفور کو دوبارہ طلب فرما کر بعد کلماتِ تاسف و ہمدردی رخصت فرمایا۔ مغفور اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ رزیڈنٹ بہادر کو ان کی کوٹھی میں پہنچا کر اپنے دولت سرا میں واپس آئے۔ جس وقت نواب صاحب اور رزیڈنٹ بہادر ہاتھی پر سے

اترے ہیں تو رزیڈنٹ بہادر کی میم صاحبہ جو منتظر و مضطر استادہ تھیں آگے بڑھ کر نواب صاحب سے ہاتھ ملایا اور نہایت شکریہ ادا کیا۔

واضح ہو کہ مجرم سے بہت کچھ استفسار کیا گیا لیکن اس بدمعاش نے سوائے بے اصل حیلوں کے اصل مطلب کو اصلا نہ بیان کیا اور بسبب جراحات کاری کے چند روز میں مر گیا۔

فتح علی خانساماں مذکور بھی اگر انصاف سے دیکھا جائے تو واقعی فدائی و جان نثار دلی مغفور کے گھر کا تھا۔ خانساماں مذکور کے متعلق ایک اور واقعہ یاد آگیا ہے اگرچہ ان جان نثاریوں کے بعد جن کا بیان ہو چکا ہے اس واقعہ کی کوئی وقعت نہیں ہے اور ایک ادنی بات ہے لیکن جان نثاران ذی عقل و فہم زمانہ حال و استقبال کے لئے ایک اعلی سبق ہے۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔ واقعہ مذکور یہ کہ ایک روز ایوان شاہی میں بغرض دربار نواب مختار الملک بہادر و مہاراجہ نرندر پیشکار بہادر اور نواب محمد رشید الدین خاں وقار الامراء بہادر وغیرہ امرائے پائیگاہ بانتظار برآمدی حضور پرنور حاضر تھے۔ دفعتاً دیکھتے کیا ہیں کہ فتح علی خانساماں اپنے مقام سے گوشۂ رومال پھیلایا ہوا جھپٹا اور مختار الملک بہادر کے سر پر کوئی چیز اوپر سے آرہی تھی اس کو اپنے رومال میں لے لیا اور اپنے مقام پر جاکر پھر کھڑا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جنگلی کبوتر جو اوپر بیٹھا ہوا تھا اس پر خانساماں مذکور نے نظر رکھی تھی۔ جب دیکھا کہ وہ بیخال کرنے کو ہے تو بکمال تیزی قریب اپنے

آقا (مختار الملک بہادر) کے پہنچ کر سر گین کبوتر کو اپنے رومال میں لے لیا۔ یہ حسن خدمت خانساماں مذکور دیکھ کر نواب وقار الامرا بہادر نے نہایت تحسین و آفرین کی اور فرمایا کہ ایسے کو صرف جان نثار نہیں بلکہ اپنے آقا کا عاشق زار کہنا چاہئے۔ ایسے جان نثار کسی کو نہیں میسّر ہوتے۔ خوش قسمتوں کو ملتے ہیں۔

جب جان نثاریاں خانساماں مذکور کی بیان کی گئی ہیں تو اس کے آقاؤں کی قدردانیوں کو بھی بیان کرنا لازم ہوا۔ ناظرین کو یہ نہ خیال نہ ہو کہ ایسے جان نثار کی قدردانی بھی ہوئی یا نہیں۔

واضح ہو کہ علاوہ عطایائے نقد و جنس جن کی تفصیل اس وقت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے ایک یہ صلہ و سلوک ظاہر و بیّن ہے کہ سراج الملک بہادر نے اپنی جاگیرات میں سے آٹھ دس ہزار روپے محاصلی جاگیر خانساماں مذکور کو عطا فرمائی تھی۔ اور اپنی ڈیوڑھی کے متصل اپنے علاقہ میں مکان عالیشان بنوا دے کر اپنے نزدیک اپنے جان نثار کو رکھا تھا۔ بعد سراج الملک مرحوم نواب مختار الملک بہادر بھی بہت قدردان اس کے رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ روبرو فتح علی مذکور کے اس کے فرزند بندہ علی نے قضا کی۔ صرف ایک لڑکا بندہ علی مذکور کا یٰسین علی نام تھا سو بعد اپنے جد کے بجائے جدّ خود ہمراہی میں نواب صاحب مغفور کی رہنے لگا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یٰسین علی کو سرا کی شکایت ہے تو مغفور نے اس کو نوکری معاف کر دی اور عنبر علی خانساماں کو کوچ بکس پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ بعد مغفور کہ جب

یٰسین علی نے بھی قضاء کی اور اس کے گھر میں بسبب صرف اناث رہنے کے غیروں کا دخل ہوا اور یٰسین علی کی لڑکیوں نے جاگیر کو اپنی ذاتی سمجھ کر اسٹیٹ سالار جنگی کی پروانہ کی اور سرتابی کی اس لئے عنبر علی خانساماں نے جاگیر مذکور اسٹیٹ میں واپس لے لی۔ اگر پسماندگان یٰسین علی مذکور اسٹیٹ موصوف سے متوسّل رہتے اور نگرانی و سرپرستی عنبر علی خانساماں میں اپنے کارخانہ کو رکھتے تو جاگیر بھی بدستور بحال رہتی اور لڑکیوں کی شادی وغیرہ بھی بآئین بہین ہو کر گھر کا انتظام خوبی کے ساتھ رہتا۔

واضح ہو کہ اوایل سال ۱۸۶۶ء میں اور ایک حادثہ سے مختار الملک بہادر کو حافظ حقیقی نے بچالیا۔ وہ یہ کہ ۱۲۸۲ھ میں عید الفطر کا دربار تھا حسب معمول نواب صاحب مغفور بوچے میں سوار ہو کر جارہے تھے۔ بوچہ میں نشست مانند کرسی کے ہوتی ہے چھت اس کی ڈھنکی ہوئی مثل ہنس کے مگر مستطیل نہیں بلکہ قدرے مدّور ہوتی ہے اور ہر دو جانب اوپر کے حصّہ میں آئینے بھی نصب رہتے ہیں اس لئے اس میں بیٹھنے والا نظر آتا ہے اور بوچہ کے ہمراہی سپاہی جو خاص ڈریس کے بلند و بالا ملازم کئے گئے تھے وقت سواری اطراف بوچہ کے تھے۔ جس وقت بوچہ نواب صاحب مغفور کا چارہی دروازے کے مقابل لاڈ بازار کے آغاز میں جس کا حال باب اول میں بیان کیا گیا ہے پہنچا تو ایک اجل رسیدہ نے بازار مذکور میں سے تاک کر بندوق سر کی۔ اس کی گولی بوچہ کے آئینہ کو توڑ کر مغفور کی

دستار پر سے گذر گئی اور جانب راست کے آئینہ کو توڑ کر باہر جو سپاہی بوچہ کا تھا اس کے سینہ و گردن کے درمیان لگی آفرین ہے سپاہی مجروح مذکور پر کہ زخمی ہوتے ہی بندوق فیر کرنے والے کی جانب دوڑا اور اس کو گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جنبیہ کھینچ کر چاہتا تھا کہ مارے مگر اس عرصہ میں بے ہوش ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کے دوسرے سپاہی بھی پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ وہ مجرم مارا جاتا مگر نواب صاحب مغفور نے حکم دیا کہ اسے قتل نہ کرو زندہ گرفتار کر لو لہذا گرفتار کر کے مغفور کے دولت سرا پر لے گئے جب کہ سواری مغفور کی بارگاہِ شاہی پر پہنچی اور اتر کر داخل دربار ہوئے چونکہ اس واقعہ کی خبر ہو گئی تھی اعلیحضرت مغفرت مکان نے کمال عنایت سے کیفیت پوچھی اور بلا ٹل جانے کا شکر خدا فرمایا۔

دربار سے واپس آکر مغفور نے مجرم کو کوتوالی بھیجا۔ ہر چند اس سے برفق و مدارا پوچھا گیا کہ تو نے یہ حرکت کس کے اغوا سے کی مگر اس نے بھی کسی کا نام نہ بتلایا نواب صاحب مغفور کا قصد تھا کہ چندے اور اس کو رہنے دیں لیکن اعلیحضرت نے از بسکہ بہ کمال مرحمت خداوندی اپنے خیر خواہ وزیر کے دشمن جانی کو سزا دینے اور قتل کرنے کے لئے سخت تقاضا فرمایا اس لئے اس کی گردن ماری گئی۔

الحاصل امور انتظام مالگزاری کے لئے ابتداء ۱۲۸۱ھ میں ایک مجلس قرار پائی تھی جس کے تحت معاملات کوتوالی و تعمیرات و صفائی و تعلیمات و طبابت و

کاغذ ممہور و آبکاری و کروڑگیری وغیرہ تھے۔ بعد ازاں سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق سنہ ۱۲۷۵ف میں بنا انتظام جدید کی ڈالی گئی یعنی جملہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے تعلقات کو از سر نو چودہ (۱۴) ضلعوں اور تہتر (۷۳) تحصیلات پر تقسیم کر کے ہر ایک ضلع میں اوّل و دوم و سوم تعلقدار۔ اور ہر تعلقہ میں تحصیلدار مع عملہ کافی اور عملہ مال و خزانہ و تحصیل وغیرہ کے ساتھ معیّن کئے گئے ہر ایک سررشتہ کے عہدہ دار مجلس مال مذکور بالا سے لے کر مجلس مال موقوف کر دی گئی اور نگرانی امور اضلاع کے لئے ایک محکمہ مالگزاری بلدہ میں قایم ہوا۔ اس ضلع بندی کے وقت مال اور پولیس وغیرہ کی خدمتوں پر معمور کرنے کے لئے منصبداروں میں سے مغفور نے انتخاب فرمانا چاہا مگر کسی نے درخواست نہ کی۔ درخواست کیسی بلکہ پریشان خاطر ہو گئے کہ ہم اپنا گھر اور عزیزوں کو چھوڑ کر جنگل میں کیونکر جائیں چنانچہ مولف کے ایک دوست منصبدار میر ہدایت علی نام اسی زمانہ میں اضافہ ماہوار کے مستدعی تھے۔ مغفور نے انھیں تحصیلداری پر جانے کے لئے حکم تحریر فرمایا۔ یہ سنتے ہی منصبدار موصوف کو ہیبت سے بخار آگیا اور ان کے بزرگان و عزیزان گریہ و زاری کرنے لگے کہ ہمارا عزیز ہم سے جدا ہوتا ہے۔ آخر کار سفارشیں پہنچا کر حکم تحصیلداری کو منسوخ کروایا۔

اس زمانے میں جدائی و سفر کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے اہل ملک کی یہ کیفیت تھی کہ بغرض زیارات بزرگ مثل کوہ شریف یادگاہ بابا شرف الدین رح

وغیرہ دو چار کوس بلدہ سے باہر جانا ہوتا تھا تو بازو پر ضامنیان باندھی جاتی تھیں اور بڑا اہتمام سفر ہوتا تھا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ ایسے حضرات سے تعلقات دور و دراز پر جانے کی امید کیونکر ہو سکتی تھی۔

الحاصل حسب ایمائے مغفور سر رشتہ داروں نے بہت کچھ سمجھایا اور ترغیب عہدوں کی دی مگر مطلق اثر نہ ہوا۔ مغفور نے پھر یہ خیال فرمایا کہ اپنی ذات سے ہر منصب دار کی لیاقت کا اندازہ کر کے ہر ایک کو حسب لیاقت خدمت پر معمور کیا چاہئے۔ مگر اہل منصب خدمت کے نام سے ایسے خوفناک تھے کہ مدار المہام مغفور کے روبرو ہر ایک نے اپنی لیاقت کو چھپایا۔ باوجود استعداد آپ کو بے علم و بے سواد بتلایا۔ آخر کار مغفور نے دفتر صدر محاسبی پر اشتہار چسپاں کرا دیئے کہ منصبداروں میں سے جس کو استعداد فارسی ہے وہ تحصیلداری اور جس کو کچھ بھی نوشت و خواند فارسی یا تلنگی و مرہٹی ہو وہ اپنی کا عہدہ لے الخ۔

اس کے بعد چھ۶ مہینے تک انتظار کیا گیا کہ منصبداروں کو توفیق ہو گی مگر اصلا نہ ہوئی۔ آخر کار ناچار پارسیوں کو اور اہل مدراس وغیرہ باہر کے لوگوں کو معمور فرمانے لگے۔ کیونکہ انتظام ضلع بندی کے لئے عہدہ داروں کی اور عملجات کی لامحالہ ضرورت تھی۔ اُس وقت اہل ملک میں سے معدودے چند تحصیلداری وغیرہ پر معمور ہوئے ازاں جملہ میر عبد السلام خاں صاحب ہیں جو بتدریج تحصیلداری سے ترقی کر کے صوبہ داری اور خطاب نواب معتقد جنگ بہادر سے سرفراز ہوئے۔

نیز میر امیر علی صاحب وغیرہ نے بھی اول تعلقداری تک ترقی کی عہدوں پر اور عملہ جات میں اس وقت اہل ملک میں سے اکثر وہی ملازم ہوئے جن کو معاش منصب وغیرہ کچھ نہ تھا۔ بعض منصبدار جز معاش بھی طوعاً وکرہاً متعین ومعمور ہونے لگے۔ مالگزاری وبندوبست۔ محکمہ دریافت انعامات۔ محکمہ جات عدالت پولیس اضلاع۔ آبکاری ٹپہ خانہ وغیرہ قایم ہوئے اور باہر کے لوگ ہزاروں ملازم ومرفہہ الحال ہو گئے تو اس وقت اہل منصب کے دلوں میں حسرت پیدا ہوی لیکن اب اس آسانی سے خدمت کا ملنا کہاں ممکن تھا۔

واضح ہو کہ نواب صاحب مغفور صرف کسی کی سفارش پر کسی کو عہدے پر معمور نہیں فرماتے تھے بلکہ تقریراً وتحریراً بذات خود لیاقت کا اندازہ فرماتے تھے۔ اور امتحان لے لیتے تھے چنانچہ نواب عزیز جنگ بہادر سے مولف نے سنا ہے کہ جب والد بہادر موصوف کے مولوی محمد نظام الدین صاحب مدراس سے آکر بذریعہ محمد وجہ الدین خاں مخفی باریاب ہوئے تو نواب صاحب مغفور نے تقریر میں مولوی صاحب موصوف کی لیاقت کا اندازہ کرنے کے بعد دوسرے روز انھیں آئینہ خانہ میں طلب فرمایا اور ایک مثل مقدمہ مع کاغذات وقلم ودوات ان کے پاس بھیجدی۔ مولوی صاحب مقصود نواب صاحب کو سمجھ گئے اور بعد معائنہ مثل مذکور حسب قاعدہ فیصلہ لکھدیا۔ جب کہیں مولوی صاحب موصوف کو عدالت میں عہدہ دیا۔ نیز مولوی سراج الدین وشیر سخن خاں اہل مدراس جب آئے تو

ان کا بھی امتحان اسی طرح لیا مگر انھیں اہل عدالت نہ پایا بلکہ معلّمی کے لائق پاکر مدرسہ دارالعلوم میں مدرسی پر معمور فرمایا۔

مرقعۂ عبرت سے پیدا ہے کہ ان تمام انتظامات اور اصلاحوں کی تکمیل میں مغفور کو بڑی بڑی مشکلوں اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ جس قدر دقتیں اس وقت پیش آئیں ان کا استقلال کے ساتھ سامنا کرنا مغفور ہی کا کام تھا۔ اس وقت میں خانہ جنگیاں اور چوری ڈاکے ہوتے رہتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں ایک یورپین افسر مع اپنے اہل وعیال کے بڈہن خاں کی جاگیر پر سے جا رہا تھا اس کو چوروں نے لوٹ لیا۔ روہیلوں کی غارت گری سے صدہا گاؤں تباہ ہو گئے تھے۔ اضلاع میں رہیلوں نے اس قدر ظلم وتعدی پر کمر باندھی تھی کہ مجبوراً ان کی سرکوبی کو کنٹجنٹ کی فوج بہ ماتحتی مکنزی بھیجی گئی۔ آخرالامر وہ غارت گر گرفتار ہو کر بلدہ حیدرآباد میں آئے اور محبس میں داخل ہوئے مگر اس زمانے کا محبس تھا کہ چند روز میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مفرور ہو گئے۔ نواب صاحب مغفور نے ہر مفرور کی گرفتاری کے واسطے پچیس روپے انعام کا اشتہار دیا۔

اسی زمانے میں قلعہ پر روہیلے قابض ہو گئے تھے تو راجہ راؤ رنبھا کلاں متوفی کے فرزند رستم الدولہ بہادر منجانب سرکار عالی سرکردۂ فوج ہو کر ان پر گئے تھے مگر خلاف حزم واحتیاط متہورانہ سوار فیل قریب حصار وفصیل پہنچ گئے تھے کہ باغیوں نے بالائے حصار سے گولی ماری جس سے بہادر مذکور کا خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ ان کا مزار

وہیں سیڑم کے باہر ہے۔

چند افغانوں نے روہیلے وغیرہ کی جمعیت شہر میں فراہم کر کے مغفور سے کہا کہ ایک مقدار کثیر روپے کی گورنمنٹ کے ذمہ باقی ہے وہ ادا کر دو۔ یہ تقاضا ایسی سختی و درشتی کے ساتھ ہوا کہ صاف سرکشی پائی جاتی تھی اور بوئے فساد آتی تھی۔ ان کی گوشمالی کے لئے مغفور نے سکھوں اور عربوں کی فوج کو بھیجا تاآنکہ بغیر کشت و خون کے ہتیار رکھلوا لئے۔

چند زمینداروں نے بھی روہیلوں کی حمایت سے سرکشی کی تھی۔ ان کی سرکوبی کو فوج کنٹنجنٹ بھیجی گئی۔ اسی سال ایک عرب جمعدار بالاسد نام شہر میں ہنگامہ آرا ہوا اور چند مکانات دومنزلہ دارالشفا قبضہ میں کر کے ان میں سات آٹھ سو عرب مسلّح جمع کئے۔ مغفور نے فوج بھیج کر حکم دیا کہ شہر سے نکل جائے۔ تاآنکہ وہ عرب شہر سے نکل کر چنچل گوڑہ گئے۔ مغفور نے جمعدار مذکور کے دعوے کی تحقیقات کی تو وہ بالکل بے اصل پائے گئے۔ لہٰذا اس کی گرفتاری کا حکم دیا مگر وہ مع اپنے نائب کے خود حاضر ہو گیا۔ وہ ہر دو شہر بدر کئے گئے۔ پھر کوئی فتنہ و فساد نہ ہوا اور رفتہ رفتہ امن و امان قائم ہوتا گیا۔ بعد ازاں مغفور نے تخمیناً ۱۲۸۰ھ میں ایک یورپین مسٹر راگھہ میجر کو ملازم رکھ کر فوج باقاعدہ جس کی تعداد از روئے موازنہ ۱۲۸۵ف آیندہ ظاہر ہوگی تیار کی۔ اگرچہ اس فوج کو بظاہر کہیں لڑنے کی ضرورت نہ ہوئی لیکن دراصل متمردانِ ملک و مفسدانِ ریاست

کے دباؤ کے لئے بہت مفید ہوئی۔

منجملہ انتظام رفاہ عام و بقائے نام ولی نعمت یہ کہ ۱۲۷۴ء میں موسٰی ندی سے نہر لاکر حسین ساگر کے تالاب میں ملائی جس کے سبب سے تالاب بھرنے لگا اور اس کے پانی سے فی الحال باغ عامہ توپ کا سانچہ۔ رنبول کا احاطہ۔ کاروان دال منڈی۔ بیگم بازار۔ کو لسے واڑی۔ افضل گنج۔ ترپ بازار۔ تمام آبادی رزیڈنسی۔ قطبی گوڑہ۔ کاچی گوڑہ۔ مشیرآباد۔ لنگم پلی۔ عنبرپیٹھ وغیرہ کی مخلوق فیضیاب و سیراب ہو رہی ہے۔ اور تمام باغات و زراعت کی سرسبزی اور محاصل میں ترقی اس کے باعث ہوئی۔ ۱۳۱۱ء میں تالاب مذکور سے آہنی نلیں جو بچھ گئی ہیں تو تمام مقامات آبادی مذکور کی مخلوق کو فلٹر کیا ہوا پانی میسر ہو رہا ہے۔ نیز ایک شاخ بلدہ میں ٹیپو خاں کی مسجد میں ہوتی ہوئی حویلی قدیم مبارک میں بھی آئی ہے۔

ابراہیم پٹن تعلقہ جو بلدہ سے نو کوس پر واقع ہے اُس کا تالاب ابراہیم قطب شاہ کے عہد کا بہت بڑا اور مشہور ہے۔ نواب صاحب مغفور نے گیارہ لاکھ روپے خرچ کر کے اس میں بھی اسی ندی سے ایک نہر ۱۲۹۱ء میں پہنچائی ہے۔ جب وہ تالاب بھرتا ہے صدہا مواضع اس کے پانی سے سیراب و کامیاب ہوتے ہیں۔

۱۲۷۶ء میں متصل دہلی دروازہ جدید عالیشان دروازہ مع دو برج سنگبست اور

پل سنگبستہ و محکم بصرف تخمیناً دو لاکھ روپے باہتمام مسٹر مارٹ انجینیر بنوایا۔ اور پل مذکور سے گزرنے کے بعد۔ بازار جدید اپنے مالک و آقا کے نام نامی سے یعنی افضل گنج ۱۲۷۱ھ میں تیار و آباد کیا اور اس میں ایک مسجد عالیشان و مستحکم ۱۲۸۱ھ میں بنوائی اس کے متصل عام شفاخانہ ۱۲۸۳ھ میں تیار ہوا۔

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲۸۷ف میں جب قحط سالی ہوئی تو غلہ فروشوں کی فہمائش کی کہ غلہ پوشیدہ کر کے گراں نہ کرو و منجانب سرکار غلہ کی تمہیں مدد ہوگی۔ مگر انھوں نے نہ مانا تو تعلقداروں کے نام احکام جاری فرمائے کہ جس قدر غلہ تعلقات میں حاصل ہو وہ سب ہمارے پاس روانہ کردو لہذا تمام ممالک محروسہ سے اور باہر سے بھی خریدی ہو کر غلہ آنا شروع ہوا اور سرکاری طور پر کسی قدر نرخ بازار سے ارزاں فروخت ہونے لگا۔ اور افضل گنج میں بہ نگرانی سیدی عنبر خانساماں روزانہ صدہا پلے غلہ محتاجوں کو تقسیم ہوتا رہا تا آنکہ مخلوق خدا فاقہ کشی سے محفوظ رہی۔ نیز بلحاظ گرانی و قحط ملازمین قلیل ماہوار کی ماہواروں میں بنام مدد خرچ اضافے ہوئے۔ پیادہ کو فی اسم دو روپے۔ سوار کو فی اسم پانچ روپے اضافہ۔ اسی طرح منصبداران جزمعاش کو یعنی چالیس روپے ماہوار تک حسب مدارج دو سے پانچ روپے تک۔ ماہانہ مدد خرچ علاوہ ماہوار میسر آنے لگا۔ علی ہذا القیاس دفاتر و محکمہ جات میں اہل عملہ پر بھی نظر پرورش وہی رہی چنانچہ چار سال بلکہ کچھ زیادہ زمانے تک یہ فیض عام مدد خرچ کا جاری رہا۔ آخر میں اندازہ کیا گیا تو اُس

قحط میں (لکھ) چار لاکھ تیس ہزار دو سو اسّی پر نو روپے یہاں صرفِ محتاجان ہوئے تھے۔

اضلاع سمت جنوبی و غربی و شرقی کے قحط میں بہمن ۱۲۸۶ف سے اسفندار ۱۲۸۷ف تک (لکھ) دس لاکھ بیاسی ہزار نو سو اناہتر روپیہ خرچ ہوئے ہیں۔ اس میں سے (لکھ) آٹھ لاکھ اڑتیس ہزار ایکسو بائیس روپے امدادی کاموں میں اور دو لاکھ چونتیس ہزار چھ سو اڑتالیس روپے محتاج خانوں میں اضلاع سمت شرقی اور ضلع تلدرک کے خرچ ہوئے۔ اور یہ خرچہ تعمیرات کا متعلق قحط سوائے اس خرچ کے ہے جو علاقہ تعمیرات سے ۱۲۸۶ف میں ہوا ہے کہ اس سے بھی قحط زدوں کی امداد ہوئی ہے جس کی رقم (لکھ) چھ لاکھ بیس ہزار پانسو بچاسی روپے ہے مگر یہ رقم تعمیرات کے حساب میں محسوب ہے۔ اس کے سوائے لاکھوں روپے رعایا کو معاف کر دئے گئے ہیں جس کا بیان موازنہ بابت ۱۲۸۸ف میں جو آئندہ ہدیہ ناظرین ہوگا مندرج ہے۔

مغفور اوّل کا حسن انتظام زیادہ تر لائق قدر اس لئے بھی ہے کہ حل مشکلات متعلق انتظامات ملکی و مالی کے علاوہ جس کا بیان مجملاً ہو چکا ہے معاندوں کی مخالفتیں جدا سوہان روح تھیں۔ چنانچہ ایک روز مغفرت مکان کو مفسدوں نے ایسا برافروختہ کیا کہ بھری ہوئی بندوق لے کر بیٹھ گئے۔ اور تہنیت یاور الدولہ بہادر کو جو درمیان شاہ و وزیر وکیل تھے

حکم دیا کہ سالار جنگ کو بلالاؤ۔ وکیل مذکور نے خدمت نواب صاحب مغفور میں حاضر ہو کر حکم خداوندی تو سنادیا لیکن ماجرا بیان کر کے منت کی کہ اس وقت آپ کوئی عذر پیش کر کے حضوری میں برائے خدا نہ جائیں۔ مغفور نے فرمایا مالک و آقا میرا یاد فرمائے اور میں نہ جاؤں کیا معنی۔ میں ضرور جاؤں گا۔ اور اگر میری قضا آئی ہے تو اس سے کیا بہتر ہے کہ اپنے آقا و ولی نعمت کے ہاتھ سے مارا جاؤں۔ چنانچہ مغفور جاکر باریاب ہوئے اور کچھ عتابانہ ارشاد ہوا اس کا جواب فدویانہ کمال ادب و عجز کے ساتھ عرض کیا تا آنکہ مرخّص ہو کر واپس آئے۔ علیٰ ہذا القیاس مخالفوں کی فتنہ پردازی و خلاف بیانیوں سے مغفرت مکان کا بار بار وہ سخت عتاب و مخالفت۔ معزولی مغفور کے لئے معاندوں کی وہ کوششیں اور باوجود جانفشانی و خیرخواہی ریاست بجائے تحسین و قدردانی اپنی ہلاکت کے وہ سامان دیکھنا۔ شکستہ خاطر ہو کر غیظ و بیدلی وملال کو اپنے نزدیک مطلق نہ آنے دینا۔ اور نمک حلالی و جانفشانی میں جو سرگرمی تھی اس میں ذرا فرق نہ لانا۔ یہ کام مغفور اوّل ہی کا تھا۔ اور یہ نفس ملکوتی خدا نے انھیں کو عطا فرمایا تھا۔ مانند دودی جہاز کے ہوا ہو یا نہ ہو اُس کی جو چال ہے اس میں فرق نہیں آتا۔ ناموافق ہوا اور تموّج و تلاطم سے گونکائیں ہو رہی ہیں لیکن ہلتا جھومتا بہرحال مسافت طے کئے جاتا ہے اور مقصود پر پہنچا تا ہے۔

انصاف سے دیکھا جائے تو سخت مشکل کام تھا جو مغفور نے کیا ہے۔
اس مقام پر ایک امر حق کا اظہار کئے بغیر رہا نہیں جاتا ہے کہ سرکار انگریزی نے بھی اس ناموافق ہوا کی روک تھام میں اس جہاز کو بڑی مدد دی ہے ورنہ تموّج و تلاطم غضب کا تھا۔ چنانچہ باایں ہمہ تحمل و استقلال مغفور نے تنگ آکر ایک مرتبہ استعفا دے دیا تھا۔ یہ تمام آفتیں جھیل کر بہر صورت انتظام ملک میں جانفشانی کر رہے تھے کہ ایک اور مصیبت تازہ ۱۲۸۵ھ میں واقع ہوئی یعنی دفعتاً نواب افضل الدولہ بہادر مغفرت مکان کی رحلت ہو گئی یہ وقت بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ کس قدر نازک تھا۔ اعلیحضرت غفران مکان کی صغر سنی اور مدّعیان و مخالفان ریاست کی وہ ریشہ دوانیاں جن کے باعث اقسام کے فساد و نقصانات کا اندیشہ تھا مگر بفضلہ و باقبال غفران مکان اسی وزیر باتدبیر کا کام تھا کہ ایسی مشکل کو بہ کمال تدبیر و ہمت آسان کر دیا۔ چونکہ موقع نازک تھا نواب عمدۃ الملک بہادر وغیرہ سے مشورت و موافقت کر کے فی الفور زور آور جنگ بہادر کو جو اس وقت کوتوال بلدہ تھے حکم دیا کہ بنام نامی و اسم گرامی دُرِّ یتیم دریائے شاہی چراغ دودمان آصف جاہی نواب میر محبوب علی خاں نظام الملک آصف جاہ سادس تمام بلدے میں حسب دستور منادی کر دیں۔ ساتھ ہی اس کے مسٹر سانڈرس رزیڈنٹ بہادر کو بھی اس کی اطلاع کر دی اور کلکتہ کو بنام گورنر جنرل بہادر تار کر دیا کہ بسبب اشد ضرورت و مصلحت وقت

اس انتظام میں مجبوراً تعجیل کی گئی کہ بجز اس کے چارہ نہ تھا۔ اس امر اہم کے انتظام سے فارغ ہوکر قریب نصف شب کے مغفرت مکان کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

اس کے دوسرے روز رزیڈنٹ بہادر مع مدار المہام مغفور رسم تعزیت ادا کرنے کے لئے چومحلۂ مبارک میں حاضر ہوئے۔ جس وقت غفران مکان ہمعمر دو سال و ہفت ماہ کو باہر لے آئے ہیں تمام حاضرین در دولت محزون و غم رسیدہ اصیلیں اور مغلانیاں وغیرہ صدہا گھیری ہوئیں آبدیدہ۔ اُس وقت حزن و ملال کا ایک عجیب سماں تھا خصوصاً جس وقت کہ مدار المہام مغفور غفران مکان کے چھوٹے چھوٹے تلوؤں کو اپنی آنکھوں پر رکھ کر بیساختہ رونے لگے۔ تب رزیڈنٹ بہادر نے اپنی جیبی گھڑی نکال کر جیسا کہ دستور اطفال صغیر کو بہلانے اور سمجھانے کا ہے ملاحظہ اقدس میں پیش کی اور رسم تعزیت ادا کر کے رخصت ہوئے۔

سولھویں تاریخ روز دوشنبہ بعد فاتحہ سوم تمام اراکین سلطنت و مدار المہام مغفور اور رزیڈنٹ بہادر مع چند افسران یورپین دربار جلوس میں حاضر ہوئے۔ چونکہ حسب منشاء رزیڈنٹ بہادر بمقتضاء مناسب وقت کرسیاں رکھی جانے کی بنا قرار پائی تھی اس لئے مختار الملک بہادر نے غفران مکان کی کرسی مبارک زرنگار ایک تخت پر رکھی اور اس پر اعلیحضرت غفران مکان کو جلوہ افروز کیا۔ اور رزیڈنٹ بہادر مع افسران کرسیوں پر بیٹھے لیکن بلحاظِ صغرسنی و تکلیف غفران مکان رزیڈنٹ بہادر نے جلد برخواست کی اور رخصت کا سلام کیا۔

مدار المہام مغفور نے بکمال ادب عرض کیا کہ رزیڈنٹ بہادر آداب بجا لاتے ہیں۔
یہ سن کر اعلیحضرت غفران مکان نے سلام لیا۔ پھر تو تہنیت کی نذریں گزرنے لگیں۔ فی الفور شادیانے کی نوبتیں بجیں۔ اندر سے لے کر باہر تک ہر ایک کا دل مطمئن۔ لب پر دعائیں محتاجوں کو خیرات تقسیم ہوئی۔ صغر سنی غفران مکان کی وجہ سے نواب عمدۃ الملک بہادر المعروف بہ منجھلے میاں اور سالار جنگ کو ریجنٹ یعنی نائب رئیس تا جلوس ثانی قرار پائے تھے اور محافظت رئیس و ریاست کا عہدہ تا سن تمیز رئیس سالار جنگ اور عمدۃ الملک بہادر کے سپرد کیا گیا مگر بوجہ کمال تجربہ کاری و باعتبار کارگزاری عنان حکومت و انتظام ملک سالار جنگ بہادر کے ہاتھ میں دیا گیا عمدۃ الملک بہادر از بسکہ نہایت فہیم و نیک نفس تھے اس لئے مختار الملک مغفور کی کارگزاریوں سے نہایت خوش اور موافق تھے۔ مخالفوں نے دیکھا کہ مغفرت مکان کے عہد میں آتش افروزیوں کا موقع ملتا تھا۔ ایک نہ ایک تدبیر سے مغفرت مکان کو مخالف کر کے ہم اپنا دل خوش کر لیتے تھے۔ اب تو مختار الملک کی حکمرانی و کارگزاری بے کھٹکے ہو گی لہذا آتش حسد میں مبتلا ہو کر نواب روشن الدولہ بہادر برادر مغفرت مکان کو آمادۂ ادعائے سلطنت کیا اور اس مشورت میں مسٹر ٹوئیڈی مددگار رزیڈنٹ بہادر کو کہ وہ بھی ناموافق مختار الملک مغفور کے تھے شریک کیا۔ چنانچہ مددگار موصوف نے بلا اطلاع مدار المہام مغفور

نواب روشن الدولہ بہادر سے مل کر ان کی استدعا کو لکھ لیا اور صدر میں کارروائی شروع ہوئی تھی کہ اس اثنا میں بعارضۂ سرطان نواب روشن الدولہ بہادر نے دفعتاً انتقال فرمایا۔ مفسدان سلطنت ناکام رہ گئے ورنہ انتظامِ ملک میں جو بہ آئین بہین ہو رہا تھا خدا جانے کیا کیا خلل ڈالتے اور مفسدین کس قدر مفسدے برپا کرتے۔

مختار الملک مغفور کی قدردانی و عزت افزائی مغفرت مکان نے بھی فرمائی ہے چنانچہ ۱۲۷۵ھ میں انگشتری جواہر بیش بہا مرحمت ہوئی اور ۱۲۸۳ھ میں عطائے جواہر سے عزت افزائی فرمائی۔ نیز خطاب مختار الملک بہادر مع جواہر جو ۱۲۷۳ھ میں عطا فرمایا قدردانی مغفرت مکان مترشح ہے چنانچہ قطعاتِ تاریخ عطائے خطاب و جواہر ہدیۂ ناظرین ہے قطعہ از میر احمد علی خاں شہید دہلوی

بنواب سالار جنگ اہل حشمت | خطاب و جواہر سزاوار بادا
بدل داشتم فکر سالِ ہمایوں | خرد گفت۔ جاوید مختار بادا
۱۲۷۳ھ

ایضاً

تاریخ عطائے خاتم از سخنور یکتا سید تفضل حسین عطا

تہنیت ساز کردہ سامانی | عیش را مژدۂ فراوانی
خاتم از شہ وزیر اعظم یافت | غیرتِ خاتمِ سلیمانی
چرخِ فیروز حلقۂ خاتم | آفتابش نگینِ رخشانی

یافت خاتم وزیر آصفجاہ	شد سلیماں بشوکت وشانی
ایں وزیری وایں سلیمانیش	خوش خدا است فضل واحسانی
سال ایں سر فرازی خاتم	ای زہی خاتم سلیمانی

۱۲ ۷ ۵ ھ

نیز ۱۲۵۷ھ میں جو مغفور گھوڑے سے گرے اور ہاتھ کو سخت صدمہ پہنچا تھا تو صحت کامل تک روزانہ کئی مرتبہ بکمال مرحمت مغفرت مکان کیفیت مزاج استفسار فرماتے رہے۔ علاوہ سخاوت وکرم کے مغفرت مکان کی خوش اعتقادی کمال درجہ کی تھی چنانچہ ایک صاحب میر غلام زین العابدین نام نے اوصاف مغفرت مکان زبانی مشہور جنگ بہادر جس قدر سنے تھے ان کو چند اوراق میں قلمبند کر کے تاریخ دکن نام رکھا ہے۔ اس میں ایک یہ کیفیت بھی لکھی ہے کہ ایک روز ایک بدمعاش مخمور محل سرا میں چلا گیا اور گرفتار ہو کر روبرو مغفرت مکان کے آیا مشہور تو یہ ہے کہ اس کو دیکھتے ہی مغفرت مکان نے بندوق اٹھائی تھی۔ بہر حال ارشاد فرمایا کہ تو کون ہے۔ اس نے کہا میں سادات بنی فاطمہؑ سے ہوں یہ سنتے ہی فی الفور غصہ فرو ہو گیا اور حکم ہوا کہ چھوڑ دو اس کو اور دو ہزار روپیہ دے کر روانہ کر دو۔ یہ دیکھ کر کسی اہل نے عرض کی کہ اگر ایسوں کو سزا نہ دی جائے گی تو انتظام کیا رہے گا۔ ایسوں کو تو ہاتھی کے پاؤں سے باندھنا چاہیئے۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ جس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو میں جاؤں گا اور حضرت ختمی مرتبت مجھ سے

پوچھیں گے کہ سیادت کو ذریعہ شفاعت پیش کرنے پر بھی تو نے مجرم پر رحم نہ کیا اور اس کی جان بخشی نہ کی تو میں کیا جواب دوں گا۔ اللہ اللہ اعتقاد و خلوص اس کو کہتے ہیں۔ ایسے عبد با اخلاص رسول مقبول کے کیوں نہ بخشے جائیں گے

لمؤلفہ

قلزم جود و سخا کان کرم — زر تھا جس کے سامنے مٹی سے کم
موتیوں سے دامن اس کا بھر دیا — جو فقیر آیا تو نگر کر دیا
پاک باطن رحمدل خوش اعتقاد — یکہ تاز عرصہ گاہ عدل و داد

سبحان اللہ ایسے خوش اعتقاد و رحمدل و کریم طبیعت بادشاہ ہوتے بھی ہیں۔ لیکن معاندین بسازش مصاحبین خلاف بیانیوں سے طبع مغفرت مکان کو برہم کر دیا کرتے تھے مثل مشہور ہے۔ گو نشزدہ اثری دارد۔ اور غفران منزل ناصر الدولہ بہادر نے بسبب سلطنت رانی مدت مدید و باریابی امراو منصبداران قدیم و جدید۔ تجربہ کاری و آدم شناسی کا حصہ زیادہ تر پایا تھا لہذا مختار الملک مغفور کی کارگزاری و دانائی کو کمال قدر دانی کی نظر سے ملاحظہ فرماتے تھے۔

افسوس ہے کہ اس زمانے میں اس تالیف کا مولف کو خیال نہ تھا ورنہ سید ہی عنبر خانساں مرحوم سے جس کی عمر خدمت مغفور میں گزری تھی صد ہا کیفیتیں ایسی اور بسا واقعات و حالات حضر و سفر کے مولف کو معلوم ہو سکتے تھے

چنانچہ بر سبیل ذکر ایک مرتبہ عنایات غفران منزل کی نسبت خانساماں مذکور نے یہ چند واقعات بیان کئے تھے ایک تو یہ کہ نواب صاحب مغفور کے لئے ایک روز علی الصباح غفران منزل نے بہ کمال مرحمت خسروانہ اپنے خاصہ کی کھچڑی میں سے تھوڑی کھچڑی بھیجی اور ساتھ ہی اس کے یہ حکم سنایا گیا کہ اس وقت حضور پرنور کی سواری جانب سرورنگر جائے گی حاضر رہیں چونکہ وقت خاصہ کا نہ تھا اس لئے مغفور نے اس کھچڑی کو وقت غذا پیش کرنے کے لئے حکم دیا اور خود تیار ہو کر حسب دستور اس زمانے کے مع جلوس بوچہ کے سوار بارگاہ شہریار پر پہونچے سواری سے اتر کر داخل ہوئے تھے کہ اعلیحضرت چوڈنڈہ میں سوار ہو کر برآمد ہوئے چوڈنڈا ایک شاہی سواری ہے جس کے دو ڈنڈے آگے ہوتے ہیں اور دو پیچھے۔ ان کو کہار کاندھوں پر لے کر چلتے ہیں مانند ہوادارِ ہند کے۔ الغرض مختار الملک مغفور نے آداب وسلام بجالائے۔ سلام لینے کے بعد ارشاد ہوا کہ اجی سالار جنگ ہم نے اپنے خاصہ میں سے تمھارے واسطے کھچڑی بھیجی تھی وہ تمھارے کھانے میں آئی۔ مغفور نے عرض کیا کہ خانہ زاد سرفراز ہوا مگر خانہ زاد کی غذا کا وقت نہ تھا اور چائے پی چکا تھا اس لئے اس کو رکھ چھوڑا ہے وقت غذا خانہ زاد ضرور کھائے گا یہ سن کر فرمایا۔ واہ ہم نے تو اس خیال سے اس کو بھیجا تھا کہ تمھارا کونلا کلیجہ ہے معلوم نہیں سرورنگر سے مراجعت کو کتنا عرصہ لگے علی الصباح تم اسے کھا لیں

غور کے لائق ہے کہ ان کلمات سے کس قدر پرداخت و شفقت ٹپکتی ہے۔ مغفور نے عرض کی خانہ زاد سے قصور ہوا معافی کا امیدوار ہے۔ یہ سماعت فرما کر چوڈنڈا آتار لے کا حکم دیا اور ایک قالین قریب چوڈنڈے کے بچھوایا گیا اور مغفور کو اس پر بیٹھنے کی اجازت ہوئی مغفور آداب بجالا کر قالین پر بیٹھ گئے اور باتیں ہونے لگیں۔ اس اثنا میں عرض ہوئی کہ شمس الامرا بہادر حاضر ہیں آداب بجالاتے ہیں۔ اعلیحضرت نے دور سے ان کا سلام لے کر ارشاد فرمایا کہ انہیں کہو کہ تم چلو ہم بھی نکلتے ہیں۔ پھر باتیں ہونے لگیں تا آنکہ مرشد زادے ولیعہد بہادر یعنی نواب افضل الدولہ بہادر برآمد ہوئے اور اعلیحضرت کو آداب بجالائے مختار الملک مغفور کھڑے ہو گئے اور ولیعہد بہادر موصوف کو آداب بجالائے اعلیحضرت نے ولیعہد کو ارشاد فرمایا کہ اب تم محل میں جاؤ۔ وہ حسب الحکم محل سرا میں داخل ہوئے۔ مغفور کو پھر ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ اور چند دقیقے باتیں کر کے چلنے کا حکم دیا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ ایک روز مغفور نے بارگاہِ شاہی پر حاضر ہو کر آداب عرض کرائی تو غفران منزل نے بسبب کسلمندی حکم زنانے کے بندوبست کا دے کر اندر ہی طلب فرمایا۔ بعد سلام لینے کے مغفور کو روبرو بیٹھنے کی اجازت دی اور پس از کلمات نوازش و مرحمت نقروی ڈبیہ چکنی ڈلی کی جو مسند کے روبرو رکھی ہوئی تھی اپنے دست مبارک سے مرحمت فرمائی کہ لو ڈلی کھاؤ۔

مغفور نے فی الفور کھڑے ہو کر آداب شکریہ بجالائے اور سیدی عنبر خانساماں کی جانب جو دور استادہ تھا دیکھا۔ خانساماں نے نذر کی اشرفیاں مع رومال نذر حاضر کیا۔ مغفور نے اعلیٰحضرت کو نذر گزرانی اور ایک ٹکڑا ڈلی کا لے کر ڈبیہ کو روبرو مسند کے رکھ دیا۔ تو ارشاد ہوا کہ نہیں جی ڈبیہ ہی لے لو۔ مغفور نے پھر آداب بجالا کر خانساماں کی جانب دیکھا۔ خانساماں نے نذر کی اشرفیاں حاضر کیں تو پھر مغفور نے نذر گزرانی۔

تیسرا واقعہ یہ کہ غفران منزل نے ایک روز اپنے اخباری خاص کو خلوت میں طلب فرمایا اور ایک انگشتری دے کر ارشاد فرمایا کہ لے جا کر ہمارے دیوان سالار جنگ بہادر کو تنہائی میں دو اور تاکید کی کہ خبردار یہ امر کسی پر نہ کھلے۔

اخباری مذکور وہ انگشتری لے کر جب چلا اور چارمینار تک پہنچا تھا کہ ایک رہگذر نے دوسرے سے کہا کہ آج رئیس نے اپنے وزیر کو انگشتری عنایت کی ہے، اخباری نے جو یہ بات سنی ہوش اڑ گئے کہ باوجود اس قدر اخفا کے یہ امر مخلوق پر فی الفور کیوں کر کھلا۔ ایسا نہ ہو کہ عتاب شاہی میں گرفتار ہو جاؤں یہ سوچ کر اخباری مذکور خدمت غفران منزل میں خائف و ترساں واپس حاضر ہوا اور واقعۂ چارمینارہ کو عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ لوگ کہا کریں لیکن تمہاری زبان سے یہ امر کسی کے روبرو نہ نکلے۔ پس اب جاؤ اور تعمیل حکم کرو۔

اخباری مذکور حضوری سے روانہ ہوا اور نواب سالار جنگ بہادر کی خدمت میں حاضر ہو کر بہ کمال احتیاط تنہائی میں انگشتری موصوف پہنچائی۔

نواب صاحب مغفور نے اس عطیہ شاہی کو سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا اور اسی اخباری کے ذریعہ سے نذر سرفرازی روانہ کی اور آداب شکریہ عرض کیا۔

عطیہ موصوفہ کے اخفا سے مقصود غفران منزل محض امتحان اس امر کا تھا کہ جو مشہور ہے کہ بعض امور مخفی شاہی کو چار مینارہ کے شہدے بطور گپ کے کہہ دیتے ہیں۔

نیز اور ایک واقعہ زمانہ علالت غفران منزل کا جس سے اکثر متقدمین واقف تھے یہ کہ ایک روز غفران منزل نے نواب صاحب مغفور کو دفعتًہ یاد فرمایا۔ گویا وہ اخیر یاد فرمائی تھی۔ حسب الطلب خداوندی جب نواب صاحب مغفور بارہ پر حاضر ہوئے اور عرض ہوئی تو اس حالت میں کہ دست و پا اختیار میں نہ تھے ارشاد فرمایا دستار ہمارے سر پر رکھ دو اور پٹکا کمر پر ڈال دو۔ اللہ رے لحاظ اعزاز اپنے جانثاروں کا۔ جب اس طرح آراستہ ہوئے تو حکم باریابی کا دیا۔

نواب صاحب مغفور حاضر ہو کر آداب تسلیمات بجا لائے تو ارشاد فرمایا کہ ہم حسب عادت دستار و کمر سے آراستہ نہ تھے اس لئے تمھیں روبرو بلوانے میں کسی قدر دیر ہوئی۔ یہ ارشاد سن کر نواب صاحب مغفور نے بکمال عبودیت دست بستہ عرض کیا کہ اس ادنی خانہ زاد کے لئے یہ زحمت کیا ضرور۔ اس پر ارشاد خداوندی ہوا کہ

نہیں جی یہ اعزاز خاص تمھارا یا تمھاری خدمت کا ہی نہیں بلکہ جملہ امرائے سلطنت کا اعزاز اسی طرح ہمیں مدنظر رہا ہے اور یہ ہدایت ہے جملہ مرشد زادگان و ولیعہد سلطنت کے لئے۔ بعد ازاں حکم تخلیہ دیا اور دربارۂ ولیعہد و انتظام سلطنت وصیتانہ ارشادات فرماکر خدا حافظ فرمایا۔ نواب صاحب مغفور بہ کمال حزن و ملال مرخص ہو کر اشک ریزاں باہر نکلے۔

یہ پاس و لحاظ امرا و شرفائے سلطنت کا غفران منزل پر ہی منحصر نہ تھا بلکہ جملہ روسا و سلاطین کو اپنے جان نثار شرفائے سلطنت کا ہمیشہ لحاظ رہا ہے چنانچہ سکندر جاہ بہادر مغفرت منزل کے متعلق ایک کیفیت میر صلابت علی صاحب مغفور دیانت خانی سے جو ایک معزز و معتبر بزرگ تھے مولف نے سنی ہے کہ زمانۂ ولیعہدی میں ایک روز مغفرت منزل بنارسی شملہ بانکوں کی طرح باندھ کر برآمد ہوئے تھے۔ گھوڑے کی سواری سے فارغ ہو کر جب محلسرا میں تشریف لیجانے لگے تو منجملہ منصبداران متعین رکاب والد فادر علی خان جد محمد علیخاں مرحوم سابق مہتمم تقسیم منصبداران علاقہ دیوانی نے شملہ کی جانب اشارہ کر کے دست بستہ عرض کیا یہ شعار مرشد زادوں کا نہیں ہے بلکہ۔ ولیعہد یہ سماعت فرما کر محلسرا میں داخل ہو گئے۔ منصبدار مذکور بخیال عتاب ولیعہد اپنے گھر جا کر بیٹھ گئے۔ جب تین روز گزر گئے اور منصبدار مذکور کو حاضر نہ پایا تو ولیعہد بہادر نے یاد فرمایا اور ارشاد کیا کہ خیر خواہوں پر بجائے قدر دانی عتاب کرنا خلاف عقل ہے۔

ناصرالدولہ بہادر غفران منزل نے ایک روز بوقت سواری اسپ سائیس سے بالفاظ اچھی اور نرم کچھ ارشاد فرمایا تو ایک نے منصبداران رکاب میں سے دست بستہ عرض کیا پیرومرشدا ایسے الفاظ سائیسوں کی نسبت استعمال فرمائیں تو شرفا کی نسبت کیا ہوں گے۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ عین لحاظ شرفا کا ہے ہم اپنی زبان کو الفاظ رکیک سے آشنا اور عادی ہونے نہیں دیتے ہیں کہ مبادا کسی شریف کی نسبت ویسے الفاظ زبان پر جاری ہو جائیں جس کے باعث ضرر نفوس طرفین متصور ہو۔

ان سب سے بالاتر قدر دانی مغفرت مآب ہے جو اپنے امرا کے حق میں فرمائی ہے جس کا ذکر حدیقۃ العالم وغیرہ تواریخ میں مرقوم ہے کہ نواب ناصر جنگ بہادر اپنے والد عالیجناب نواب آصف جاہ مغفرت مآب کے مقابلے میں آکر مغلوب و دستگیر ہونے کے بعد قلمدان خاص ناصر جنگ بہادر کا جب روبرو مغفرت مآب کے لایا گیا اور موسوی خان منشی و معتمد شاہی کے حوالے ہوا تو خان مذکور نے قلمدان کو کھولکر اڑتیس قطعہ عرضیوں کے با مُہر و دستخط اراکین سلطنت جن میں سے چند حاضر دربار بھی تھے نکالے اور عرض کیا کہ اتنی عرضیاں سرکاری ملازموں کی نکلی ہیں یہ سماعت فرما کر مغفرت مآب انجان ہو گئے اور کچھ نہ فرمایا جب دوبارہ خان مذکور نے ایک عرضی کو ان میں سے کھول کر پڑھنا چاہا تو فرمایا رہنے دو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر حکم دیا تا کہ علانیہ سر دربار وہ جملہ عرضیاں پانی سے دھو ڈالی گئیں

بعدازاں فرمایا کہ ان لوگوں نے کیا برائی کی ہے اول تو یہ کہ حسب مصلحتِ وقت میرے فرزند سے مل گئے نہ کسی غیر سے۔ جب ہم نے فرزند کی تادیب کا ارادہ کیا تو اس پر ہماری صولت وسطوت ظاہر کر کے اس کو خوف دلایا اور اس کی جمعیت کو پریشان کر دیا تا آنکہ ہمارا فرزند ہمیں زندہ مل گیا۔

فرض کرو کہ اگر ہمارے بادشاہ اور کسی شاہزادہ میں ایسا معاملہ واقع ہوتا تو بنظر دنیا سازی لامحالہ ہم بھی اس شاہزادہ کا ساتھ دیتے۔ حسب مصلحت وقت ایسے امور چنداں مضائقہ نہیں رکھتے ہیں۔

سُبحان اللہ یہ چشم پوشی و درگذر **مغفرت آب** کی کیا حکیمانہ تھی اور کس حسن سے ان امرا کے دلوں کو دغدغہ و دہشت سے خالی کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مانند عرضیوں کے دلوں کی کدورت کو دھو کر صاف کر دیا اور بجائے کدورت محبت کا نقش جما کر ان سب کو اپنا جان نثار تر فرما دیا۔ اگر وہ جملہ عرضیاں سر دربار پڑھی جاتیں۔ یا خود بدولت ملاحظہ فرمانے کے بعد درگزر فرماتے تو بھی کچھ حاصل نہ تھا۔ کہ جب کبھی وہ امرا نظر آتے تو خاطر اقدس میں ان کی خطا یاد آتی۔ نیز وہ سب امرا **اعلیحضرت** سے ہمیشہ خائف وبیدل رہتے۔ اور ملازموں کا خائف و بے دل رہنا کیا اثر رکھتا ہے اس کو اہل فہم جانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے ایسے ہی مقام پر فرمایا ہے ؎

ازاں مار بر پائی راعی زند　　　　که ترسد سرش را بکوبد به سنگ

اور اگر بالفرض ان ارکین و امرائے سلطنت کا اس جرم سنگین کے پاداشس میں استیصال کیا جاتا تو امرائے گویا سلطنت خالی ہو جاتی ۔ پھر ایسے بے نفسی جانثاران آزمودہ کار جو بکمال جاں فشانی مصدر کار نمایاں ہو ہو کر سال ہائے سال میں مدارج اعلیٰ پر پہنچے تھے ویسے ارکین سلطنت سردست کیونکر فراہم ہوتے اور کہاں سے لاتے جن کی ہر سلطنت کو ضرورت ہے ۔

الحاصل اگر مختار الملک مغفور کو اجل مہلت دیتی تو بعد جلوس ثانی غفران مکان کی قدر دانیاں اور نوازشات بھی مغفور کے حال پر دیکھنے کی ہوتیں ۔ جس قدر کہ غفران مکان کی خیر خواہی میں مغفور نے جانفشانیاں کی ہیں اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ اس بادشاہ قدر دان وحق شناس کی نوازشات سے مغفور خورسند ہوتے ۔ یہ مغفور ہی کی خاطر تھی جو اس قدر شفقت و نظر پرورش غفران مکان کی نواب سالارجنگ بہادر دام اقبالہ کے حال پر اور تمام خاندان مغفور پر رہی ہے ۔

اگر غور کیا جائے تو سر سالارجنگ مغفور اول کو خداوند عالم نے شاہانہ اقبال عطا فرمایا تھا ۔ چنانچہ بعد رحلت مغفرت مکان بدولت صغر سنی غفران مکان نواب صاحب مغفور نے وزارت میں گویا بادشاہی کی ہے ۔ ایک صاحب سے جو منجملہ ہمراہان مغفور تھے مولف نے سنا ہے کہ جس وقت مغفور نے ۱۲۸۳ھ میں دہلی کا سفر کیا تھا ایک روز بغرض سیر و ملاحظہ عمارات مشہور دہلی نکل کر ایک قدیم عمارت شاہی میں جو بلا آرائش وغیرہ خالی تھی داخل ہوئے ۔ اس میں ایک

تخت شاہی سنگ سرخ رکھا ہوا تھا۔ رزیڈنٹ بہادر کو جو ہمراہ سر سالار جنگ مغفور موجود تھے یہ سوجھی کہ سر سالار جنگ بہادر کو اس تخت پر بٹھایا چاہئے۔ ہر چند سالار جنگ مغفور عذر و انکار فرماتے رہے لیکن رزیڈنٹ بہادر نے ایک نہ مانا اور بکمال اصرار مغفور کو ہاتھ تھام کر قریب تخت مذکور لے گئے اور بجبر تخت پر بٹھایا۔

اگرچہ یہ امر بطور اختلاط اور دل لگی کے طریق پر وقوع میں آیا مگر کسی طرح سے تخت دہلی پر تو بٹھلائے گئے۔ گویا مغفور کے مقدر میں تخت دہلی پر بیٹھنا تھا بہر حال بیٹھے۔

اسی طرح نواب خانخاناں بہادر اور سیدی عنبر خانساماں ہمراہان مغفور سے یہ کیفیت لندن کی معلوم ہوئی تھی کہ فرانس میں مغفور کے پاؤں کو جو صدمۂ عظیم پہنچا تھا اگرچہ بعد معالجات وہاں سے عازم لندن ہوئے تھے لیکن ہنوز چل نہیں سکتے تھے۔ لندن میں پہنچنے کے بعد ایک روز پرنس آف ویلز ولیعہد ملکۂ معظمہ کے پاس مغفور کی دعوت تھی جب مغفور کو پہیئے دار کرسی پر بٹھا کر لے گئے اور صحن قصر شاہی تک پہونچے تھے کہ خود ولیعہد ممدوح اور ان کی بیگم صاحبہ بکمال مرحمت آگے بڑھ کر آگئے اور ان ہر دو معززین نے اپنے دست خاص سے نواب صاحب مغفور کی کرسی مذکور کو ڈھکیلتے ہوئے قصر شاہی میں لے گئے۔ مغفور نے بہت کچھ عذر کیا مگر ولیعہد نے اس عزت افزائی سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ جس مہمان کی پیشوائی ایسی عزت افزائی کے ساتھ کی گئی ہو تو سمجھ سکتے ہیں کہ دعوت میں کس قدر خاطر داری اور کس درجہ کی

مہمان نوازی وقوع میں آئی ہوگی۔ اس دعوت میں کئی معزّزین شاہی خاندان کے اور شاہزادیاں نیز بڑے بڑے عالی مرتبہ یورپین شریک تھے۔ اس کے بعد قیصرۂ ہند وکٹوریہ کی باریابی کا روزِ معیّن جب آیا تو اسی طرح نواب صاحب مغفور کو کرسی پر بٹھا کر روبرو لے گئے مغفور نے اٹھنے کا قصد کیا۔ ملکہ معظمہ نے جلد نزدیک تشریف لاکر مغفور کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور بکمال مرحمت فرمایا کہ ہرگز نہ اٹھو۔ مغفور نے عرض کیا کہ لکڑیاں موجود ہیں بغل میں لے کر اس کے سہارے سے کھڑے رہ سکتا ہوں۔ ارشاد ملکہ معظمہ ہوا کہ نہیں ان لکڑیوں کا اعتبار نہیں ان کے پھسل جانے کا اندیشہ ہے لہذا میری خوشی اسی میں ہے کہ تم بیٹھے رہو اور فرمایا افسوس ہے کہ میں نے تمہیں اس حالت میں دیکھا حالانکہ ایسی حالت میں دیکھنے کی امید نہ تھی الخ۔

الحاصل بیٹھے ہوئے آداب سلام بجالائے اور حسب قاعدۂ ہند نذر پیش کی تو اس پر ہاتھ رکھ دے کر نذر معاف فرمائی اور اس روز ملکہ معظمہ کے مہمان رہے۔ اور ان کی ہمطعامی کا اعزاز حاصل کیا۔

اللہ جلِ شانہٗ نے مغفور کو عقل و دانائی کے ساتھ اقبال بھی عجیب عطا فرمایا تھا۔ صدمۂ پائے مغفور بھی اقبالمندی سے خالی نہ تھا مشیت ایزدی کو منظور ہوا کہ باایں عذر مختار الملک مغفور کی کرسی کو جو مانند گاڑی کے تھی ولیعہد ملکہ معظمہ مع بیگم محترمہ اپنے دست خاص سے چلائیں۔ نیز مختار الملک کرسی کر

بیٹھے رہیں اور قیصر ہند ملکۂ معظمہ روبرو استادہ ہو جلّ شانُہٗ کیا سرفرازی ہے۔

منجملہ واقعات و فضل و کرم حافظ حقیقی یہ کہ تخمیناً سنہ ۱۲۸۰ھ میں ایک روز شب کو نواب رشید الدین خان وقار الامرا بہادر کے دولت خانے میں رزیڈنٹ بہادر مع چند افسران یوروپین اور نواب مختار الملک بہادر وغیرہ کی دعوت کا جلسہ تھا بعد فراغ غذا آتشبازی چھوٹنے لگی۔ ایک اوُٹ کے گولے میں بھی آتش بازی کی بارود بھری گئی تھی اس کو بتّی دیتے ہی دفعتاً مجمع عام میں وہ گولا پھوٹا اور ہر ہر ٹکڑا اس کا گولی کا کام کر گیا۔ اس وقت کے انتشار و برہمی جلسہ کی حالت عجیب تھی۔ بکمال اطمینان آتشبازی کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً قیامت برپا ہوگئی۔ ایک کی خبر ایک کو نہ تھی۔ ہر ایک اپنے عزیز کو ڈھونڈ رہا تھا کہ خدا جانے کس حالت میں ہے۔ لمنٹ وغیرہ کے شیشے ٹھوکروں میں ہوگئے تھے۔ چونکہ رزیڈنٹ بہادر بھی شریک جلسہ تھے لہذا نواب صاحب مغفور کے ہوش اُڑ گئے مگر جب رزیڈنٹ بہادر کو بخیر و عافیت پایا تو اس وقت فی الجملہ مطمئن ہوئے۔ عمدۃ الملک بہادر نے وقت رخصت مغفور سے فرمایا کہ آپ کی توجہ سے امید ہے کہ اس آفت ناگہانی کو طول نہ ہونے دیں گے۔ مغفور نے تشفی دی۔ دوسرے روز یہ تجویز قرار پائی کہ نواب وقار الامرا بہادر بذات خود چل کر رزیڈنٹ بہادر سے معذرت کریں چنانچہ دوسرے روز نواب وقار الامرا بہادر کی سواری

بادشاہی عاشورخانہ کی کمان کے پاس آکر تھم گئی اور نواب صاحب مغفور کو اطلاع دی۔ مغفور نے کہلا بھیجا کہ آپ چلیں میں بھی آتا ہوں مگر بہادر ممدوح نے فرمایا جب تک آپ نہ آئیں میں نہ جاوں گا۔ تا آنکہ مغفور بھی بوچہ میں سوار ہوکر مع جلوس نکلے اور قریب بہادر موصوف پہنچ کر بوچہ سے اُتر گئے۔ بہادر موصوف بھی پنس سے اتر گئے۔ باہم صاحب سلامت کے بعد باصرار بہادر موصوف نواب صاحب مغفور سوار ہوکر آگے بڑھے۔ ہر دو صاحبوں کی سواریاں کوٹھی کے زینوں تک پہنچیں۔ حسب معمول رزیڈنٹ بہادر نے رسوم استقبال ادا کئے اور کوٹھی میں لیجا کر بٹھلایا۔ مختصر یہ کہ مغفور نے پہلے رزیڈنٹ بہادر کی فہمایش کی بعدازاں بہادر موصوف نے رزیڈنٹ بہادر سے بکمال معذرت معافی چاہی۔ تا آنکہ صفائی ہوگئی۔ چائے خوری کے بعد رخصت ہوئے۔ ازبسکہ مغفور کا لحاظ سرکار عظمت مدار کو تھا پاس خاطران کے درگذار کیا ورنہ اس مقدمہ کو خدا جانے کس قدر طول دیتے۔

الحاصل جب نواب صاحب مغفور نے انتظام ملکی ومالی کے جملہ مرحلوں کو ستّرہ سال جفاکشی وبیدار مغزی سے طے فرمایا اور تمام امور مملکت باضابطہ وحسب قانون جاری ہوگئے تو اس وقت ازراہ عاقبت بینی یہ مناسب جانا کہ امرائے سلطنت میں سے چار امیروں کو ترتیب کی جائے تاکہ وہ آیندہ کار سرکاری میں مدد دینے کے لائق اور کارگزار وہوشیار ہوجائیں۔ چنانچہ نواب مکرم الدولہ بہادر

صدر المہام مال اور نواب بشیر الدولہ بہادر صدر المہام عدالت ہا اور نواب شمشیر جنگ بہادر صدر المہام کوتوالی بلدہ اضلاع اور نواب شہاب جنگ بہادر متفرقات کے یعنی تعمیرات وصفائی و تعلیمات و طبابت کے صدر المہام قرار پائے قطعہ تاریخ تقرر صدر المہامان گذرانیدۂ سیّد منوّر متخلص منوّر یہ ہے ؎

بارک اللہ چمن بندر ریاض آصف — ساخت گلدستہ کہ آن مجلس دانایان است
گفت تاریخ منوّر سحرم بلبل طبع — مجلس سنبل و گل لالہ و نافرمان است

چاروں صدر المہاموں کے اجلاس اپنے خانہ باغ میں کئے اگرچہ ہر ایک صدر المہام کے لیے ایک ایک معتمد تجربہ کار مع عملہ مقرر ہوا تھا مگر بہ کمال شفقت و دلداری بذات خود بھی روزانہ ہر ایک صدر المہام کے اجلاس میں جاکر کام کرنے کا طریقہ ایک عرصہ تک بتلاتے اور ہدایت و تربیت فرماتے رہے۔ موازنہ مذکور سے ظاہر ہے کہ صدر المہام کوتوالی و صدر المہام متفرقات ہر ایک کے لئے سالانہ بائیس ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپے ۔۔۔ بھتّہ مقرر کیا گیا تھا۔

۱۲۸۷ھ ہجری میں دورۂ ضلع بیدر کے لئے نواب صاحب مغفور جو تشریف لے گئے تھے اس کا مختصر بیان ہدیۂ ناظرین ہے۔ اسمائے معززین و متوسّلین جو ہمراہ نواب صاحب مغفور تھے۔ نواب بشیر الدولہ بہادر۔ نواب نظام یار جنگ بہادر نواب سعید الدولہ بہادر۔ برق جنگ بہادر۔ غالب جنگ بہادر۔ مسلّم جنگ بہادر میر تہوّر علی صاحب۔ میر ریاضت علی صاحب۔ حکیم سیّد علی صاحب۔ جنید خان صاحب

میر کاظم حسین صاحب۔ مولوی میر فیاض حسین صاحب۔ عطاء الرحمن صاحب۔
منشی صدر الدین صاحب۔ مولوی عنایت الرحمن صاحب۔ بوٹن صاحب
جانسٹن صاحب۔ جانی صاحب۔ ہنری صاحب۔ ہیبر صاحب۔ کنڈ اسامی
مُڈلیار۔ فتح علی خانساماں۔ مرزا حیدر بیگ۔ سیدی عنبر خانساماں۔ ڈاکٹر ڈفی وڈ کلی
سیسو یاریٹر۔ مردہ محمد منوّر۔ مردہ عبدالکریم پسر فقیر محمد۔ مردہ عبدالکریم پسر
محمد حبیب۔ جملہ ۲۹ اسم تھے ابتداءً مقام ستیاسی پر جو حکم تحریری موسومہ لوٹن صاحب
آیا تھا جس سے اندازہ جملہ ہمراہیان حشم و خدم و کیفیت انتظام سفر پایا جاتا ہے
گویا ایک دستور العمل ہے اوس کی نقل صحیح یہ ہے۔

"مدار المہام سرکار عالی با صدر المہام عدالت ہائے سرکار عالی بتاریخ پانزدہم
ماہ حال برائے دورۂ ملک سرکار عالی از بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد برآمدہ
در سدا سیو پیٹھ یکدو مقام نمودہ از آں جا در سنگم یک مقام و بعد ازاں در بنیدر
چہار پنج مقام کردہ روانہ خواہند شد و در ہمراہی چونکہ قریب دو ہزار پانصد کس
و پنجاہ زنجیر فیل و سہ صد نرگاؤ و دو صد اسپان و یکصد چہار شتران تخمیناً خواہند
ماند و بنا بر سربراہی غلہ وغیرہ کل اجناس مرزا حیدر بیگ کوتوال بیرون بلدہ کہ
اہتمام کوتوالی لشکر ہمراہی مدار المہام بسبب واقفیت و تجربہ مرزائے مذکور
متعلق بہ مرزائے مذکور شدہ است مقرر شدہ اند۔ لیکن مرزائے مذکور سربراہی
غلہ و کرانہ و روغن وغیرہ اجناس از گوپال سوامی کہ کار ہذا بداون درخواست منظور شدہ است

خواهند کنانید و سر براہی کاہ و گوشت و ہیمہ وغیرہ بطور واجبی آن چہ کہ مقرر خواہد گردید بہمان نرخ بوساطت مرزائے مذکور در سرکار گرفتہ خواہد شد و مردم ہمراہی ہم خرید خواہند نمود لہذا بعہدہ داران تعلقات و مواضع لازم است کہ اشیاو اجناسے کہ شل کاہ و ہیمہ و بیضہ و شیر و بقولات و گوشت و ماکیان وغیرہ کہ ہمراہ داشتن آن بگوپال سامی متعذر باشد بلحاظ مردم وغیرہ ہمراہی بر ہر مقام آمادہ و تیار دارند و محول باہتمام مرزا حیدر بیگ کنند و غلہ وغیرہ ہر قدر کہ مطلوب باشد مخصوص بگوپال سامی بفروشند و بدون نامبردہ بکسی از اہل لشکر فروخت ننمایند زیرا کہ دریں صورت باختلاف فروش شکایت ہا خواہند شد و بسبب این کہ بعض از اشیائے کہ ہمراہ گوپال سامی خواہد بود و بسبب اخراجات بار برداری وغیرہ بمقام لشکر ہر آئینہ آن شے بہ نسبت آن کہ بیوپاریان در آن جا بفروشند فی الجملہ گران خواہد بود و بعض اشیاء ارزان لہذا چنان قرار یافتہ کہ اشیائیکہ نرخ آن از نرخ بلدہ گران باشد صرف بشرکت نمودن خرچ کرایہ بار برداری و عملہ حفاظت آن نرخ مقرر کردہ خواہد شد و آن چہ از نرخ بلدہ ارزان و یا بحسب نرخ بلدہ خواہد بود بر آن باضافہ رقم کرایہ از عملہ فروش اجناس نرخ مقرر خواہد گردید و نرخ کاہ و ہیمہ و گوشت و شیر و بیضہ وغیرہ بحسب نرخ مروجہ ضلع کہ بذریعہ تعلقدار اطلاع آن خواہد شد مقرر خواہد گردید۔ و ممانعت است کہ کسی سوای بازار لشکر از دیگر بازار سوائے آن چہ در بازار لشکر موجود باشد خریدی غلہ وغیرہ بکند و اہل دیہات

ہم بکسی نفروشند اگر خواہند فروخت و ازان تکرارات برپا خواہند گردید در آں صورت
سماعت شکایت ہائے آنہا نخواہد گشت۔ اگر اہل جمعیت و لازمان ہمراہی
لشکر بدرخواستِ کمی نرخ مقررہ بر اہل لشکر زیادتی خواہند نمود و یا بجبر از
اہل موضع خواہند خواست اہل کاران کوتوالی و چوبداران متعینہ ممانعت
خواہند نمود و در صورت زیادتی مکافاتِ آں ضرور خواہد شد۔ البتہ اگر بیپاریان
مواضع وغیرہ بگوپال سامی بفروشند ہیچ ممانعت نیست و قبل از ورودِ لشکر
مرزا حیدر بیگ بدریافت نرخ بطور متذکرۂ صدر و تقرر نمودن آن نرخنامہ ہا
نویسانیدہ بجائے فرودگاہ چسپانند تا بموجب آں مردم خرید کنند و بمجرد ورود
مدار المہام از حساب تقرر نرخ بمدار المہام اطلاع کنند و تجویز خریدی باآں طور
شود کہ در کارخانہ ہائے مطبخ و دواب بابتہ ہمراہی مدار المہام و صدر المہام و
یا جمعداران ہمراہی ہر قدر کہ جنس منظور باشد بموجب نرخ قیمت آں مع
فرد مطلوبہ بہ نزد مرزا حیدر بیگ ارسال یافتہ طلب جنس شود و ہمیں طور خریداران
متفرقہ بفرستادن زر نقد از فروشندگان بازار خرید کنند کسی را خواہ بذریعہ مرزا
حیدر بیگ یا فروشندگان متفرقۂ بازارِ لشکر بدون زر نقد جنس دادہ نشود۔
اگر کسی خواہد داد و باز استغاثہ عدم وصول قیمت خواہد کرد مسموع نخواہد گردید
تعلقداران سیاسی و بیدر علی ہذا القیاس ہر جا کہ فرود مدار المہام میشود ضرورات
کہ قبل از رسیدن لشکر جای فرودگاہ کہ از آبادی زیادہ تر فاصلہ از نیم کردہ

بلکہ یک کردہ و بلند باشد و درختان سایہ دار و آب مصفا قریب باشد برائے بازار لشکر جائے علیحدہ کہ نیم میل و کم و بیش یک میل از لشکر دور تر باشد منتخب نمودہ بمسٹر جانی ادگلوی کہ اہتمام منزل متعلق باوشان است اطلاع دہند کہ درآن جا نصب خیام و تقرر بازار کردہ خواہد شد۔ و مسلخ از بازار علیحدہ بر کدامی جائے نشیب مقرر شود و دکانات مسکرات در لشکر بالکل ممنوع است و از اہالی لشکر ہر کسیکہ در حالت سکر در لشکر یافتہ خواہد شد و از حرکات و سکنات او ظاہر خواہد شد از طرف اہل کوتوالی و غیرہ نظر بند خواہد گردید و بظہور ہمچو حرکت بکرت دوم و سوم حکم اخراج ہمچو کس از لشکر خواہد شد۔ اہل کاران کوتوالی ہمراہی ضلع بخوبی بندوبست دارند کہ ہیچ واردات در لشکر یا در موضع وقوع یافتن نتواند و در صورت وقوع اتفاقاً مرتکبین بسزا رسند فقط مرقوم یازدہم شہر ذیقعدہ ۱۲۸۷ھ"

واضح ہو کہ نواب صاحب مغفور۔ ۱۶۔ ماہ ذیقعدہ کو علی الصباح بلدہ سے روانہ ہو کر۔ ۱۹۔ تاریخ کو داخل بیدر ہوئے اور ۲۰۔ تاریخ کو علی الصباح بقصد شکار شکار گاہ پر مع صدر المہام وغیرہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس ہو کر مدرسہ بیدر کا معائنہ اور طالب العلموں کا امتحان ہوا۔ ۲۱ تاریخ کو خانہ پور کے ملاحظہ کے لئے جو وہاں سے چھ کوس پر واقع ہے تشریف لے گئے ۲۲۔ کو اطراف و جوانب بیدر کی سیر کی۔

جملہ۔ ۶۔ مقام بیدر میں ہوئے اور ۲۵۔ تاریخ وقت رخصت بیدر کے جملہ زمینداروں اور یومیہ خواروں کو طلب فرماکر جو کلمات فیض آیات برزبان اُردو فرمائے ہیں وہ قلمبند ہوئے ہیں اس کی نقل ہدیہ ناظرین ہے۔ ملاحظہ ہو کہ مغفور نے کس عمدگی سے رعایا اور عہدہ داروں کو تشفی دی ہے اور ہدایات فرمائی ہے وہوا ہذا۔

"آج کے روز میں نے تم سب لوگوں کو باشتیاق تمام ملاقات کے واسطے طلب کیا اور مجھ کو سرور حاصل ہے کہ یہاں دو فرقے موجود ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے کہ شرفاء بلدہ سے ہوکر سرکار عالی میں مدد معاش رکھتے ہیں اور دوسرے وطن دار و اہل خدمات کہ جن کو ترقی ملک میں مداخلت خاص حاصل ہے یعنی زمینداران وغیرہ۔ اور میری غرض اس طلب سے یہ ہے کہ میں جو کارپرداز بندگان عالی متعالی کی سرکار کا ہوں۔ ان دونوں فرقوں کو اپنی زبان سے کچھ تشفی اور ترغیب کے کلمات بیان کروں۔ ان دنوں میں ظاہر ہے کہ حکم تحقیقات ہر قسم کی معاش کا جاری ہوا ہے اور کچھ شک نہیں کہ جن کی معاش کے اسناد درست اور بھگوٹا قدیم و درست نہ ہو تو وہ ضبط بھی کئے جائیں گے۔ لیکن جن کے اسناد درست ہوں اور بھگوٹہ قدیم اور پکا ہو تو وہ سب بحال رہیگا۔ ضبطی اونہیں کے معاش کی ہو گی کہ جنھوں نے تغلب سے پیدا کیا ہے۔ اور یہ تغلب میں سمجھتا ہوں کہ اکثر بشرکت تعلقداران و نائبان تعلقات

دو طرح سے ہوا ہے۔ ایک تو صرف ان کی بد دیانتی سے اور ارادے سے حصول منافع کے اور دوسرے بسبب اس عمل بد سررشتہ و اصلات کے جو بیشتر جاری تھا۔ اور وہ ایک بڑا قابو تمہا وطن داروں کو واصلات روک کرا پنے معاشوں کو بڑھانے کا۔ بفضلہ تعالیٰ اگرچہ اب وہ سب باتیں موقوف ہوئیں اور جو کچھ خلل باقی ہے وہ بھی روز بروز کم ہوتا جائے گا۔ البتہ جن کے معاش بسبب تغلب کے موقوف ہوئے ہوں گے ان کو رنج بھی ہوگا لیکن اگر بغور دریافت کیا جائے یہ بات رنج کی نہیں ہے بلکہ باعث اصلاح طبایع ہے۔ کس واسطے کہ تغلب و چوری ایک زشت و گناہ کا عمل ہے۔ جب اس سے باز رہ کر اس طرح کے فواید حاصل کرنے نہ پاویں گے تو سعی کریں گے دوسرے ذریعوں سے جو موجب ان کی ترقی کا ہووے۔ اور وہ ذریعے یہ ہیں کہ اول خزانہ جمع کریں گے یعنی کسب علم و ہنر کا شوق ہوگا اور اس خزانے کے صرف سے ہر ایک ہنر حاصل ہو سکتی ہے اور دوسرے جو کم معاش رکھتے ہیں وہ بمشقت اراضی کی کاشتکاری کریں گے اور تجارت میں ترقی دیں گے تا آنکہ ان ذریعوں سے ان کے معاش میں ترقی و نیک نامی ہوگی اور سرکار کو بھی فائدہ ہوگا۔ اور اس موقع پر میں کہتا ہوں کہ تمام عہدہ داران سرکار بھی بدل متوجہ ہوں گے اور ہر ایک کو ان باتوں کی ترغیب دیں گے اور ہر طرح سے ان لوگوں کی کمک و مدد کریں گے تا کہ حاصل کرنے میں ان فوائد کے وہ لوگ ساعی ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ اکثر عہدہ داران سرکار بھی سوائے کچھ حسابات دریافت کرنے اور کواغذ پر دستخط کرنے کے چنداں سعی نہیں کرتے ۔ اس واسطے ضرور ہے کہ ہر ایک عہدہ دار بالادست تمامی حالاتِ ضلع مفوضہ سے واقف ہو اور ہر ایک طرح کی بہتری میں اور جہاں تک ہو سکے رعایا کی تسکینی میں سعی کرے اور دوستانہ ان کی فہمائش کرے اور راہ راست پر لاوے کیسی طرح کا بھی استغاثہ ہو جواب اس کا مستغیث کو بہ نرمی دے اور فہمائش کی جائے اور سرکاری کام ایسا نہ کریں جیسا کہ صرف ایک طرف سے بار اٹھا کر دوسری طرف ڈال دیتے ہیں۔ اور ملازمان ماتحت عہدہ داران بالادست کی تعظیم و ادب کو ضرور ملحوظ رکھیں لیکن باوجود اس کے آپس میں اتحادانہ رویہ رکھیں اور جس وقت کا کام اس وقت اجرا کر دیں ۔ اب چونکہ صدر تعلقدار رستم جی ویکاجی بہت ہوشیار اور خیر خواہ سرکار اس ضلع پر مامور ہیں اور دوم تعلقدار بھی جو منصرم اول تعلقدار ہیں مدت سے سرکاری کام اجرا کرتے ہیں اور سوم تعلقدار جو منصرم کار دوم تعلقدار ہیں نوجوان و محنت کے قابل ہیں نیز دوسرے عہدہ دار سب محنت و مشقت درستی انتظام میں بدل دہی مشغول رہیں گے ۔ تاآنکہ پھر مجھ کو دورے کا موقع ملے تو اپنی زبان سے شکریہ ادا کر سکوں اور آبادی و درستی ملک اور شوق انتظام کو عہدہ داروں کے اس سے زیادہ پاوں اور ان عہدہ داروں کے جائزہ و صلہ کے باب میں مجھ کو موقع حاصل ہو نہ صرف میں بلکہ امید رکھتا ہوں کہ ہمارے خداوند نعمت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

بھی تھوڑی مدّت میں اس سمت رونق افزا ہوکر درستی حالات کو یہاں کے اور سب تابعداروں کی خیرخواہی کو ملاحظہ فرمادیں ۔ مجھ کو ایسی ہی امید ہے ۔ میں اب سب کو رخصت کرتا ہوں اور کل صبح کو روانہ ہوتا ہوں فقط"

۲۶ تاریخ کو بیدر سے نکل کر تعلقات ملاحظہ فرماتے ہوئے چھٹی شب ماہ ذیحجہ کی تھی کہ اپنی جاگیر یعنی ڈُنڈگل میں داخل ہوئے ۔ وہاں نواب بشیرالدولہ بہادر مع ہمراہیان بہادر ممدوح کی نواب صاحب مغفور نے ضیافت کی وہاں سے ۷ تاریخ کو روانہ ہوکر بلدہ میں مع الخیر داخل ہو گئے ۔

مجملاً کیفیت جمع و خرچ عمل مدار المہامی مختار الملک مغفور اوّل

منجملہ موازنہ سنہ ۱۳۰۸ ف

اس موازنہ سنہ ۱۳۰۸ ف کی ترتیب میں جو کسی قدر دیر ہی ہوئی سبب اس کا سوائے اس کے نہیں کہ اس سرکار میں اب تک ترتیب موازنہ کا دستور نہ تھا اور جو حسابات حسب دستور قدیم مرتب ہوتے تھے وہ باقاعدہ موازنہ تیار کرنے کے لئے کافی نہ تھے۔ اور عہدہ داران خصوصاً سررشتہ داران جمعیت و منصب وغیرہ ایسی کیفیتیں فراہم کرنے اور ایسی رقمیں ترتیب دینے کے عادی نہ تھے کہ اس سے ایسے تختے حساب کے جو اب مرتب ہوئے ہیں ہو سکیں لہذا حسابات کی ترتیب دینے میں اور کیفیتیں جمع کرنے میں غیر معمولی توقف ضرور پڑا مگر باوجود تمام دشواریوں کے مکرم الدولہ بہادر کی سعی سے دو برس کی نگرانی حسابات وغیرہ میں بکمال کوشش اس موازنہ باقاعدہ کی ترتیب عمل میں آئی ہے اور ابواب متفرق و جمع و خرچ کو ٹھیک مدات میں ترتیب دئے ہیں۔ انہی وجوہ سے اس موازنہ جدید کی ترتیب میں دیری واقع ہوئی ہے۔ آیندہ اس کے لئے کوئی دقت نہ لگے گی بلکہ اور درستی ہوتی جائے گی۔

ف ۲۔ تیاری موازنہ کے لئے صرف رقوم و حساب سال حال نہیں لکھے گئے بلکہ

بعض سنین ماضیہ کی کیفیت بھی اس زمانے کے حالات معلوم ہونے کے واسطے لکھی گئی ہے۔ چونکہ تمام تفصیل رقوم جمع و خرچ سنہ ۱۲۸۷ف کی اور اندازہ سنہ ۱۲۸۸ف کا خود اس موازنہ میں لکھ دیا گیا ہے لہٰذا اس مقام میں اعادہ جملہ ابواب کا نہ کرکے صرف اسی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جو ضروری ہے۔

۳۔ سنہ ۱۲۶۹ء مطابق سنہ ۱۲۶۳ف کے قبل خزانے کے حالات درست نہ تھے۔ کوئی حساب مرتب نہیں ہوتا تھا۔ اور مالگزاری ملک کی بہت کم تھی اور خرچ حد سے زیادہ اور قرض روزانہ ترقی کر رہا تھا۔ اور اخراجات کے لئے جو مشکلیں درپیش ہوتی تھیں ان کا دفع کرنا سوائے قرض کثیر کے ہو نہیں سکتا تھا۔ سنہ ۱۲۶۳ف سے جو اصلاحیں بتدریج حسن انتظام کے واسطے عمل میں لائی جا رہی تھیں۔ مالگزاری ترقی کرنے لگی۔ نقشہ مندرجہ ذیل سے کھلتا ہے کہ سنہ ۱۲۶۳ف سے ہر دس سال کے بعد مالگزاری میں کس قدر افزائش ظہور میں آئی ہے۔ اور سنہ ۱۲۸۸ف کے اندازے سے کیا نسبت رکھتی ہے۔

موازنہ فقرہ ۱۶ اور ۱۷ میں محاصل سنہ ۱۲۸۴ف کے ساتھ مطابقت نہایت صراحت سے ظاہر کی گئی ہے۔ کہ اگر سنہ ۱۲۸۴ف کے محاصل سے اضافہ جو بوجہ ضبطی جاگیرات و شمول ملک مستردہ و شوراپور و ضبطی انعام و سیریات سے ہوا ہے۔ مجرا و منہا کیا جائے تو بھی سنہ ۱۲۶۳ف کی نسبت صرف ترقی زراعت اور دوسرے محاصل سے ایک کروڑ سولہ لاکھ سترہ ہزار آٹھ سو باون روپے اضافہ ہوتے ہیں۔

ابواب	جمع: سنہ ۱۲۶۳ ف	جمع: سنہ ۱۲۷۴ ف	جمع: سنہ ۱۲۸۴ ف	جمع: اندازہ سنہ ۱۲۸۸ ف	اضافہ: در سنہ ۱۲۷۴ نسبت سنہ ۱۲۶۳ — رقم	فیصد	اضافہ: در سنہ ۱۲۸۴ نسبت سنہ ۱۲۷۴ — رقم	فیصد	اضافہ: اندازہ سنہ ۱۲۸۸ ف نسبت سنہ ۱۲۸۴ ف — رقم	فیصد	اضافہ: اندازہ سنہ ۱۲۸۸ ف نسبت سنہ ۱۲۶۳ ف — رقم	فیصد	
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
مالگزاری	[illegible]	[illegible]	[illegible] *	[illegible]	[illegible]	۱۰۹،۱۸	[illegible]	۴۹،۴۴	[illegible]	۳،۴	[illegible]	۲۲۰،۲	
آبکاری	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۷۲۳۰،۴	[illegible]	۱۲۱،۱	[illegible]	۱۹،۵	[illegible]	۲۰۷۵،۸	
کروڑگری وغیرہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۹۰۱،۵	•	•	[illegible]	۳۰،۳	[illegible]	۷۲۲،۶	
دیگر ابواب	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۲۹۱،۶	[illegible]	۴۵،۳	[illegible]	۵۴،۱۶	[illegible]	۷۷۹،۷	
جملہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۸۱،۴	[illegible]	۳۳،۸	[illegible]	۱۱،۸	[illegible]	۳۲۱،۱	

* اس رقم میں مبلغ [illegible] بابتہ آبپاشی شامل ہے۔

مالگزاری

ف ۴۔ محاصل اراضی ۱۲۸۸ف کا تخمینہ [illegible] کا تھا اور ۱۲۸۸ف میں واقعی [illegible] کا اندازہ تھا۔ [illegible] کا یہ اضافہ جو ہے صرف اضلاع تلنگانہ کا بسبب خوبی بارش و افزائش پیداوار شالی کے ہے۔ اضلاع تلنگانہ کی رقم مالگزاری میں ہمیشہ کمی و بیشی ہوتی ہے کیونکہ وہاں دھان زیادہ ہوتی ہے اور اس کی کمی و بیشی بارش کی کمی و بیشی سے تعلق رکھتی ہے ۱۲۸۴ف میں بھی اچھی بارش ہوئی تھی تو محاصل اراضی بہ نسبت ۱۲۸۳ف [illegible] بیس لاکھ سے زیادہ ہو گیا تھا۔

ف ۵۔ ۱۲۸۸ف کے اخراجات مالگزاری کا اندازہ بقدر [illegible] تھا اور اس میں چار قسم کے اخراجات شریک ہیں۔ پہلے اخراجات عہدہ داران و عملہ جو تحصیل مالگزاری کے لیے مقرر ہیں۔ دوسرے وطنداران و ملازمان دیہات۔ تیسرے پیمائش و بندوبست چوتھے عملہ تحقیقات انعام۔ اس سال پہلے قسم کا خرچہ [illegible] کے اندازے میں ہوا ہے یعنی جملہ محاصل اراضی ہر سو میں پانچ روپے ہوتے ہیں۔ دراصل اس صیغہ میں عمدگی انتظام مالگزاری کے واسطے اگر کچھ اضافہ ہووے تو نامناسب نہ ہوگا۔ اکثر اضلاع و تعلقات تلنگانہ رقبہ کے لحاظ سے اس قدر وسیع ہیں کہ موجودہ عہدہ دار پورا انتظام کر نہیں سکتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ ایسے اضلاع کے چند حصے کر کے جدید اضلاع قرار دیں۔ اور جو تعلقات بہت وسیع ہیں چھوٹے کئے جائیں۔ اور جب اس طرح کیا جائے تو

لامحالہ عہدہ داروں کی تعداد بڑھائی جائے گی۔ نیز عہدہ داروں کی تنخواہ کا مقدمہ بھی لائق لحاظ ہے کیونکہ اضلاع کے تعلقداروں کی تنخواہ بحساب سما اور ۱۲ ماہانہ ملتی ہے تنخواہ ان کے عہدہ اور ذمّہ داری کے لحاظ سے ویسی کافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لائق تجربہ کار عہدہ دار رغبت کے ساتھ طالب اس عہدے کے نہیں ہوتے ہیں خصوصاً تلنگانہ میں کہ آب وہوا اس کی اچھی نہیں ہے اور آسایش کے اسباب بھی کم ہیں لہذا جب تک مرہٹواڑی سے کسی قدر زیادہ تنخواہ نہ دی جائے عہدہ دار اس نواح میں اپنی ماموری پسند نہیں کرتے ہیں۔ سابق زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ تعلقدار جو کچھ محاصل ملک کا وصول کریں اس میں سے ان کو فی روپیہ ڈیڑھ آنہ سے دو آنے تک دیئے جاتے تھے۔ اس میں سے ان کے عملہ کا خرچہ جانے کے بعد بھی اس زمانے کی تنخواہ سے بہت کچھ زیادہ انھیں فائدہ ہوتا تھا۔ جب تعلقداری کی تنخواہ بہ نسبت زمانۂ سابق کے کم تھی تو ان کے فرزندوں اور اہل قرابت کے نام اکثر ماہوار منصب مقرر ہوتی تھی تاکہ اس ذریعہ سے بدلہ ان کی کمی ماہوار کا ہوجائے موجودہ طریقے میں یہ سب آمدنی ان کی موقوف ہوگئی اور ایسی رعایتیں ترک کردی گئیں۔ اس لئے مدارالمہام سرکار عالی اس امر کو ضروری تصوّر فرماتے ہیں کہ عہدہ داران حال کی تنخواہ پر لحاظ مناسب عمل میں آئے لیکن اجرائی اس تجویز کی منحصر ہے تخفیف اخراجات غیر ضروری اور زیادتی خزانہ پر۔

۶۔ دوسرے قسم اخراجات وطنداران و ملازمان دیہہ کے ہیں جس کا تخمینہ بابت

سال حال ۱۹۱۲ء سے ہے اور محاصل اراضی ہر فیصدی ۱٫۶ ہوتا ہے جس کی تفصیل
کیفیت انداز ہ کے ۷ ہ فقرہ میں لکھی گئی ہے۔

ف۔ تیسرا خرچ بابت پیمایش وبندوبست ہے جس کا تخمینہ بابت سال حال ۱۹۱۲ء ہوا ہے۔ اس کام کی ضرورت اس ریاست میں ایک زمانے سے تھی اور اضلاع کے تعلقدار اس کام کے جاری ہونے کے لئے اصرار کے ساتھ سرکار میں درخواستیں کرتے تھے اس امر کے باور کرنے کے لئے بہت وجوہ ہیں کہ اراضی مزروعہ کا رقبہ جو پٹواریوں کے کاغذات میں لکھا ہوا ہے اس سے زیادہ کاشتکاروں کے قبضہ میں ہے حتیٰ یہ کہ بعض مقاموں پر دہ چند سہ چند سے زیادہ کاشتکاروں کے قبضہ میں ہے جس سے سرکاری مالگزاری کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ پس جب تک پیمایش باقاعدہ وصحیح اور حیثیت زمینات کی بخوبی پائی نہ جائے اراضی متحد الحیثیت پر کوئی مساوی جمع قرار نہیں دیسکتا ہے۔ خصوصاً جہاں رعیت واری طریقہ جاری ہے صحت کے ساتھ معلوم کرنا ان جملہ امور کا بغیر بندوبست وپیمایش کے بیشک نہایت مشکل ہے۔ عہدہ داران لایق نہ ملنے کی وجہ سے سرکار اس کام کو شروع کر نہیں سک رہی تھی۔ تاآنکہ انجام کار ۱۲۸۵ف میں بطور آزمایش سرکار نے اس کام کی ابتدا کی تو تعلقہ پٹن کے دیہات کی پیمایش بطور امتحان پہلے کی گئی جب اس میں کامیابی پائی گئی تو ۱۲۸۶ف میں پیمایش کو اور ترقی دی گئی یعنی کل ضلع اورنگ آباد کی پیمایش کا حکم جاری ہوا جب ۱۲۸۶ف میں چند دیہات کی

پیمایش پوری ہو گئی اور ایک تعلقہ میں جمعبندی کا کام بھی ختم ہوا تو اس خیال سے کہ یہ نازک اور پہلا کام ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ سرکار انگریزی کے عہدہ داروں میں سے کسی کو بطور امتحان دکھلایا جائے چنانچہ رزیڈنٹ بہادر کی وساطت سے مسٹر بنین سپرنڈنٹ ریونیو سروی برار سے طلب کئے گئے اور انھوں نے اکثر تعلقات کی پیمایش دیرت بندی کے کام کو نہایت تحقیق کے ساتھ دیکھا اور حالت رعایا کو معاینہ کیا۔ مہتمم بندوبست نے تعلقہ پٹن کی جمعبندی جو کی تھی اس پر بھی غور کیا تو سب کام نہایت صحیح و مناسب پائے گئے لہذا سرکار نے چاہا کہ اضلاع مرہٹواری کی پیمایش اس طرح پوری ہو جائے چنانچہ فی الحال اضلاع مرہٹواڑی کے تین حصوں میں اور تلنگانہ کے ایک ضلع میں یہ کام جاری ہے۔ جملہ رقم للعہ لاکھ میں سے جو تخمینہ خرچ بندوبست بابت سنہ ۱۲۸۵ ف کا تھا ؎ ہزار ان تعلقات صرف خاص کی پیمائش میں خرچ ہوں گے جو اورنگ آباد و نلدرگ میں واقع ہیں اور یہ رقم علاقہ دیوانی کو پھر واپس ملے گی۔ پس در اصل للعہ لاکھ ہزار علاقہ دیوانی سے اس کام میں خرچ ہونے والے ہیں۔

سائر سرحدات

۵۔ اس مد میں تعداد تخمینہ آمدنی سنہ ۱۲۸۵ ف للعہ لاکھ بمقابلہ آمدنی سنہ ۱۲۸۴ ف امید افزایش للعہ لاکھ جو ہے چند اصلاحوں کی وجہ سے ہے

جو کہ سال گذشتہ کروڑگری کہ محکمہ میں کی گئیں۔ عملۂ سایر اور تعداد چوکیات کی افزایش کی گئی ہے جس طریقے سے زمانۂ سابق میں محصول وصول کیا جاتا تھا بیشک وہ ترقی تجارت کے لئے بہت مضر تھا۔ محصول راہ داری صرف سرکار ہی وصول نہیں کرتی تھی بلکہ ہر ایک جاگیردار اپنے علاقہ میں مال گذرنے سے لیتا تھا۔ جب سے کہ وہ قاعدہ منسوخ ہوگیا اور سرحدوں پر سایر کی چوکیات قایم کیئے گئے جن میں صرف سایر کا محصول وصول ہوتا ہے۔ تجارت میں بھی ترقی ظاہر ہوئی اور اسی قدر آمدنی سایر میں بھی ظاہر ہوتی ہے چنانچہ گوشوارہ مندرجہ فقرہ ۹۲ موازنہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

ف ۹۔ سال گزشتہ محاصل کروڑگری سے جو کچھ آمدنی ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصدی قیمت مال پر تعداد محصول درآمد [illegible] ہے کے اندازے میں اور برآمد پر [illegible] ہے کے اندازے میں تھا۔ تخمینہ خرچ مندرجۂ موازنہ [illegible] بمقابلہ [illegible] سنہ ۱۲۸۶ف کا خرچ تھا۔ اس مد میں تخمیناً [illegible] ہزار کی زیادتی اول ترمیمات و اصلاحات کی وجہ سے ہوئی جو اس محکمہ میں نئی کی گئیں جس کا ذکر اوپر گذرا۔

کاغذ ممہور

ف ۱۰۔ اس مد کی آمدنی بابتہ سنہ ۱۲۸۶ف کا اندازہ بقدر [illegible] تھا جو کہ مقابلہ آمدنی سنہ ۱۲۸۶ف [illegible] بقدر [illegible] کم ہے۔ تخمینہ آمدنی کاغذ ممہور بابتہ سنہ ۱۲۸۶ف ان تخمینوں سے ترتیب پایا ہے جو ضلع کے عہدہ داروں سے پہنچے ہیں

لیکن امید ہے کہ مقدار تخمینہ سے اصل آمدنی زیادہ ہوگی۔ بہرحال اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اگر وسعت ریاست و تعداد مردم شماری پر خیال کیا جائے البتہ آمدنی کاغذ مہور کی بہت کم ہے اور وجوہ اس کے دو ہیں ایک یہ کہ موجب دستور العمل کاغذ مہور متعلق دستاویزات کا محصول ایک ہی مقدار محدود پر لیا جاتا ہے اور سرکار اس امر پر غور کرنی ہے کہ آیا قواعد و قوانین کاغذ مہور۔ دستاویزات کی رسیدات و ہنڈویات وغیرہ سے جو فی الحال محاصل کاغذ مہور سے مستثنیٰ ہیں تعلق رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ دوسری وجہ عدالت سے متعلق ہے اس کا بیان ذکر عدالت میں ہوگا۔

کاغذ مہور واپسی ملک مسترده کے وقت جاری ہوا اگرچہ ۱۲۷۱ف سے ۱۲۷۳ف تک فقط اضلاع مسترده میں یعنی رائچور۔ نلدرگ۔ لنگسگور میں رائج تھا۔ نیز اندور اور انبڑ میں بھی قبل ضلعبندی سے رائج تھا۔ ضلعبندی کے بعد اضلاع میں رواج پایا بعدازاں بلدہ میں بھی مروّج ہوا۔

عدالت

۱۱۔ تخمینہ اس مد کی آمدنی کا قریب ... کے مقابل میں ... آمدنی ۱۲۸۰ف کے ہے کمی آمدنی کی وجہ یہ ہے کہ آمدنی جرمانہ کی ۱۲۸۰ف غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ عدالت کی آمدنی میں وہ رقم شامل نہیں ہے جو عدالت میں عرضیوں پر اور دعوں پر اور دوسرے دستاویزات قانونی پر لیجاتی ہے۔ اور وہ جو آمدنی کہ عدالت میں کاغذ مہور کی قیمت سے

ہوتی ہے وہ کاغذ مہور میں شامل ہے۔ اگر کاغذ مہور کی آمدنی کو بھی شریک آمدنی عدالت کی جائے تو بھی رقبہ اور مردم شماری کے مقابل میں بہت کم ہے۔

۱۲۔ ۱۱۴ - ۱۱۷ فقروں میں موازنہ تاریخ تقرر عدالت ہائے حال کے مفصلاً بیان ہوا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ زمانہ سابق میں عدالتوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اور جو عدالت کہ سنہ ۱۲۶۲ف تک قایم ہوئی تھی اس کے اختیار و حکومت برائے نام تھی۔ سنہ ۱۲۶۳ف سے سنہ ۱۲۷۴ف تک عدالتوں کی کارروائی میں چند اصلاحیں اور ترقیاں کی گئیں مگر یہ اصلاح بھی مخلوق کے دلوں میں عدالتوں کا اعتبار و وقعت پیدا کرنے کے لئے کافی نہ تھی تاآنکہ سنہ ۱۲۷۵ف سے بھی بہت کچھ اصلاحیں کی گئیں اس سے کہیں عدالتوں کی ترقی و درستی ہوی۔ مختلف درجوں کی عدالتیں اضلاع اور بلدہ میں بھی قایم کی گئیں۔ لیکن شک نہیں کہ عدالت کا سررشتہ ابھی بہت کچھ اصلاحوں کا محتاج ہے اور اس کے لئے عہدہ داران لایق و تجربہ کار در کار ہیں۔ عہدہ دار جو کہ فقہ و شرع شریف سے بھی واقف ہوں اور اصول قوانین میں بھی مہارت کامل رکھتے ہوں ایسوں کا پیدا کرنا آسان نہیں ہے اور وہ عہدہ داران عدالت کی کمی تنخواہ کا سبب ہے۔ جب تک کہ علاقۂ عدالت میں تنخواہ کی ترقی نہ کی جائے میسر ہونا عہدہ داران تجربہ کار و لایق کا ناممکن ہے۔ اور سررشتہ عدالت سے ترقی عہدہ داران اضلاع کا تخمنہ جو آیا ہے سالانہ اخراجات میں قریب اسی ہزار روپے کی ترقی ہوتی ہے۔ لیکن منظوری و اجرائی اس کی آیندہ پر ملتوی رکھی گئی ہے کہ خزانہ اور دوسرے امور ضروری

کی حالت پر غور کرنے کے بعد کوئی تجویز مناسب قرار دی جائے۔

ف۱۳۔ تخمینہ خرچ عدالت جو موازنہ میں لکھا گیا ہے اس کی تعداد [illegible] لاکھ تھی جو قریب قریب خرچ ۱۲۰۳ف ہے مگر اس کے لئے یہ رقم کافی نظر نہیں آتی۔ پس امید ہے کہ تنخواہ حکّام عدالت پر آیندہ لحاظ کیا جائے۔

کوتوالی

ف۱۴۔ تخمینہ خرچ ۱۲۰۳ف کا [illegible] لاکھ سے کچھ زیادہ ہے اس رقم کے منجملہ بابتہ اخراجات کوتوالی بلدہ و اضلاع [illegible] لاکھ انیس لاکھ روپے ہے۔ باقی رقم [illegible] لاکھ چار لاکھ بابت اخراجات کوتوالی دیہات ہے چنانچہ مکرم الدّولہ بہادر نے موازنہ کے فقرہ ۱۲۷ تا ۱۲۹ بیان کیا ہے کہ ۱۲۷۴ف سے پیشتر کوتوالی باقاعدہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ جمعیت جو تعلقات میں متعین تھی وہی کوتوالی کا کام کرتی تھی مگر ناکے وغیرہ مقرر نہ تھے۔ کوتوالی کے معقول قاعدے نہ ہونے سے جرم کی تحقیق واقعی اور واجبی طور پر نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ارتکاب جرائم کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ جب ۱۲۷۵ف میں اصلاحیں کی گئیں۔ جمعیت کوتوالی باقاعدہ کی ہر ضلع و تعلقہ میں مقرر کی گئی اصلاحات مذکورہ کی وجہ سے اخراجات کوتوالی ۱۲۷۵ف میں بہ نسبت سنین ماضیہ پنچگونہ زیادہ ہیں۔ بعد ازاں جیسی کہ آمدنی میں افزایش ظاہر ہوئی درستی کوتوالی کے لئے دوسری کارروائیاں عمل میں لائی گئیں اور عہدہ داران کوتوالی کی

تنخواہ بھی اضافہ کی گئی۔ اصلاحات مذکورہ کی وجہ سے اب خرچ کوتوالی کا نسبت ۱۲۷۵ف کے قریب دوچند ہے۔ مدارالمہام سرکار عالی اخراجات کوتوالی کی افزایش کو تکمیل محافظت شہر و قصبات کے لئے کہ امن ملک و ترقی تجارت و کاشتکاری منحصر اس پر ہے ضروری جانتے ہیں اور مدارالمہام کی رائے یہ ہے کہ وسعت ملک و مردم شماری کے نظر کرتے موجودہ کوتوالی ضرورت سے زیادہ نہیں ہے۔ پس کوتوالی کے اخراجات میں کمی کی توقع ہو نہیں سکتی ہے۔ چونکہ بحسب اقتضائے طبیعت و عادت ایام قحط سالی میں جرایم کثرت سے واقع ہوتے ہیں اضلاع قحط زدہ میں انتظام کوتوالی موجودہ بحال رکھنا کافی تھا۔ اخراجات کوتوالی کی بحث کے وقت اس امر کا اظہار بھی مناسب نظر آتا ہے کہ اس ملک میں چوکیداری کا محصول نہیں لیا جاتا ہے۔ پس امن و انتظام دیہات و بلدہ قایم رکھنے کا جملہ خرچ سرکاری خزانے پر پڑتا ہے اگرچہ خرچ کوتوالی میں تخفیف ممکن نہیں لیکن مدارالمہام سرکار عالی فوج بے قاعدہ کم کرنے کے لئے یہ مناسب جانتے ہیں کہ جس وقت کوتوالی میں جائے خالی ہوئے فوج بے قاعدہ کے ملازم وہاں تبدیل کردیے جائیں اور اسی طرح فوج بے قاعدہ میں جو جایداد خالی ہو اس پر کوئی دوسرا معمور نہ ہوے۔ پس تخفیف اخراجات فوج کے لئے یہ ایک تدبیر اچھی ہے لیکن نتیجہ اس کا جلد حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ بتدریج حاصل ہوگا۔

دفاتر متفرقات

۱۶۔ اس مد کے خرچ کا اندازہ السالم ۱۲۷۶ف ... لک بمقابل معہ ... لک خرچ ۱۲۸۵ف ہے

گویا یہ زیادتی بسبب انبار خانہ و کاریگران ہے جو کہ اوّل سررشتہ تعمیرات کے ماتحت تھے اور اب علٰحدہ ہو گئے چنانچہ فقرات اندازہ ۱۵۷ و ۱۵۸ میں بیان کئے گئے۔ پس ان اخراجات کو جدید و زیادہ تصور نہیں کر سکتے۔

منصب

۱۹ف۔ اس مد میں بعض وظیفے بطور پنشن اور دوسرے وظائف شامل ہیں جو سرکار نے ان لوگوں کو مرحمت فرمائے ہیں جن کے اہل قرابت نے سرکاری خدمتیں کی ہیں یا سرکار سے قدیمی توسّل رکھتے ہیں اور سرکار سے معاش پاتے ہیں۔ نیز جو رقم کہ جاگیرات کے معاوضہ میں ضبط ہو کر قرار پائی ہے یا محض براہ عنایات منصب مقرر ہوا ہے اس میں شریک ہے اور اس قسم میں اکثر بیوگان و یتیمان وغیرہ بھی شامل ہیں کہ ان کی بسر اوقات کے لئے سوائے اس کے کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ سرکار کی دانست میں فی الحال اس مد میں تخفیف ممکن نہیں کیونکہ یہ منصب عرصۂ دراز سے جاری ہے۔ اس کی موقوفی سے یہاں کے لوگ رنجیدہ و شکستہ خاطر ہوئیں گے مگر سرکار بہر حال اس مد میں فضول و بیجا خرچ کا انسداد نہایت ہوشیاری سے کرتی ہے اور تقرر منصب بلا وجہ میں کمال احتیاط کرتی ہے۔ اور اس خرچ کو کم کرنے کی غرض سے دوسری تدبیر نکالی ہے یعنی بعض منصب دار جو کم عمر و جوان اور لکھے پڑھے ہیں ان کو مختلف سررشتوں میں معمور کیا ہے اور تنخواہ اصل عہدہ کی رقم منصب میں مجرا ہوتی ہے چنانچہ اس تدبیر سے بقدر لہ للعہ لک ایک لاکھ اکیاون ہزار

سات سو چھیالیس روپے سالانہ منصب کی رقم وضع ہوتی ہے۔ نیز سرکار کئی سال سے منصب داران نوعمر کی اور ان کی اولاد کی تعلیم کر رہی ہے اور ان کے لئے علٰحدہ مدرسہ مقرر کیا ہے کہ اس میں تعلیم پاکر ہوشیار ہوتے ہی انھیں نوکری دی جائے اور اس زر کے معاوضہ میں جو انھیں مفت پہنچتا ہے کوئی خدمت ان سے لینے میں آئے۔ اور منجملہ تنخواہ ان کی رقم منصب وضع کردی جائے۔

جمعیت

۲۰۔ جمعیت باقاعدہ کا تخمینہ قریب لہ لعہ لاکھ اور جمعیت بے قاعدہ کا صرف ے للعہ لاکھ ہے اور جمعیت باقاعدہ میں مع دو پلٹن بلدہ ۴۳۷۲ پیادہ ۱۶۳۵ سوار ۵۴۱ جوان توپخانہ میں ہیں اور جمعیت بے قاعدہ میں ۲۰۲۷۷ پیادہ اور ۲۸۹۶ سوار ہیں اور سنہ ۱۲۸۹ف میں جمعیت باقاعدہ میں ۴۳۷۲ پیادہ اور ۱۶۳۵ سوار اور ۵۲۱ جوان توپخانے کے تھے اور جمعیت بے قاعدہ میں ۲۰۶۰۹ پیادہ اور ۳۵۰۶ سوار۔ مدارالمہام سرکار خیال کرتے ہیں کہ اگر جمعیت بے قاعدہ میں کمی کی جائے تو اس مد میں بہت کچھ تخفیف ظاہر ہوگی مگر یہ تخفیف جلد ہونی مناسب نہیں۔ سب سے بہتر کارروائی جو مدنظر مدارالمہام سرکار ہے بیان کی گئی ہے یعنی جمعیت بے قاعدہ کے لوگ بتدریج کوتوالی میں داخل کئے جائیں اور ان کی جائے پر جدید تقرر عمل میں نہ آئے۔

تعمیرات

۲۱ ۔ اس مد میں خرچ بابتہ ۱۲۹۹ف کا تخمینہ بقدر [illegible] لاکھ ہے جو ۱۲۹۸ف کے خرچ سے [illegible] لاکھ زیادہ ہے اور وجہ زیادتی کی یہ ہے کہ خرچ معمولی کے علاوہ دو لاکھ روپے تالابوں کی مرمت کے لئے اور دوسرے آبپاشی کے کاموں کے واسطے جو تلنگانے میں عہدہ داران مال کی معرفت تعمیر ہوگی منظور ہوئے ہیں۔ عملہ سررشتہ تعمیرات بابت ۱۲۹۷ف کا خرچ بقدر [illegible] لاکھ تھا اور اب تخفیف ہو کر بقدر [illegible] لاکھ باقی رہ گیا ہے۔ اس رقم میں کوئلوں کے معدن کا خرچہ عملہ اور عملہ چاندہ ریلوی بھی شامل ہے اگرچہ عہدہ داروں کی تعداد میں کسی قدر تخفیف ہو سکتی ہے لیکن سرکار یہ تخفیف اس خیال سے نہیں کر سکتی ہے کہ تعمیرات کے مفید کاموں میں ترقی دینی منظور رہے۔ نیز اس خیال سے کہ واقعات ناگہانی میں مانند قحط وغیرہ امدادی کاموں میں عہدہ داران لائق کی ضرورت پڑتی ہے۔

ریل سرکاری

۲۲ ۔ خرچہ تیاری ریل کی اصلی تعداد بقدر [illegible] کرور تھی آخر ۱۲۹۷ف تک [illegible] لاکھ مرمت و متفرقات وغیرہ میں خرچ ہوا ہے اور اجرائے ریل کا خرچہ معمولی [illegible] لاکھ کے اندازے میں ہے اور تیاری ریل کے لئے جو رقم قرض لی گئی ہے اس کا سود لغایت ۱۲۹۷ف [illegible] لاکھ دیا گیا ہے۔ ریل میں ۱۲۹۸ف تک جملہ خرچہ [illegible] کرور

پڑا ہے اور جملہ آمدنی [illegible] ہوئی۔ آمدنی ریلوی بابت سنہ ۱۲۸۸ف کا تخمینہ قریب [illegible] کے مقابل [illegible] آمدنی سنہ ۱۲۸۷ف آمدنی سنہ ۱۲۸۸ف کے تھا۔ اور تخمینہ خرچ [illegible] بمقابلہ [illegible] خرچہ سنہ ۱۲۸۷ف تھا۔

بقایا زر نقد

۲۳۔ آیا پٹّی اور ویس پٹّی اور کاغذ زر مبادلہ و دست گردان کے سوائے تخمینہ سال حال جملہ آمدنی کا [illegible] ہوا ہے۔ پس اس اندازے کے موافق تیرہ لاکھ روپے نقد باقی رہیں گے۔ اگر اس رقم میں رقومات بقایائے زر نقد جو بتاریخ ۳۱ شہریور سنہ ۱۲۸۷ف جملہ خزانوں میں موجود تھیں اور ان میں رقم ویس پٹّی اور آیا پٹّی اور دست گردان بھی شامل تھی جمع کی جائے تو تعداد بچت کی قریب [illegible] کے ہو گی لیکن یہ رقم چند روزہ قرضہ لینے کی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ پس جب تک کہ مختلف خزانوں میں [illegible] نقد جمع نہ ہوں ضروریات روزمرہ رفع نہیں ہو سکتے ہیں۔

تفصیل قرضہ

۲۴۔ جو بذمہ سرکار بتاریخ ۳۱ شہریور تک علاوہ قرضۂ ریل حسب ذیل ہے۔

چند روزہ قرضے ساہوکاروں کے۔	[illegible]
بنک بنگال کا قرضہ برہن پرامیسری نوٹ۔	[illegible]

قرضہ جو صرف محاصل کی آمدنی سے لیا گیا اور بے سود ہے۔ [illegible]

اور یہ قرضہ اس قدر نہ بڑھتا لیکن فقط اس سبب سے کہ سنہ ۱۲۸۶ف و سنہ ۱۲۸۷ف میں خشک سالی کا ظہور ہوا جس کے باعث سرکاری آمدنی میں کمی ہوئی۔ اور قحط زدوں اور محتاجوں کے امدادی کاموں میں بہت کچھ خرچ ہوا لہذا قرضہ کی مقدار زیادہ ہوگئی۔ اور یہ بھی ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کہ اس چوبیس (۲۴) سال میں رقم کثیر ادائی میں اس قرضہ کی خرچ ہوئی ہے جو سنہ ۱۲۶۲ف سے پیشتر لیا گیا تھا اور نیز وہ رقم جو از روے حساب تعلقداروں کے فاضلات نکلی تھی۔ انھیں دینی پڑی۔ اور جواہرات جو رہن تھے روپیہ دے کر وہ لے لئے گئے کہ تعداد ان رقوم کی حسب تفصیل تذکرہ فقرہ ۱۸۴ موازنہ [illegible] ہوتی ہے اور قریب دو کرور کے اخراجات ریل ہیں کہ اگر اس کے سود کا حساب کریں تخمیناً قریب پچہتر لاکھ کے ہوتا ہے اور ہر سال چھ سات لاکھ روپے کا خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اب تک قریب اسی لاکھ روپے کے خلاف رواج سابق تعمیرات میں صرف ہوئے کہ جن میں کے اکثر کام مفید اور ملک کے لئے ضروری تھے اور جاگیرات جو سرکاری ضبطی میں آئیں ان پر قرضہ جو کچھ تھا وہ بھی دیا گیا۔ اس کے سوائے رقم [illegible] خریدی پرامیسری نوٹ کے جو خزانہ میں موجود ہیں خرچ ہوئے۔

الغرض انہی مصارف کی تعداد پانچ کرور بیس لاکھ روپے سے زیادہ ہوتی ہے سوائے اس کے ہر صیغہ کے انتظام و درستی و اصلاح کے لئے مصارف کثیر جو ضروری و لازمی تھے پڑے۔ صرف ایک سررشتہ کوتوالی با قاعدہ قایم کرنے میں سالانہ بیس لاکھ روپے خرچ

کرنے پڑے۔ مالگزاری و عدالت و دفاتر صدر افسر و عملہ میں ترقی کی گئی۔ سوائے ان سب کے سالہائے سال گزشتہ میں بسبب قحط سالی کے جمعیت و اہل قلم میں قریب نو دہ پر آدھ لاکھ روپے تخمیناً مد خرچ دیا گیا ہے اور تخفیف اس کی نہیں ہوئی ہے اب تک بھی اہل جمعیت وغیرہ کو ایک مقدار اس میں سے جاری ہے سولہ لاکھ روپے گزشتہ سالوں میں تھے۔ انتظام قحط کے لئے تیرہ لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ اور چھ لاکھ روپے سالانہ بابت شوراپور وغیرہ کہ آمدنی اس کی شامل جمع ہے۔ سابق سے زیادہ داخل صرفخاص ہونے ہیں چنانچہ اب تک جملہ قریب نو دہ لاکھ روپے کے ہوئے ہیں۔ پس ان تمام امور پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حالت موجودہ اس تھوڑے قرضہ کی کون سے اسباب اور وجوہ پر مبنی تھی اور باوجود ان اخراجات کے فی الحقیقت صرف رقم ۱۲/۳/ بابتہ قرضہ ساہوکان ہے۔ اور بھی قرضہ حقیقی سرکار کے ذمہ ہے۔ جس قدر کہ بنک بنگال کا قرضہ ہے اس کے لئے جائداد پرامیسری نوٹ کی اس سے زیادہ تر ہی موجود ہے۔ اور صرفخاص کے قرضہ پر کچھ سود نہیں دیا جاتا ہے اور اس میں سے بھی رقم تعمیرات صرفخاص تیاری حساب کے بعد وضع کی جاوے تو اس کی مقدار بہت کم رہ جائے گی۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے جملہ قرضہ ۱۲۸۰ف کی آمدنی سے ۴، ۳ تھا یعنی ایک تہائی سے کچھ کم۔ اور اگر بنک بنگال کا قرضہ کہ اس کے لئے پرامیسری نوٹ موجود ہیں۔ اور صرفخاص کا قرضہ کے اس کا سود نہیں لیا جاتا ہے۔ منہا کیا جائے تو اس کی نسبت سالانہ آمدنی سے $\frac{1}{9}$ ہے یعنی قریب نویں حصہ کے ہے اور امید ہے کہ اگر آیندہ دو سال موسم موافق و معتدل ہوں تو موجودہ

قرضہ میں بہت کمی ہو جائے گی بلکہ امید ہے کہ اگر مدّ غیر معمولی میں اخراجات لاحق نہ ہوں تو کوئی قرضہ باقی نہ رہے گا۔

اس عمل جدید کی ابتدا سے جو کچھ روز افزوں ترقی اراضی خالصہ دیوانی کی توسیع حدود میں اور زراعتی و تجارتی ترقی اور افزایش اراضی وغیر اراضی کے محاصل کی ہوئی ہے رقوم مندرجہ جدول ذیل سے نیز دوسری کیفیتیں ملکی و حالاتِ معیشتِ رعایا معلوم ہو سکتے ہیں۔

تختہ مقابلہ محاصل دیوانی بابتہ سنہ ۱۲۰۴ف و سنہ ۱۲۶۳ف

سنہ	تفصیل	رقم	میزان
سنہ ۱۲۶۳ف	محاصل تعلقات دیوانی	لعہ لک ببہا لہ عہ ۱ر۶ہر	
	آمدنی سوائے صدر	للعہ لہا لہ بے لک لہ ۱ر۸ہر	للعہ لک لہ الہا لعہ
	منہائی بٹاون سکہ چلنی		لماعہ لے لک ۱۴ر۶ہر
	تتمہ آمدنی سکہ حالی		السمالعہ لک ۱۴ر۸ہر
	منہا بابت خروج		
	خروج دیہات در جاگیر وغیرہ	لعہ صماعہ لے لک ۳ر۱۰ہر	
	خروج الواب	للعہ لہا عصاں بے لک ۱ر۱۱ہر	لہ عہ سماہے عہ لک
	تتمہ		لعہ سماعہ لعہ لک ۱۴ر۱۱ہر
سنہ ۱۲۰۴ف	محاصل مالگزاری وچوبینہ کرورگری	للعہ لک ۲ کرور الہ سماصہ	
	آمدنی سوائے صدر یعنی ٹپہ خانہ و دارالضرب و کاغذ مہور و متفرقات	لعہ لک لہا للعہ ۱۱ر۸ہر	صہ لک ۲ کرور الہا صہ

تختۂ اضافہ

	تفصیل	رقم	میزان
	اضافہ		[illegible] ۷ر۶ہر
وجوہ اضافت	شمول از گذاشت جاگیرات	[illegible]	
	شمول از گذاشت تنخواہی محالات	[illegible] ۱۱ر۵ہر	
	شمول از ملک مسترده وشوراپور	[illegible]	
	ضبطی اراضی انعام وسیریات	[illegible] ۱۲ر۱۰ہر	
	از ترقی زراعت ودیگر محاصل	[illegible] ۱۰ر۴ہر	

ہر ایک ان وجوہ پنجگانہ سے محاصل کا اضافہ فی نفسہ تشفی بخش اور حسن انتظام دال ہے خصوصاً وجہ اخیر دوسرے چاروں وجوہ سے زیادہ ہے۔ نیز تختہ مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے کہ اس اکیس سال کے عرصہ میں علاقہ دیوانی کی ترقی اراضی و محاصل دو چند ظہور میں آئی ہے۔ ایک تو توسیع حدود خالصہ سے بشمول جاگیرات۔ دوم واپسی ملک مستردہ کی وجہ سے اور اگر رقم تعلقات شمول بھی شریک کی جائے تو تقریباً سہ چند افزائش ہے۔ اور اس اندازہ سے اخراجات کا اضافہ بھی لازم ہوا کیونکہ جس قدر خالصہ کے تعلقے شریک ہوئے ہیں ان کے انتظام میں معمولی اخراجات سہ بندی وصادر و رسوم و یومیہ وغیرہ کے موافق زیادہ ہوئے ہیں۔ اور اس کے سوائے اخراجات نگرانی و صدر دفاتر بھی لگائے جائیں گے۔ اور جو تدبیریں عام محاصل کی ترقی کے لئے بابت تعلقات سابق و شمول حال عمل میں آئیں ہیں وہ بھی باعث اضافہ اخراجات ہوئے ہیں خصوصاً اخراجات مفصلۂ ذیل۔

(۱) محکمہ جات عدالت و مال تعلقات و اضلاع میں۔

(۲) دفاتر صدر المہامان۔

(۳) دفاتر معتمدان مدار المہام۔

(۴) دفاتر حساب و خزانہ و تنقیح۔

(۵) اخراجات تعمیرات عامہ۔

(۶) اخراجات تیاری ریل۔

(۷) انتظام کوتوالی اضلاع و دیہات۔

(۸) اہتمام ٹپہ۔

(۹) اخراجات صفائی۔

(۱۰) معاوضہ موقوفی سایر۔

(۱۱) اخراجات تعلیمات۔

(۱۲) اخراجات طبابت

(۱۳) زیادتی در رقم داخل حضور پرنور بابت ماہوار شوراپور و کاریونگی۔

(۱۴) معاوضہ جاگیرات برار جو اس قسم کے مصارف معمولی کا زمانہ سابق میں نام نہ تھا۔

۲۱ ۔ واضح ہو کہ سنہ ۱۲۶۳ ف میں محاصل تعلقات خالصہ دیوانی کی رقم دو قسم کی تھی۔
(۱) بابتہ تعلقات عمل دخل دیوانی بطور تشخیص و تحصیل خام ابواب محاصل کی صراحت کے ساتھ اور (۲) جو عاملان سابق کے تفویض تھی جس کا حساب بغیر صراحت ابواب کے ہے۔ سنہ ۱۲۶۳ ف میں رقم مالگزاری حسب ذیل تھی۔

رقم زراعت	دیگر ابواب	جملہ	مفوضہ عاملان سابق	جملہ
[illegible] ۸/	[illegible] ۶/۶۰	[illegible] ۱۴/۶	[illegible] ۸/۱۳	[illegible] ۶/۹

۲۲ ۔ سنہ ۱۲۶۴ ف میں موقوفی سے اکثر عاملان کے ان کے تفویض کئے ہوئے تعلقات

خالصہ امانی میں جو شریک ہوئے تو رقم مالگزاری حسب ذیل قرار پائی

محالات مقبوضہ عمالان سابق	امانی		جملہ
	سربستہ وغیرہ	کمایش امانی	
لک [illegible] ۳/۹/	لک [illegible] ۱/۳/	لک [illegible] ۱۴/۹/	لک [illegible] ۳/۹/

۲۳ اس کے بعد ترقی زراعت اراضی خالصہ کی وجہ سے واگذاشت تنخواہی محالات کی وجہ سے ۱۲۶۵ف ۱۲۶۶ف ۱۲۶۷ف میں خصوصاً واپسی لک مستردہ کی وجہ سے ۱۲۷۰ف میں محاصل اراضی دیوانی بہت ترقی پائی چنانچہ رقم ۱۲۷۰ف حسب ذیل تھی۔

زراعت	امرائی	بنچرائی	پیش کش	متفرقات مال	سربستہ وغیرہ	جملہ
لک [illegible] ۷/	[illegible] ۶/۱/	لک [illegible] ۱۵/۴/	لک [illegible] ۱۵/۱۰/	لک [illegible] ۱۱/	لک [illegible] ۸/۳/	لک کرور [illegible] ۹/۶/

اور یہ رقم سکہ حالی ہے۔ سابق کے محاصل سکہ چلنی کے حساب سے لکھے جاتے تھے۔ پس فیصدی دس روپے کے حساب سے جو بڑھ جاتے ہیں گویا یہ بھی ایک دوسرا اضافہ ہے۔

۲۴ ۔ دس برس کے عرصہ میں یعنی سنہ ۱۲۹۷ف کے بعد سے سنہ ۱۳۰۷ف تک ترقی زراعت کی وجہ سے اور تنخواہی محالات کی شرکت سے سنہ ۱۲۹۷ف کی رقم سے تقریباً ایک نصف رقم کی افزایش مدّ مال میں پائی جاتی ہے باوجودیکہ سنہ ۱۳۰۱ف میں محصول بنجرائی اور امرائی کی معافی بہت کچھ عمل میں آئی ہے سنہ ۱۳۰۰ف و سنہ ۱۳۰۱ف میں جو ہر دو محصول مذکور معاف کردیے گئے جس سال رقم ابواب مذکور معاف کردی گئی ہے حسب ذیل تھے ۔

امرائی	[illegible]
بنجرائی	[illegible]

اور نیز اس وقت کہ سنہ ۱۳۰۰ف میں اضلاع کہمم کے سربستہ تعلقات شریک امانی ہوئے اور اس میں بسبب عمل تبدیل بٹائی کے نقدی میں دھارے کا تقرر رعایا کی دل جوئی کے لیے کمی سے حسب ذیل کیا گیا تھا ۔

تعلقہ کندی کنڈہ میں	[illegible] ہزار
ورنگل	[illegible] ہزار
پرکال	[illegible] ہزار
کہمم	[illegible] ہزار

اور اس مدت میں بھی دیہات رقمی [illegible] ہزار تعلقات دیوانی سے محصول راہ داری وغیرہ کے معاوضہ میں جو کہ جاگیردار لیتے تھے جاگیر میں خارج ہو گئے تھے ۔

۲۵۔ رقم مالگزاری ۱۲۸۴ف حسب ذیل تھی۔

زراعت وغیرہ	امرائی	کنچہ کاہ (بنچرائی)	متفرقات مال	پیش کش	جملہ
لک کرور [illegible]	لک [illegible] ۱۱	لک [illegible]	لک [illegible] ۸	[illegible] ۸	لک کرور [illegible] ۳

اس حساب سے ظاہر ہے کہ ۱۲۸۴ف میں بمقابل ۱۲۶۴ف [illegible] رقم مالگزاری اراضی میں ترقی دکھلائی دی جو کہ رقم ۱۲۸۴ف سے تقریباً دو چند تھی۔ اور ۱۲۹۹ف میں بمقابل ۱۲۷۴ف مد مالگزاری اراضی میں [illegible] کا اضافہ ظاہر ہوا جو کہ ۱۲۷۴ف کی رقم سے تخمیناً ڈیوڑھی ہے اور ۱۲۶۴ف کی رقم کے لحاظ سے ۱۲۸۴ف میں [illegible] کی افزائش گویا سہ چند ہے۔

۲۶۔ اندازہ وصول سال حال یعنی ۱۲۸۴ف [illegible] حسب ذیل ہے۔

رقم آیابٹی پانچ لاکھ اونسٹھ ہزار پانسو اکتیس روپے شریک ہیں

زراعت وغیرہ	امرائی	بنچرائی	پیش کش	متفرقات مال	جملہ
لک کرور [illegible]	لک [illegible]	لک [illegible]	لک [illegible]	لک [illegible]	لک کرور [illegible]

یہ رقم اندازہ بہ نسبت سال گزشتہ زیادہ ہیں۔ خوش ہنگامی اور ترقی لاونی کے لحاظ سے امید کی جاتی ہے کہ یہ نتیجہ خلاف امید نہیں ہے اور جو طریقہ اکثر وقوع میں آنے کا ہے وہی تشفی بخش بھی ہے۔

رقم وصول سال گزشتہ یعنی ۱۲۸۶ف حسب ذیل ہے

جملہ	متفرقات مال	پیش کش	بنجرائی	امرائی	زراعت وغیرہ
لک کرور [illegible] ۷ ر ۹ ر	لک [illegible] ۱۰ ر ۸ ر	لک [illegible]	لک [illegible]	لک [illegible] ۵ ر	لک کرور [illegible] ۶ ر ۳ ر

۲۷۔ ۱۲۸۶ف میں اضلاع سمت جنوبی و شرقی اور بعض سمت شمالی غربی کے بھی قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا تھے اس سال کی جمع بندی میں بہت کچھ رقم کم ہوگئی۔ نیز اوایل ۱۲۸۷ف میں اسی خشک سالی کے اثر سے جمع بندی میں کسی قدر کمی پائی گئی۔ اور ۱۲۸۶ف میں تعلقات مذکور کی مالگزاری سے لاکھوں روپے معاف کر دیے گئے۔ جمع بندی ۱۲۸۶ف بابت مال اور سوائے ودیس پٹی بہ نسبت ۱۲۸۵ف کے اندازہ میں جس کا اوسط فیصدی ہوتے ہیں کم تھے اور جمع بندی مذکور میں کہ اسی سال عدم وصول تھے یعنی ایک سو کی جمع بندی میں وصول ہوے اور اس رقم عدم وصول

میں سے [illegible] کے اندازے میں معاف کردئے گئے اور بقیہ کا مطالبہ ملتوی ہے اس میں سے بھی قریب نصف کے عدم جائداد میں محسوب ہوگا۔ اور سنہ ۱۲۸۷ ف کے اوایل میں بھی بقیہ قحط کا اثر پایا جانے سے رقم جمع بندی سے [illegible] معاف کردئے گئے۔

ٹپہ

۱۲۵۔ سابق عمل میں ٹپہ کا اہتمام مرہٹواڑی کے ملک میں کچھ ایک تھا مگر انتظام کے ساتھ نہیں اور سرکار کو اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ اس عہد کے جدید انتظام میں ٹپہ کا اہتمام باقاعدہ تمام اضلاع و تعلقات میں قایم ہوگیا ہے۔ محاصل ٹپہ کا سنہ ۱۲۷۹ ف میں جو اسی سال ٹپہ کا علاقہ جدید انتظام پایا تھا [illegible] تھا اور بعد جاری ہونے دستور نشان ٹپہ سرکاری کے ترقی پاکر سنہ ۱۲۸۳ ف میں محاصل ٹپہ کا [illegible] ہوا۔ اس قدر زیادہ محاصل کا سبب یہ تھا کہ سرکاری مراسلات زیادہ وزنی محصول خطوط کی شرح سے روانہ کئے جاتے تھے۔ دوسرے دو سال میں تدارک کیا گیا۔ محاصل سنہ ۱۲۸۴ ف [illegible] تھا مگر سنہ ۱۲۸۷ ف سے ٹپہ سرکاری کا دستور نشان موقوف ہوکر ٹپہ کے محاصل میں بھی آمدنی نشان ٹپہ سرکاری کے موافق کمی پائی گئی۔ محاصل حال کا [illegible] اندازہ ہوا ہے۔ گذشتہ سال میں [illegible] تھا اور سال حال کا محاصل مع محصول خطوط سرکاری جس کا اوسط چہار سالہ [illegible] سالانہ ہوتا ہے [illegible] رقم کا ہوگا۔

۱۳۹ - انتظام تعلیمات کے لیے تعلقات میں کوئی پٹی کاشتکاروں سے یا خوشش باشوں سے کوئی چندہ مقرر نہیں ہے آمدنی علاقہ مذکور کی فقط تعلیم پانے والوں کی فیس سے ہے جو کہ نہایت قلیل ہے۔ آمدنی سال حال کا اندازہ علاقہ تعلیمات سے ہے مگر زیادہ وصول ہوگا۔ اور سال گزشتہ ا تھا۔

۱۴۰ - انتظام جدید کے قبل علاقہ تعلیمات کے اخراجات بہت کم تھے یعنی چند سو روپے سے بڑھ کر نہ تھے۔ اور جس وقت سے کہ تعلیمات کا انتظام تعلقات میں شروع ہوا ہے ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ اخراجات شریک ہوئے ہیں اور یہ سب سرکاری خزانہ سے دیے جاتے ہیں۔ خرچ مذکور ۱۲۷۰ف میں کے اندازے میں تھا بعد ازاں ہر ضلع ہر تعلقہ میں مدرسے قایم کیے گئے تو اخراجات بھی بڑھ گئے چنانچہ ۱۲۸۲ف میں خرچ علاقہ تعلیمات تھا اور تعمیرات کے فن کا مدرسہ اس میں شریک نہیں ہے۔

۱۴۱ - دار الطبع سرکار عالی ۱۲۸۵ف سے قایم ہوا ہے۔ اس کی آمدنی جریدۂ اعلامیہ سرکار عالی کی قیمت ہے جو غیر لازمان سرکاری سے وصول ہوتی ہے۔ اس کی رقم سال حال میں اندازہ ہوا تھا۔ سال گزشتہ میں ا تھا۔ اخراجات اس علاقہ کے سال حال میں مطبع ہائے بلدہ و اسمات کی بابت ہزار اندازہ ہوا تھا۔ سال گزشتہ تھا اور مصارف کا سر شکن جملہ محاصل دیوانی پر بابت سال حال ا ر۶ مر ہے اور بابتہ سال گزشتہ ا ر۴ مر تھا۔

خرچ مذکور جزرقم ہے اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر مطبع نہ ہو تو احکام سرکاری لکھنے اور جا بجا پہنچنے میں دیری ہو جائے گی۔ اور ضرورت کے سبب سے لکھنے والے زیادہ رکھے جائیں تو خرچ بھی زیادہ ہو جائے گا۔

۱۴۴۔ **طبابت** کے علاقہ میں کسی طرح کی آمدنی از قسم پٹی یا چندہ نہیں ہے۔ جملہ اخراجات خزانۂ دیوانی سے ہیں۔ سراج الملک مرحوم کے عمل دیوانی سے طبی مدرسہ چادرگھاٹ چھاونی میں قایم ہوا تھا۔ اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ انتظام جدید میں ضلعوں پر اور شفاخانوں میں معمور کیے گئے۔ اور چیچک براری کا کام بھی انہیں طبیبوں سے متعلق کردیا گیا۔ ۱۲۷۴ف میں طبابت بلدہ و اضلاع کے اخراجات لعہ لاکھ ۱/۱۱/۴ تھے۔ ایام ضلع بندی کے بعد ہر ضلع و ہر سمت میں طبیبوں کا تقرر ہونے کی وجہ سے طبابت کے اخراجات میں افزونی ہوئی ۱۲۸۴ف کا خرچ لاکھ ہزار تھا۔

واپسی وادائی فاضلات سابقہ

۱۸۱۔ زیر باری سرکار علاقہ دیوانی کی کیفیت فقرات ۲ میں ۶ و ۸ و ۹ تک بیان ہوئے ہیں اور جو کچھ عمل حال میں فاضلات سابقہ کی ادائی عمل میں آئی ہے اس کی کیفیت حسب ذیل ہے۔ کہ رقم باید داد نگی سرکار چار قسم پر ہے۔

ایک (۱) برآیندہ تنخواہ اہل جمعیت و منصب و اقربا یان خاص۔

دوم (۲) رقم کثیر و خطیر جو حضور پر نور نے راجہ چندو لعل و راجہ رام بخش کے

عمل میں بطور قرض حسنہ عنایت فرمائی ہے۔

سوم (۳) قرضہ ساہوکاروں کا اور جمعداروں کا۔

چہارم (۴) تعلقداروں کے داخل کیے ہوئے پیشگیات۔

۱۸۲۔ عمل ہائے سابق میں ادائی قرضہ کا انتظام تا ادائی قرضہ دیہات و تعلقات تفویض کرنے سے ہوتا تھا۔ ۱۲۶۲ف میں دیہات و تعلقات رقمی ساہوؤں کی بایدداد میں تفویض تھے۔ اور تعلقات برار پایان گھاٹ و رایچور دوآب و نلدرگ وغیرہ سرکار عظمت مدار کی رقم قرضہ میں جو پچاس لاکھ کے اندازے میں باقی تھی بحساب سالانہ لے چھ روپے فیصد سود۔ نیز اخراجات جمعیت کنٹنجنٹ وغیرہ میں بطور امانی تفویض تھے۔ حال عمل میں دیہات و تعلقات حوالے کر دینے کا دستور بالکل موقوف ہو گیا ہے۔ چونکہ تعلقات سابق سے ساہوؤں کی بایدداد میں تفویض تھے۔ اور جو پرگنے نگر وغیرہ کی سمت عمر بن عوض و برق جنگ بہادر کی بایدداد میں تفویض تھے وہ سب واگذاشت کرلئے گئے۔ سرکار عظمت مدار نے بھی پچاس لاکھ روپے قرضہ اور اس کا سود آیندہ منسوخ فرماکر اضلاع رایچور دوآب و دھاراسیون وغیرہ واپس کر دیے ہیں۔

۱۸۳۔ ابتدائے عمل دیوانی مختار الملک بہادر میں قرضہ اقسام مذکور کی رقم حسب فرد حساب مرتبہ اہل دفتر مال دو کرور ستر لاکھ نود ہزار ایک سو چھہتر روپے تھی۔

اس وقت سے دستور قرض لینے کا جمعداروں سے جس کے ضمن میں افزائش جمعیت ہوتی تھی اور دینا تعلقات کا عوض میں یادداو کے موقوف ہوگیا اور قرضہ مذکور کا زرکثیر ادا کر دیا گیا۔

۱۸۴۔ راجہ چندو لعل متوفی گزاشت دیوانی داخل کر دینے کے بعد **حضرت غفران منزل** نے بایں لحاظ کہ ساہوکاروں کے دعوؤں کی تحقیقات بسبب دفتر حساب موجود نہ ہونے کے شاید ممکن نہ ہوگی تجویز فرمائی تھی کہ ساہوؤں کے قرضے میں سے فی روپیہ پانچ آنے کے حساب سے کم کر کے باقی ادا ہو جائے۔ ساہوکار بھی اس تجویز پر رضامند ہو گئے تھے۔ مگر جو رقم قرارداد مذکور کے بعد معین ہوئی وہ پوری ادا نہ ہوئی کیونکہ دس گیارہ آنے کا دینا بھی بے حساب اور زیادہ تھا۔

حال میں دریافت قرضۂ سابق کی اور تحقیقات حساب گزشتہ زمانے کی بہت مشکل تھی۔ اول تو یہ کہ حساب پورا ملتا نہیں تھا۔ دوم یہ کہ اگر تحقیقات کے بعد رقم قرضہ مقرر بھی ہو جاتی تو خزانے میں نقد روپیہ بقدر کفاف کہاں تھا جس سے قرضے کی ادائی کی جاتی۔ مگر مختار الملک بہادر نے ابتدائً یہ تجویز قرار فرمائی کہ ساہوان مذکور سے جس وقت جدید مبادلہ معمولی کاموں کے لیے لینے کی ضرورت پڑتی تو اس رقم میں سے دس روپے ابتدا کے اور بعد اس کے فیصدی پانچ روپے بابتہ قرضۂ سابق وضع کر کے مجرا دیتے تھے کیونکہ حال عمل کی کارروائی میں دوسرے اقسام کی جملہ ناجائز منفعتیں جو ساہوؤں کو پہنچتی تھیں موقوف ہو گئی تھیں لہٰذا تجویز مذکور کو حال معاملہ میں ساہوؤں کی ترغیب کے لئے

مناسب تھی اور اس تدبیر سے سرکار کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ کیونکہ رقم منہائی مذکورہ قرضہ سابقہ میں مجرا کی گئی۔

جمعداران عرب نے بھی رقم کثیر اپنے قرضوں کے عوض پائی اور جمعیت کی تنخواہ بقایا اور بابتہ برطرفی جمعیت بھی ادا کی گئی۔ اور جواہر جو رہن تھا وہ بھی چھڑا لیا گیا۔ اور تا آخر ۱۲۸۶ف سابق کے جملہ قسم کے قرضے اور بقایا اور فاضلات وغیرہ [illegible] دو کرور گیارہ لاکھ اٹھارا ہزار پانسو سترہ روپے ادا کئے گئے ہیں بہ تفصیل ذیل

داخل حضور پرنور	[illegible]
در ادائی مبادلہ ساہوان	[illegible]
بابت فک رہن جواہر مع سود	[illegible]
بابت ادائی فاضلات پیشگی تعلقداران و بقایا و برطرفی تنخواہ جمعیت	[illegible] ایک کرور
میزان	[illegible] دو کرور

۱۸۵۔ ساہوکاروں کے دعووں کا تصفیہ بھی نہایت کفایت سرکار کے ساتھ مدنظر تھا۔ ان کے حسابات میں بہت کمی کر کے تھوڑی رقم پر تصفیہ ہوا چنانچہ ساہوؤں کے حساب مندرجۂ ذیل میں بہ نسبت دعویٰ اور رقم فیصلہ کے [illegible] اسی لاکھ اسی ہزار چھ سو چھپن روپے آٹھ آنے کفایت سرکار ہوئی ہے۔

نام ساہوان	رقم دعویٰ	رقم تصفیہ شدہ	کفایت سرکار
ہرداس بھگوان داس	[illegible]	اعہ لک	[illegible]
کرپا رام کولی لال	[illegible]	سے لک	[illegible]
سوموار گیر بلدیو گیر	[illegible]	ہزار	[illegible]
برکت گیر بربھات گیر	[illegible]	ہزار	[illegible]
			[illegible]

۱۸۶۔ سال حال کے اندازے میں رقم واپسی و ادائی فاضلات [illegible] ہے منجملہ آں [illegible] بابتہ واپسی علاقہ مال و عدالت وغیرہ سے بابت سال حال کے ہے اور [illegible] بابت قرض علہائے سابقہ ہے سال گزشتہ میں خرچ واپسی مذکور [illegible] تھا۔

۱۹۴۔ سابق عملوں میں ماہوارات اقربایان خاص وغیرہ ماہانہ [illegible] ہزار ایک لاکھ اسی ہزار روپے یعنی سالانہ [illegible] اکیس لاکھ ساٹھ ہزار روپے مقرر تھا۔ مگر قلت محاصل اور ناداری خزانہ کی وجہ سے [illegible] ہزار یا شاید لاکھ روپے ماہوار یعنی بارہ لاکھ روپے سالیانہ سے زیادہ ایصال نہیں ہوتے تھے وہ بھی بہزار دقت اور باقی بر آئندہ رکھے جاتے۔ عمل جدید کے پانچ چھ مہینے بعد سے کامل اجرائی عمل آئی

اور سوائے چار ماہ کے کچھ بھی برآیندہ نہ رہا۔ اور جس وقت سے کہ تعلقات رائچور دوآب وغیرہ واپس ہوئے چھ لاکھ روپے بابت شوراپور۔ ملک مستردہ کی آمدنی سے حسب الحکم داخل حضور پرنور ہوتے ہیں ان دو وجوہ مذکور کی وجہ سے اس مد میں خرچ بہ نسبت سابق کے اضافہ ہے۔

داخل حضور پرنور جو رقم ہوتی ہے اس میں اخراجات متعلق حضور پرنور اور ماہوارات اقربایان و کارخانہ جات وجمعیت صرفخاص وشاگرد پیشہ کے اور عوض سمستان شوراپور وغیرہ شریک ہے۔ الخ

واضح ہو کہ تجارت وحرفت میں جو کاستگی ہوگئی تھی۔ کرور گری کا انتظام راستوں کا امن اجرائی ریل کی وجہ سے وہ مبدل بہ ترقی ہوگئی۔ سابق زمانے میں بلدہ کے بازار کا یہ حال تھا کہ عمدہ پھلواری اور کنچی اور دیسی تیلیار ومال وغیرہ نیز ولایتی اشیا حسب خواہش یہاں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بلدہ کے لوگ جاکر سکندرآباد کے بازار سے خرید لاتے تھے۔ مگر بعہد وزارت مغفور اوّل بلدہ کے بازار نے بفضلہ وہ رونق پائی کہ اہل بلدہ کو سکندرآباد جانے کی ضرورت نہ رہی بلکہ اہل سکندرآباد بعض اشیا کی خریدی کے لئے بلدہ میں آنے لگے۔ سید عبدالرزاق جس کی شاپ فی زمانہ بلدے میں مشہور ہے سابق میں مولف نے دیکھا ہے اور اکثر لوگ مولف کے ہمسن دیکھے ہوئے موجود ہیں کہ عبدالرزاق کی ایک معمولی دوکان صرف نیاری کی چوک میں حضوری دروازہ کلاں شمال رویہ کے قریب تھی علی ہذا القیاس

اکثر تاجروں نے ترقی کی ہے۔

چلنی روپے کم عیار اور مختلف سکے ہونے سے جس کا بیان باب اول میں مفصلاً ہوا ہے رعایا سخت نالاں تھی اس لئے ۱۲۷۳ء میں چلنی روپیہ موقوف کرکے سکہ حالی جدید جس کی ایک جانب نظام الملک آصفجاہ دوسری جانب ضرب حیدرآباد فرخندہ بنیاد اور اس کا نرخ سب جگہ یکساں ہے بنوا کر تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں رائج کیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ شاہان آصفیہ کے نام کا سکہ ملک دکن میں جاری کیا جواب تک نہ ہوا تھا۔ جب کہیں رعایا کو پریشانی و نقصان گوناگوں سے سکہ ہائے مختلف کے نجات ملی۔ جب سکہ حالی جدید تیار ہوا تو آٹھ آنی چوآنی دونی ایک آنی بھی ابتداءً بنوائی گئی۔ اور مانند حالی روپیہ کے طلائی سکہ بھی ہوا یعنی اشرفی بھی بنی۔ سابق میں دار الضرب سلطان شاہی میں متصل تالاب میر جملہ تھا اور اس کے مہتمم مہدی یار جنگ مرحوم فرزند رشید الملک مرحوم تھے۔ بعد ازاں دار الضرب محلہ دار الشفا میں آیا اور اس کام پر راگھی سیحر یورپین۔ دولت یار جنگ بہادر یکے بعد دیگرے معمور رہے جسکو کہ قبل ۱۲۷۲ء جس پر بہادر شاہ بادشاہ غازی تھا وہ حالی کہنہ کہلاتا تھا۔

انتظام تعلیمات کے متعلق موازنہ مذکور میں مندرج ہے کہ ۱۲۷۴ف میں خرچ علاقہ تعلیمات سالانہ لعہ للعہ مالعہ انچاس ہزار ایکسو نود روپے تھا۔ بعد ازاں بتدریج خرچ مذکور میں اور ترقی ہوئی چنانچہ از روے جمع و خرچ موازنہ بابتہ ۱۲۹۱ف

مصارف تعلیمات سالانہ ...۱۳ مالک تھے۔ مدارس بلدہ و بیرون بلدہ کی اور تعلیمات و اضلاع کے مدرسوں کی نگرانی کے لیے ناظم تعلیمات و مہتممان و مددگار اور عملے قرار پائے ہیں۔ سالانہ امتحان ہوتے ہیں جن کے باعث اہل بلدہ کے علاوہ دیہاتی مسلمان و ہنود ہزاروں صاحب سواد و ہوشیار ہو گئے ہیں مگر جہاں تک دیکھا جاتا ہے زیادہ تر کم درجے والوں کے اطفال کو شوق تحصیل علم کا ہے۔ اور لیاقت حاصل کر رہے ہیں۔ اور خصوصاً شرفائے مسلمانان اہل ملک کے اطفال اکثر کم شوق اور بے پروا۔ اس کو سرکار کیا کرے گی۔ مقدر کی بات ہے۔ شاید کہ انقلاب منظور الٰہی ہے۔ عین شرافت علم و لیاقت ہے ورنہ سب انسان اولاد حضرت آدم علی نبینا و علیہم السلام ہیں۔ یوں تو شیروانی و دستار کی بدولت شرفا و غیر شرفا میں کوئی تمیز باقی نہیں رہا ہے طرہ اس پر علم و کمال حاصل ہو تو لا محالہ غیر شریف بھی صاحب خدمت و معزز ہو جاتا ہے اس کو امیر و وزیر کے ہاں کرسی ملتی ہے تو پھر اس کو کون شریف نہ کہے گا۔ گو دراصل کسی فرقے کا ہو۔ اور شریف زادہ بے علم و بے ہنر نکلے اور رذیلیوں کی چال اختیار کرے تو اس کی رذالت میں کس کو کلام ہو گا۔ ازبسکہ شرفا کو اپنی شرافت پر غرور و ناز ہو گیا تھا اور غیر شریفوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے لہٰذا کیا عجب ہے کہ خالق عالم کو یہ غرور شریفوں کا ناپسند آیا ہو۔ اور یہ صفت ناپسندِ خالق تو بیشک ہے ؎

مرا و را رسد کبریا و منی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بعہد وزارت مغفور اگرچہ ہر عہدہ دار کو حسب درجہ اقتدار معین تھے لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ ادنیٰ دفعدار پولیس کی بھی معموری و برطرفی بغیر اطلاع و منظوری مدارالمہام مغفور کر سکتا۔ اگر کوئی عہدہ دار کسی کو ناحق یا حقیقت جرم پر برطرف یا معطل کرتا اور مدارالمہام مغفور کے ہاں مستغیث ہوتا تو اس کی مثل طلب کر کے بعد ملاحظہ بحالی کا حکم جاری فرماتے اور اس عہدہ دار کو اس بے انصافی کے بارے میں ہدایت کی جاتی۔

یہ کیفیت اس زمانے میں مشہور تھی اور تہور خاں کے فرزند نے بھی اپنی تالیف موسوم بہ نوبہار دکن میں اس کا ذکر کیا ہے کہ میر مومن علی صاحب صدر تعلقدار کے دفتر میں ایک بلی بغرض اندفاع موشان پالی گئی تھی۔ اس کے خرچ کے (۸؍) آٹھ آنے ماہانہ قرار پائے تھے۔ لیکن صدر تعلقدار صاحب ایک عرصہ تک اس شش و پنج میں تھے کہ ماہانہ آٹھ آنے گو خفیف خرچ ہے مگر جدید ہے۔ بغیر منظوری سرکار اس جدید خرچ کو کس طرح جاری کروں۔ اور منظوری کے لیے سرکار میں اندعا کرنے کو لحاظ مانع ہے کہ نہایت خفیف و جزئی بات ہے۔

خلاصہ یہ کہ ادنیٰ و اعلیٰ جملہ امور انتظام کی زمام اختیار کو بکمال بیدار مغزی اپنے دست خاص میں مغفور نے رکھا تھا۔ علاوہ برآں بسبب صغر سنی اعلیحضرت غفران مکان علاقہ صرفخاص کے جملہ ابواب کا انتظام بھی اپنی ذات خاص پر منحصر رکھا تھا۔ اور مانند علاقۂ دیوانی کے اس کو بھی منضبط کیا۔ نیز اپنے کارخانے کا

انتظام اور بعض امرا کے مُنیم مانند نواب میر اسد علی خاں بہادر و نواب میر سرفراز حسین خاں بہادر جو بعد ازاں اپنے آبائی خطابات سے مخاطب بہ نظام یار جنگ نظام یار الدولہ حسام الملک خانخاناں بہادر اور صفدر جنگ شیر الدولہ فخر الملک بہادر ہوئے۔ بعد ازاں نواب خانخاناں بہادر معین المہام متفرقات ہوئے بعد چند سال اس سے سبکدوش ہو کر دوبارہ ۱۳۲۵ھ میں معین المہام و وزیر افواج سرکار عالی ہوئے تھے چنانچہ مصرع تاریخ منظومہ مولّف یہ ہے۔

نواب ما دوبارہ معین المہام گشت

نواب فخر الملک بہادر ہنوز معین المہام و وزیر عدالتہا و امور عامہ ممالک محروسہ سرکار عالی ہیں۔ یہ نوابان ممدوح تو عزیز یعنی برادر نسبتی نواب صاحب مغفور کے ہیں۔ نہیں ان کے سوائے مانند کمال خاں کمال یاور جنگ بہادر جمعدار وغیرہ کے بھی کارخانوں کی بھی نگرانی بکمال توجہ و بہی خواہی نا بن شعور بنیہاں فرماتے رہے۔ جس کے باعث مقام غور ہے کہ روزانہ کس قدر کاغذات مغفور کو دیکھنے پڑتے ہوں گے۔ چنانچہ عہد مغفور میں سنا جاتا تھا کہ روزانہ سترہ صندوق ملاحظہ مدار المہام میں آتے ہیں۔ جس وقت نواب رشید الدین خاں بہادر وقار الامرا کو ریجنٹ قرار پائے تو سترہ صندوق اور چار تھیلے کاغذات و امثلہ جات کے بہادر موصوف کی خدمت میں مغفور نے روانہ کئے تھے۔ بہادر موصوف نے پہلے ایک تھیلا کھلوا کر ملاحظہ فرمایا تو اس میں بڑی بڑی ضخیم مثلیں تھیں۔ فرمایا اللہ اکبر روزانہ اس قدر کاغذات

دیکھنا ہے۔ یہ کس سے ہو سکتا ہے۔ اسی وقت جملہ صندوق اور کیسے امثلہ جات وغیرہ کے واپس کر کے فرمایا مختار الملک بہادر سے کہو یہ زحمت شاقہ آپ ہی کو مبارک۔ مجھ سے اس قدر کاغذات کہاں دیکھے جاتے ہیں۔ ہاں کوئی ویسا ہی خاص مقدمہ ہو تو اس میں میری رائے کو شریک رکھیں باقی درد سریوں سے مجھے معاف رکھیں۔

الحاصل باوجود اس قدر کثرتِ کار و افراط اشغال کے حمّام، نماز، ورزش و سواری اسپ روزانہ۔ مگر اواخر میں بسبب صدمۂ پا وغیرہ گھوڑے کی سواری کم ہو گئی تھی۔ چائے خوری کے وقت علی الصباح میر تہوّر علی صاحب۔ جنید خاں جمعدار سید عبد الوہاب صاحب داروغۂ باورچی خانہ۔ سیدی غنبر خانساماں کا سلام و عرض و معروض۔ بعد ازاں آٹھ نو بجے دیوانخانہ موسوم بہ نُور محل میں دربار عام۔ اس کے بعد دس بجے کوتوال صاحب کی باریابی۔ دوپہر کو بعد فراغ خاصہ بروقت دستخط رقعہ ہائے دفتر ملکی متفرق لوگوں کا سلام و عرض و معروض اور نذریں بھی عیدین و شادی وغیرہ کی لیتے تھے اور دوشالے وغیرہ خلعت شادی کے عطا ہوتے تھے۔ دو بجے معززین مخصوص وغیرہ کا دربار۔ یہ سب امور روزانہ بروقتِ معینہ جاری تھے اس کے سوائے شام تک جب کبھی کسی کو ضرورت پڑتی تو باریابی میسر ہوتی تھی۔ معتمدین بعض امرا اور معتبر ساہوکاروں کے لیے ہفتہ میں ایک ایک روز ملاقات کا معیّن تھا۔ ہر ایک معزز روز معینہ اور وقت مقررہ پر حاضر ہو کر باریاب ہوتا تھا۔ اس کے سوائے متفرق صاحبان یورپین اور علما و مشائخین و تجار وغیرہ دکن و دیگر بلاد غیر معیّن کی ملاقاتیں۔ الغرض صبح سے

شام تک باریابیاں اور کام رہتا تھا۔ حتیٰ محل میں خاصے پر بھی مغفور کو مہلت نہ دیتے تھے یعنی اکثر مستورات متنفیشہ و حاجت مند عرضیاں دیتیں اور معروضہ کرتی تھیں۔ اگر کوئی بی بی متعلقہ محل منع کرتیں تو مغفور فرماتے تھے کیوں روکتی ہو کہنے دو مجھ سے نہ کہیں گے تو یہ لوگ پھر کس سے کہیں گے۔

عہدہ داران و اہلِ علم و کمال وغیرہ میں سے جو کوئی باریاب ہوتا تھا تو اس سے وہی باتیں کرتے تھے جو اس سے مناسبت رکھتی ہوں۔ اگر کوئی اجنبی شخص بھی باریاب ہوتا تھا تو اس سے کچھ نہ کچھ ارشاد و استفسار فرماتے تھے جس کے باعث وہ خوش ہو جاتا تھا۔ مغفور کی تہذیب و اخلاق کے ناپسند یہ امر تھا کہ کوئی بندۂ خدا مجھ تک آئے اور میں صرف نذر یا سلام لے کر بغیر کوئی بات کئے کے یوں ہی روانہ کر دوں۔

قریب وقتِ مغرب بغرض ہشی بلیرڈ بھی کھیلتے تھے۔ بعد نمازِ مغرب و فراغ غذا نو دس بجے بعد صدر محاسب افراد حساب اور جھڑتی خزانے کی پیش کرتا تھا۔ گیارہ بجے تک کام کر کے آرامگاہ میں تشریف لے جاتے تھے اور نمازِ صبح کے وقت برآمد ہوتے تھے۔ کسی یومِ تعطیل میں بطور تفریح باغ واقع سرورنگر وغیرہ کبھی جاتے تو کاغذات کے صندوق ہمراہ رکھتے تھے۔ عنبر علی خانساماں کا بیان تھا کہ کوئی سفر ہوتا تھا تو ریل اور جہاز میں بھی کام کرتے رہتے تھے۔ اگر کبھی بلدے سے کاغذات کا صندوق آنے میں تاخیر ہوتی تو بے چین ہو جاتے تھے کہ اب تک صندوق نہیں آیا۔ کام کرنے کا مغفور کو ایک عشق تھا اور اس قدر ملکہ ہو گیا تھا کہ کیسی ہی ضخیم

پیچیدہ مقدمہ کی مثل ہوتی فی الفور اصلیت مقدمہ کو سمجھ جاتے تھے۔

عہدہ داران مال یا کوتوالی و عدالت وغیرہ میں سے جو عہدہ دار ضلع سے ہمراہ نذر وغیرہ حاضر خدمت ہوتا تو اس سے حالات انتظام متعلقہ استفسار فرماتے تھے اور ہدایتانہ کلمات میں بعض الفاظ پتے کے ایسے فرما جاتے کہ اس عہدہ دار کے ہوش اُڑ جاتے تھے اس کو اندیشہ ہوتا تھا کہ یقیناً کوئی مخبر سرکاری میرے ہمراہیوں میں ہے لہذا اضلاع کے عہدہ داران دور و دراز بھی اپنی جگہ سنبھلے ہوئے رہتے تھے۔ بعد انتقال مغفور یہ حال کھلا کہ ہر ہفتے میں ایک روز موتی لعل وغیرہ بڑے بڑے ساہوکاروں کی باریابی کا جو روز معین تھا تو اس روز ساہوکار باریاب ہو کر تنہائی میں عہدہ داران اضلاع وغیرہ کے حالات مفصلاً عرض کر دیتے تھے۔ ان کو ان کے گماشتوں کے خطوط کے ذریعے سے جو اکثر تعلقات میں بیپار کرتے ہیں حالات معلوم ہو جاتے تھے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ ہر عہدہ دار تعلقات کو خریدی اجناس غلہ وغیرہ کے لیے کوٹھی یا بنئے سے ضرور کام پڑتا ہے لہذا جلسے وغیرہ ناجایز امور جو کچھ عہدہ دار کرتے تھے اس سے بنئے واقف ہو کر بذریعہ خطوط اپنے سیٹ کو حسب الحکم مفصلاً اطلاع دیتے تھے۔

واہ ری تدبیر و حکمت عملی مغفور کی کہ بغیر خرچ کے خفیہ پولیس کا کام ایسوں سے لیا کہ جن کی طرف کسی کا خیال ہی جا نہیں سکتا تھا۔

باوجودیکہ جمعداران عرب کا زور جو حد سے زیادہ تھا توڑ دیا گیا تھا اور جمعیت

بہت سی برطرف کی گئی تھی اور لاکھوں روپے آمدنی کے تعلقات ان کے قبضہ سے نکال لیے
مگر ساتھ ہی اس کے جمعیت سابق کا داخلہ و محاسبہ معاف کر دے کر اور بقایا ئے
تنخواہ ادا کر کے اور معاش واجبی و اصلی ان کا بحال و جاری رکھ کر بکمال اخلاق ایسا کچھ
پیش آئے کہ سب کے سب نہایت خوش بلکہ جاں نثار مغفور کے بنے ہوئے تھے۔
چنانچہ ملک فرانس میں جو مغفور کے پاؤں کو صدمہ پہنچا تھا اور ڈاکٹروں کو اپریشن کا
خیال ہوا تھا تو خصوصاً مقدم جنگ بہادر جمعدار جو ہمراہ رکاب تھا بگڑ گیا کہ یہ ہرگز نہ ہوگا
اور شب و روز کمربستہ و مسلح پاسبانی کی۔

چونکہ شاپ سے بغیر کچھ لیے کے خالی جانا معززوں کے لیے معیوب ہے اس لیے
نواب صاحب مغفور بلاد یورپ کی شاپوں میں ہرگاہ تشریف لے گئے تو حسب رواج
بلد کوئی ایک چیز خرید فرما لیتے تھے۔ لیکن مقدم جنگ بہادر جمعدار برائے ناموری نواب
صاحب مغفور ہزار ہا روپے کے اشیا خرید لیتا تھا اور کہتا تھا کہ ہمارا نواب شاپ میں
جائے اور معقول خریدی نہ ہو کیا معنی۔

واضح ہو کہ مقام باغ عام اسٹیشن۔ توپ کا سانچہ۔ تا آبادی رزیڈنسی وغیرہ
تمام صحرا و زمین افتادہ جیسی کہ مولف نے حالاتِ زمانۂ سابق میں بیان کیا ہے۔ تھی۔
یہ تمام سرسبزی و آبادی فیضان عہد وزارت مغفور کی ہے جو فی الحال بفضلہ جابجا نظر
آتی ہے۔ مقام باغ عام پر سابق میں کچھ آم کے اور ببول وغیرہ کے صحرائی درخت تھے
اور افتادہ زمین پست و بلند تھی۔ اس مقام پر مغفور نے بصرف زر خطیر بکمال اہتمام تدبیر

۱۲۹۱ھ میں محبوب باغ جو بسبب سیرگاہ تفریح بخش خاص و عام ہونے کے مشہور بہ باغ عام سے تیار کیا۔ حصار باغ کے ساتھ دروازہ بھی ایک سال قبل تیار ہو گیا تھا چنانچہ اس کی تعمیر کا مادہ تاریخ طبعزاد گردھاری پرشاد باقی تخلص یہ ہے۔

باب باغ عام آصف
۱۲۹۰ھ

شرط گاہ ٹلک پیٹھ کا سابق میں بنگلہ نہ تھا بلکہ فقط ایک بلند چبوترہ زینہ دار رَوْن کے اندر واقع تھا جس کے متصل گھوڑے دوڑنے کی سڑک تھی۔ شرطوں کے ایام میں اس پر شاہ میانہ تانا جاتا تھا۔ بعد ازاں بحکم نواب صاحب مغفور وہ چبوترہ منہدم ہوا اور رَون کے باہر نہایت عالیشان بنگلہ تیار ہوا جو کہ اب موجود ہے۔ شمال رویہ ہونے سے تین پہر کو اس بنگلے میں دھوپ نہیں آتی ہے اور جملہ رَوْن روبرو واقع ہے اس لئے سالم رَوْن کا تماشا بیٹھی جائے نظر آتا ہے۔ مانند زمانۂ سابق کے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت اور بسبب جنوب رویہ ہونے کے دھوپ کی زحمت نہیں ہے۔ چنانچہ اسی دھوپ کے لحاظ سے اس زمانے میں قبل طلوع آفتاب صبح کو شرطیں ہوتی تھیں۔

صدر محبس ٹلک پیٹھ کے ادھر ٹیلے پر جو واقع ہے وہ بھی مغفور ہی کے عہد وزارت میں تعمیر ہوا ہے ورنہ زمانہ سابق میں قید خانے بیگم بازار۔ سلطان شاہی طالب الدولہ کا مکان وغیرہ متفرق مقامات پر بدانتظامی کے ساتھ تھے۔ جن میں سے قیدیوں کو نکل جانے کا موقع ملتا تھا۔ صدر محبس کی آغاز تعمیر ۱۲۹۱ھ میں ہوئی۔ میر عالم مرحوم کے تالاب میں آگبوٹ مغفور ہی کے وقت میں چھوڑا گیا ہے۔

گنبد ہائے سلاطین قطبیہ جو ایک زمانے سے ویران وخستہ حال پڑے تھے۔ چونکہ علاقہ صرفخاص ہے ۱۲۸۶ھ میں بذریعہ مہتمم صفائی علاقہ صرفخاص ان کی ترمیم وآراستگی کا حکم دے کر چمنستان وسیرگاہ خلایق کر دیا ہے۔ جو مقام کمین گاہ رہزنان و بدمعاشان بنا ہوا تھا۔ اب وہاں اذان وصلوٰۃ پنج وقتہ جاری ہے۔ حفاظ مقرر ہیں۔ مختار الملک مغفور کے حسن انتظام نے حتیٰ ارواحِ سلاطین قطبیہ کو بھی خوشنود وشکر گزار کر دیا ہے۔

مرشد زادوں کے در ملاذوں پر سابق زمانے میں سرکاری پہرے رہتے تھے۔ انہیں بلا اجازت گھر سے باہر جانے کا حکم نہ تھا۔ مغفور نے اس قید کو اٹھا دیا اور مرشد زادوں کے فرزندوں کو سرکاری مدرسوں میں داخل کر کے ترغیب کے لیے ہر ایک مرشد زادہ طالب علم کے نام ماہوار جاری فرمائی لہذا مرشد زادوں کی حالت کسی قدر درست ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض مرشد زادہ اچھے لائق بھی ہو گئے ہیں از آں جملہ میر تلاوت علی صاحب بی۔ اے ہیں۔ بسبب لیاقت سرکار عالی نے انھیں مددگار ناظم تعلیمات فرمایا ہے۔

محکمۂ صفائی ۱۲۸۰ھ سے بلدہ میں اور اضلاع میں ۱۲۸۱ھ سے قایم ہوا۔ بلدہ کے مہتمم صفائی حکیم سید علی خاں جو بعد ازاں مخاطب بہ حیدر نواز جنگ بہادر ہوئے تھے معمور ہوئے۔ چونکہ قدیم سے اسی طریقے پر گزری تھی اور ایسے انتظامات سے اہل شہر نا آشنا تھے اس لیے شاہراہ کی توسیع بتدریج ہونے لگی۔ یعنی پہلے دوکانوں کی ٹٹیاں اور پردے نکلوا دیئے جو بطور سائبان کے لگاتے تھے۔ بعد

چند دو کانوں کے سامنے کے چبوترے توڑ ڈالے گئے تھوڑا زمانہ گزرے بعد ملکیات و مکانات سرِ راہ پر حسب ضرورت دو طرفہ ڈوری ڈالی گئی اور اعلان چسپاں ہوئے کہ توسیع شاہ راہ کے لیے جس قدر مکان وغیرہ منہدم کیا جائے گا حسب مالیت ہر ایک کو سرکار سے روپیہ ملے گا۔ اور کبھی خود مغفور گھوڑے پر سوار ہو کر مخفی طور پر لاحظہ کے لئے نکلتے تھے کسی مقام کی نسبت کچھ رائے دینی ہوتی تو مہتمم صفائی سے صبح کو فرماتے تھے۔ تمام بلدے کی شاہ راہوں کے واقعات و حالات سے زیادہ تر سمت اوّل اندرون و بیرون بلدہ خصوصاً محلہ دارالشّفا وغیرہ کے حالات سے کہ مسکن و منقط الرّاس مولّف کا ہے مولّف کو واقفیت حاصل ہے۔

ہر دو جانب سے شاہ راہ کی توسیع تو عموماً کی گئی مگر بعض مقام پر مکان گویا عین شاہ راہ میں واقع تھے کہ جن کو کلّیہم منہدم و مفقود کر دینے کی ضرورت ہوئی۔ ایک وہ مکان جو محلہ دارالشفا میں شتر خانہ کے روبرو واقع تھا۔ یہ شتر خانہ سابق میں مختار بیگ کا طویلہ کہلاتا تھا۔ مختار بیگ خاص ایرانی اور مصاحب **مغفرت مکان** تھے۔ ان کی نگرانی میں سرکاری طویلہ مذکور تھا۔ دوسرا مکان بیرون دروازہ چادر گھاٹ سلیمان جاہ بہادر کی چوڑی کا تھا جو سالم منہدم کیا گیا۔ مقام غور ہے کہ جس راستے میں ایک مکان سالم ہو گا تو اس وقت وہاں کا راستہ کس قدر ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ بتدریج شکست و ریخت ہو کر اندرون و بیرون بلدہ شاہ راہوں کی توسیع ہوئی ہے۔ پتھر گھٹی نکال کر سڑکیں بنوائی گئیں۔ اور سرکاری پختہ مہری تیار ہوئی جس میں بارش کا

اور جملہ مکانات کی موریوں کا پانی بہکر جانے لگا اور بتدریج کوچوں کی توسیع بھی مد نظر ہوئی
توسیع شاہ راہ میں جس قدر جس کا مکان یا ملگی وغیرہ منہدم کی گئی اس کو حسب برآورد
پامالی کی رقم سرکار سے دی گئی۔ جس مکان یا ملگی کا مالک نادار تھا اور اس کی گذر بسر
اسی جائداد پر تھی تو بعد تحقیقات وثیقوں کے نام حسب استحقاق ماہواریں جاری ہوگئیں
چنانچہ محکمہ صفائی سے اب تک انھیں مل رہی ہیں

چار منارہ جو ایک عالیشان و مشہور قطب شاہی عمارت حیدر آباد دکن
کی ہے۔ تقریباً تین سو برس گزرنے سے خستہ حال اور عربوں کی تفنگ اندازیوں سے
مجروح ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی کہنہ گچ چھیل کر از سرنو بہ کمال اہتمام و صرف یک لک
روپیہ موٹا اور باریک چونا کیا گیا۔ گویا اس کا پارینہ اور میلا لباس اتار کے نیا اور
سفید لباس پہنا دیا گیا۔ نیز چار کمانوں کی ترمیم بخوبی ہوئی۔

گلزار حوض کی حالت قدیم بھی گذشتہ حالات میں بیان کی گئی ہے۔ اب جو
اس کی کیفیت ہے حسن انتظام مغفور ہی کی بدولت ہے۔ علی ہذالقیاس

بادشاہی عاشور خانہ بھی جو قطب شاہی مشہور عمارت ہے خستہ حال ہونے
کی وجہ سے ۱۲۹۰ھ میں اس کی بھی ترمیم معقول ہوئی نیز بعہد دیوانی نواب صاحب مغفور
چوک سے ندی تک بہت بڑی موری پختہ جس کو شاہی موری کہتے ہیں جب تیار ہوئی
تو وہ تکلیف زمانہ سابق رعایا کی دور ہوگئی۔ جلال کوچہ وغیرہ اور حضوری حویلیوں
کا پانی تمام اس جدید موری کی راہ سے نکل جانے لگا اور مقام چوک جو موسم

بن جاتا تھا وہ تکلیف باقی رہی۔ وہاں کے بیپاریوں کو اور عام مخلوق کو آرام ہوگیا۔ کھادی، سوسی، رومال وغیرہ بیچنے والے جو کھلے میدان میں بیٹھتے تھے ان کے لئے ۱۲۹۳ھ میں وہیں ایک مارکٹ موسوم بہ **محبوب چوک** علٰحدہ بنوادی گئی۔ اور ادھر پنج محلہ اور چار منارہ۔ چار کمان۔ ندی تک ویسی ہی بادشاہی موری بنوادی گئی ہے تاکہ بارش وغیرہ کا پانی صاف نکل جایا کرے۔ دروازہ شہر پناہ شرق رو موسوم بہ دروازۂ دبیر پورہ کہنہ اور چھوٹا سا تھا۔ اس کو توڑکر بڑا اور جدید دروازہ مع دو برجوں کے جو فی الحال موجود ہے ۱۳۹۴ھ میں تعمیر ہوا۔ اس کے باہر تالاب میر جملہ کا اور مکانات کی بدررو کا پانی بہتا تھا جس کا نام۔ مرکی نالا۔ خصوصاً موسم بارش میں اس کا پانی دور دور تک پھیل کر کیچڑ ہونے کی وجہ سے راستہ وغیرہ تمام مقامات غلیظ اور متعفن رہتے تھے۔ وہ نالاب مذکور سے موسی ندی تک سنگبست کشادہ پختہ تعمیر ہوا۔ جہاں جہاں عبور و مرور مخلوق اس نالے پر سے ہے وہاں پختہ پل بنوادیے گئے۔ علی ہذالقیاس ہر ایک دروازہ شہر کے باہر اطراف بلدہ جہاں جہاں ضرورت اس قسم کی تعمیر کی تھی کی گئی۔ تاآنکہ تمام سڑکیں اور گلیاں وغیرہ اندرون و بیرون بلدہ کی وسیع وصاف ہوگئیں۔ کسی مقام پر مانند زمانۂ سابق کے گھوڑا اور غلاظت نظر نہیں آتی۔ ہر سمت اور ہر گزر میں صفائی کی نگرانی ہے۔ جملہ شاہ راہ اندرون و بیرون بلدہ میں ہر پچیس گز کے فاصلے پر لالٹین قایم ہوگئے جن کی روشنی سے رہگذروں کو نہایت آرام ہوگیا ورنہ شاہراہیں خصوصاً اندھیری

راتوں کو تیرہ و تار رہتی تھیں۔

ہر چند معاملہ برار سے اس تالیف کو تعلق نہیں ہے لیکن زیر باری زمانۂ سابق اس ریاست کی اور پریشان حالی و بدنظمی اور وجہ بنائے کنیجنٹ معلوم ہوتی ہے اس لیے رسالہ موسوم بہ۔ برارسٹ جس کو مسٹر گریبل نے بادا خلہ عہدنامجات کامل صحت کے ساتھ تالیف و طبع کر کے شایع کیا ہے اس کے ترجمہ مطبوعہ موسوم بہ امانی علاقہ برار میں سے تھوڑا سا بیان ابتدائی و آخری اس میں درج کیا جاتا تو نامناسب نہ تھا لیکن احتیاطاً اس کو ترک کیا۔ بیان مذکور سے مولّف کا مقصود اصلی یہ تھا کہ اس کے معاینہ سے ناظرین اہل فہم و انصاف بے ساختہ فرمادیتے کہ اگر اس زمانے میں مختار الملک مغفور سا کوئی وزیر باتدبیر ہوتا تو یہ ریاست ویسی زیر بار رہتی نہ ادائی تنخواہ کنیجنٹ میں عاجز رہنے سے صوبۂ برار علاقہ انگریزی میں پھنس جاتا۔ اگرچہ اپنے عہد وزارت میں مغفور نے کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھانہ رکھا۔ واگذاشت برار کی تمنّا جو مغفور کو تھی اس کا حال رسالہ موسوم بہ خصوصیات اعلحضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ مطبوعہ آگرہ سے معلوم ہوتا ہے جس کو سید اہل حسین فضل صاحب کنتوری نے ازروے تواریخ و عہدنامجات وغیرہ بہ کمال وثوق تالیف کیا ہے اور اس میں بتلایا ہے کہ انگریزی کمپنی کی تجارت ابتدائً مدراس میں باجازت و اعانت آصفجاہ اوّل قایم ہوئی ہے۔ بعدازاں جب کمپنی مذکور نے ترقی کی ہے تو سرکار نظام سے بشتہا پشت ازروے فوج وغیرہ

جس قدر امداد ہوتی رہی ہے اور باہم دیگر جو روابط دوستی و اتحاد محکم ہوتے چلے آئے ہیں ان سب کو بخوبی ظاہر کیا ہے۔ رسالۂ مذکور لایق ملاحظہ ہے لیکن چونکہ اس تالیف کو صرف حالات متعلق سر سالار جنگ مغفور اوّل کی ضرورت ہے لہذا منجملہ بیان رسالۂ مذکور یہ بیان لے لیا گیا ہے کہ سر سالار جنگ اعظم کو جس قدر واپسی برار کا خیال تھا شاید کسی اور کے دل میں اس قدر نہ ہو کیونکہ انھوں نے سر رچرمیڈ سے یہ الفاظ کہے تھے کہ۔ یا تو برار واپس لوں یا مرجاؤں تو مجھے چین آئے۔ یہ الفاظ ان کے دلی خیالات کے اظہار کے لیے کافی تصور کیے جاسکتے ہیں اور ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کو اس صوبے کے واپس لینے کا کس قدر خیال تھا۔ الخ

نیز منتہائے کوشش و عزم مغفور اول اس عبارت مندرجۂ رسالہ مطبوعہ امانی علاقہ برار سے ظاہر ہے کہ جب سالار جنگ مغفور نے بحیثیت ریجنٹ گزارش پیش کی کہ اگر علاقہ برار واگذاشت ہو تو ہم اسّی لاکھ پونڈ خزانہ میں خرچ کنیٹجنٹ کے لیے جمع کرنے کو مستعد ہیں۔ اس پر یہ فیصلہ لارڈ سالسبری نے کر دیا کہ چونکہ حضرت اقدس و اعلیٰ ابھی نابالغ ہیں ان کی تخت نشینی تک ٹھہر جانا چاہیئے یہ وہ فیصلہ ہے جس پر نواب صاحب موصوف اور ان کے کو ریجنٹ صاحب یعنی شمس الامرا امیر کبیر بہادر نے اس وقت سکوت فرمالیا تھا۔ شومیِ قسمت سے تخت نشینی کے قبل ہی سر سالار جنگ رہگزائے عالم جاودانی ہوئے الخ۔

نواب صاحب مغفور لعقل واقبال خداداد ہر ایک امر میں کامیاب ہوئے لیکن واپسی برار کی تمنا جس میں اپنی کمال نیک نامی سمجھے ہوئے تھے نکلنے نہ پائی۔ اجل مہلت نہ دینے کی وجہ سے جملہ کوششیں جن کے باعث بڑی بڑی کاہشیں اٹھانی پڑی ہیں۔ بیکار گئیں۔ اگرچہ معاینہ روداد سے قیاس یہ کہتا ہے کہ اگر اجل مہلت دیتی تو بھی تمنائے مذکور بر آنے کی امید بہت کم تھی۔ مقام غور ہے کہ ایام غدر دہلی کی اس مصیبت عظمیٰ میں بکمال ہمدردی وجانفشانی شریک حال ہوتے اور اعانت کرنے اور باعث ازدیاد اتحاد سرکارین ہونے کی وجہ سے سرکار نظام اور سر سالار جنگ مغفور کو سرکار عظمت مدار نے اپنا محسن مانا ہے اور نہایت شکریہ ادا فرمایا ہے چنانچہ بعد رفع عذر مذکور و فتح سرکار عظمت مدار لارڈ کیننگ نے لکھا ہے کہ "ایسے نازک وقت میں جو وفاداری اور ثابت قدمی آپ سے عمل میں آئی ہے گورنمنٹ اف انڈیا اس کی نہایت شکر گذار ہے"۔ نیز رسالۂ خصوصیات مذکور میں لکھا ہے کہ بغاوت کے عام ہوتے ہی ہز اکسلنسی گورنر مدراس نے صاحب رزیڈنٹ بہادر کو یہ تار دیا تھا کہ "اگر حضور نظام اٹھ کھڑے ہوئے تو سب کام ہمارا ضایع ہو جائے گا"۔ اور اسی امر کو ملحوظ خاطر رکھ کر کے سر سالار جنگ اعظم کو سیویر اف انڈیا (ہندوستان کا بچانے والا) لقب عام پبلک نے دیا تھا۔ نارٹن اپنی کتاب ٹاپکس فار انڈین اسٹیٹ من (مضامین برائے مدبرین ہند) میں تحریر کرتے ہیں کہ ہماری خوبی قسمت سے قدیم نظام بغاوت

کے شروع ہونے سے چند ہی روز قبل رحلت کر گئے اور ان کے جانشین کو بعجلت تسلیم کر لینے سے ہم کو بہت فائدہ پہنچا۔ اگر یہ سانحۂ رحلت چند ماہ کے بعد واقع ہوتا تو کوئی دنیاوی قوت حیدرآباد کے لوگوں کو جو احاطۂ مدراس میں نہایت قوی خوفناک اور سرکش جماعت ہیں باز نہ رکھ سکتی۔ بحالات موجودہ حیدرآباد میں برابر بے چینی کے آثار نمایاں ہوا کئے اور اس میں زیادہ قیل وقال کی گنجایش نہیں ہے کہ شہر کے لوگوں کو صرف سالار جنگ کی ہمدردئی انگریزی نے روک رکھا۔ یہ بخوبی معلوم ہے کہ شہر کے لوگوں میں اور چھاونی کے افواج میں باغیانہ رسل ورسائل جاری تھے۔ سالار جنگ نے صرف اپنے آپ کو حیدرآبا کے لوگوں کی نگاہوں میں نشان ملامت ہی نہیں بنالیا بلکہ اس بلوے کے روکنے کے باعث سے اپنے واسطے ذاتی خطرہ پیدا کر لیا تھا۔ اگر حیدرآباد اٹھ کھڑا ہوتا تو یہ کہنا ناممکن ہے کہ کیا نتائج پیدا ہوتے یعنی ذات سالار جنگ کے لئے۔ غدر کے فرو ہو جانے کے اسباب میں حسب بیان مصنف مذکور بالا سب سے بڑا سبب تو اقبال حکومت انگریزی تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرا سبب یہ تھا کہ باغی بے سرو سردار تھے۔ ان کا کوئی حاکم اور کوئی مالک نہ تھا۔ اور اس لیے فی الواقع اگر عام رائے کے موافق حیدرآباد اٹھ کھڑا ہوتا تو معلوم نہیں کہ کیا حشر نمودار ہوتا۔ کیونکہ علاوہ اس کے جیسا کہ مصنف مذکور بالا نے ظاہر کیا ہے کہ مدراس بمبئی و دیگر مقامات کے لوگ حیدرآباد کا ساتھ دیتے۔ اس پر اضافہ یہ ہو جاتا کہ

باغیوں کو ایک بادشاہ ذی اثر اور سالار جنگ اعظم سا مدبر مل جاتا۔ لہٰذا ان سب امور کو ملحوظ رکھ کر وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس موقع پر سر سالار جنگ اور ان کے آقائے ولی نعمت کی دوستی نے حکومت انگریزی کو ایسی امداد دی جو تاریخ محبّت و وداد کی سب سے آخری علی امداد ہے لیکن سب سے زیادہ عظیم الشان اور امداد ہائے سابقہ سے زیادہ موقر و وقیع تصور کیے جانے کے مستوجب ہے الخ

نیز شہر لندن میں مغفور کی کیسی خاطریں ہوئیں اور کیا احترام کیا گیا۔ ازاں جملہ فقط ایک بیان کوٹ آف کامن سے جلسے کا ہدیۂ ناظرین ہے کہ چھبیویں جولائی کو کوٹ آف کامن کونسل کے خاص جلسے میں جس کے لارڈ میئر پریسیڈنٹ تھے ایک طلائی صندوقچے میں جو نہایت ہی صنعت سے بنایا گیا تھا شہر لندن کا آزاد نامہ نواب صاحب مغفور کو نذر دیا گیا۔

یہ رسم کونسل کے مکان میں ادا کی گئی۔ اس دن بہت مجمع تھا شرف اور لارڈ میئر ہر دو درباری جبّے پہنے ہوئے تھے اور کامن کونسل کے ممبر بھی درباری لباس پہنے تھے۔ لارڈ میئر کی بی بی اور مس کاٹن اور بہت سی انگریزنیں جمع تھیں۔ ایک بجنے کے بعد نواب سالار جنگ بہادر اپنے ہمراہیوں سمیت کونسل کے کمرے میں پہونچے۔ وہ ممبر جن کے سپرد یہ امر تھا کہ آزاد نامہ شہر لندن کا اڈرس پیش کریں اور وہ ممبر جو اتفاق رائے کرنے کے لئے مقرر تھے

دونوں نواب صاحب کے ہمراہ تھے۔ جب نواب صاحب مغفور وہاں پہنچے تو تمام ممبروں نے کھڑے ہوکر استقبال کیا اور ایک بلند جگہ پر جو خاص طور اعزاز اُن کے لئے مقرر کی گئی تھی لیجاکر بٹھایا۔

مسٹر ہانگٹن منشی نون نے لارڈ میئر کے بموجب ارشاد اس رزلیوشن کو پڑھا جس کے ذریعہ سے آزادی نذر کی گئی تھی۔ چیمبرلین لندن نے جن کا نام بنجمین اسکاٹ تھا اپنا آفشل لباس پہنے ہوئے تھے نواب صاحب کی طرف متوجہ ہوکر یہ تقریر کی۔

"اس سے پیشتر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس قدیم شہر لندن کی آزادی کسی ہندوستانی ریاست کے وزیر کو عطا کی جائے۔ آپ کو جو یہ دی جاتی ہے اس سے علاوہ آپ کی ذات سے اظہار خلوص کے یہ جلسہ اس امر کا بھی اظہار چاہتا ہے کہ اس ملک اور ہندوستان کے ایک ایسے رئیس سے جو جناب ملکۂ معظمہ کا وفادار دوست ہے رابطہ محبت زیادہ پیدا ہو تمام ہندوستانی والیان ملک میں حضور نظام حیدرآباد اور ان کے والد مرحوم سے زیادہ کوئی وفادار دوست گورنمنٹ انگریزی کا نہیں ہے۔ اس وفاداری کا استحکام خصوص اس وقت زیادہ ظاہر ہوا کہ جب ہندوستانی فوج باغی ہوگئی اور عبرتناک واقعہ غدر کا پیش آیا اس وقت صدہا بیوفاؤں میں سے حضور نظام مرحوم اور ان کے دانشمند وزیر باتدبیر یعنی آپ سچی وفاداری کے

امتحان میں پورے نکلے اور صرف یہی نہیں کہ اس عہدنامے کے مواعید پر قایم رہے ہوں جو آنریبل کمپنی سوداگران شہر ہذا سے کہ اس وقت ہمارے ہندوستانی مقبوضہ پر حکومت کرتی تھی بلکہ اپنی ہر روش سے وفاداری اور سچی دوستی کا ایسا یقین رزیڈنٹ کو دلایا کہ ان کو اعانت فوج انگریزی کے لیے جو اس وقت نہایت سختی میں تھی کنٹینجنٹ کی فوج روانہ کرنے کی جرات ہوئی۔ حقیقت میں ایسے غدر کی روک میں بہت کچھ مدد کی کہ اگر کامیابی کے ساتھ اس امر کا وقوع نہ ہوتا تو مشرق کی عمدہ گورنمنٹ اور تہذیب کی ترقی کا بالکل پتہ نہ ملتا۔ ان قیمتی خدمات کی جلدو میں جن کو لفٹنٹ گورنر بنگال نے اَنمولُ اور غیر ممکن المعاوضہ لکھا ہے گورنمنٹ ہند نے آپ کو گرانڈ کراس آف دی اسٹار آف انڈیا کا تمغہ عطا فرمایا۔ اس موقع پر ہم کو حضور ولیعہد پرنس آف ویلز کا سفر ہندوستان اور وہ سرگرمی کے ساتھ لایق اطمینان استقبال یاد آتا ہے جو ہر جگہ وہاں کے روسا سے ظہور میں آیا۔ بمبئی میں اور کلکتے بیں بحیثیت قایم مقام حضور نظام آپ نے حتی الامکان یہ خواہش ظاہر کی کہ وارث تخت و تاج انگلستان کی عزت و تنظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو۔ آپ نے اپنی محنت و دانشمندی کو صرف اس ملک کے فواید میں مصروف نہیں رکھا بلکہ اپنے ولی نعمت حضور نظام کی وسیع سلطنت کو جس کی وسعت فرانس کے برابر ہے اور ایک طرف بمبئی پریسیڈنسی اور دوسری طرف مدراس پریسیڈنسی تک پھیلی ہوئی ہے اپنے دانشمندانہ

انتظام سے بے انتہا ترقی دی۔ سڑکیں بن گئیں۔ ریل جاری ہوئی۔ آب پاشی کا کام شروع ہو گیا۔ خاص خاص شہروں میں آب نوشی کے ذریعے کثرت سے ملنے کے ایسے مہیا کئے گئے جن سے یورپ میں تعجب ہے اور جو خاص اس شہر عظیم الشان کے لئے ایک مثال ہے۔ اسکول قایم ہوئے۔ تعلیم کی اشاعت ہوئی۔ رعایا کے لیے انصاف برائے نام نہیں بلکہ واقع میں۔ اور سب سے عظیم یہ اصلاح ہوئی کہ عمدہ انتظام مال کے سبب سے لوگوں کی ظالمانہ زیادہ ستانی جو مستاجری طریقہ میں عام تھی مطلق نہ رہی۔ چونکہ آپ ایک بڑے وفادار دوست گورنمنٹ انگریزی کے اور ایک نہایت مدبر منتظم وزیر اس سلطنت وسیع کے ہیں جو ہمارے پادشاہ کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھتے ہیں اور نیز اس خیال سے کہ ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ دوستانہ سلوک اور عمدہ کاموں کی باہم قدر کرنا ہمارے ملک کے لوگوں اور اہل ہندوستان کے باہم تعلقات دوستی کو اور بھی مضبوط کر دے گا، یہ جماعت جو اس سلطنت میں اول درجہ کی جماعت ہے آپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ طریقے کی شکر گزاری جو وہ ادا کر سکتی ہے ادا کرتی ہے اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کے بموجب رائٹ ہنڈ آف دی فیلوشپ کو قبول فرمائیے اور میں آپ کی خدمت میں رزلیوشن کی نقل جو اس کورٹ نے جاری کیا پیش کرتا ہوں۔ ایک بکس جو اس کے رکھنے کے لائق ہو اس آنریبل کورٹ کے حکم سے بن رہا ہے چونکہ آپ کے قیام کا زمانہ نہایت قلیل ہے اس عرصہ میں بکس کا ایسا بننا

کہ آپ کے قبول کے لایق ہو ممکن نہیں لہذا وہ بکس آپ کے مراجعت کے بعد ہندوستان میں آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔ ہز لارڈ شپ جو اس جلسہ کے پریز یڈنٹ ہیں اور تمام اراکین مجلس مجھ سے اس آرزو میں متفق ہیں کہ آپ کو بہت جلد صحتِ کلی ہو جائے اور مع الخیر اپنے ملک میں پہونچیں اور خدا آپ کو بہت دنوں تک زندہ رکھے تاکہ آپ اپنے عمدہ انتظام سے اپنے ملک والوں کو فائدہ پہونچاویں۔"

اس کے جواب میں مختار الملک مغفور نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور نیز جو اسپیچیں مغفور کی شان میں پڑھی گئی ہیں اور اعزاز و اظہار شکریہ جا بجا ہوا ہے وہ سب مرقعہ عبرت میں ملاحظہ کے لایق ہیں مگر باوصف اس کے جب وزیر اعظم انگلنڈ سے مغفور نے ابتداءً خواہش ملاقات کی تو جواب ملا کہ اگر برار کے متعلق گفتگو نہ ہو تو میں بخوشی ملاقات کر سکتا ہوں۔

اس جواب سے جو صدمہ نواب صاحب مغفور کے دل پر ہوا ہو گا وہ مغفور ہی کا دل جانتا تھا مگر کیا کرتے مجبوراً حسب مرضی وزیر اعظم موصوف وعدہ کرنا پڑا۔ پس ایسی حالت میں مغفور کی تمنا بر آنی معلوم۔

اوصاف و اخلاق نواب صاحب مغفور

نواب صاحب مغفور سچے اور سیدھے آدمی کو نہایت پسند فرماتے تھے اور اس کی قدر کرتے تھے۔ ویسے آدمی کی سیدھی سادی باتوں سے مطلق ناخوش نہیں ہوتے تھے۔

روزانہ متعدد دربار اور باریابیوں کی وجہ سے اور عیدین کی نذروں میں جو ہر ایک شخص اپنے فرزندان و اقارب کو لاکر نذر دلاتا تھا اس لیے مغفور کو جاگیرداران و منصبداران و جمعداران کے جملہ خاندان سے بخوبی واقفیت ہو گئی تھی لہذا کسی منصبدار وغیرہ کے انتقال کے بعد اس کی اولاد کو ثبوت وراثت کی زحمتیں جیسی کہ اس زمانے میں ہیں مطلق نہ تھیں اور نہ منصب دار یا جاگیر دار متوفی کے وارثوں میں کوئی غیر شریک ہونے کی جرأت کر سکتا تھا۔ نہ کسی قسم کی جعلسازی ہو سکتی تھی کیونکہ خود مدار المہام مغفور سب سے واقف تھے۔

مغفور نے آغاز شباب میں یعنی قبل مدار المہامی جیسا کہ سیاق و سباق اور مال و نظم جمعیت وغیرہ کے کاموں میں تجربہ حاصل فرمایا تھا اُسی زمانے میں خطاطی سے بھی واقفیت حاصل کی تھی چنانچہ سیدی عنبر خانساماں سے معلوم ہوا ہے کہ منشی میر مہدی حسین مرحوم سابق ناظم دفتر ملکی سے خط نستعلیق کی اصلاح لیتے تھے۔

وصلیاں اور ابری اپنے ہاتھ سے بناتے تھے۔

محمد مظفر الدین خاں المخاطب امیر یاور جنگ بہادر حیدرآبادی جو خط نستعلیق کے خوشنویس کامل تھے ایک روز نواب خانخاناں بہادر کے روبرو کہ مولف بھی حاضر تھا بیان کرتے تھے کہ ۱۲۷۵ھ میں مرقعہ میر عماد کی میں نے تین نقلیں کی تھیں۔ ایک اعلیحضرت مغفرت مکان کو نذر گذرانے کے واسطے اور ایک مختار الملک مغفور کی خدمت میں گزرانے کے لیے اور ایک محی الدولہ صدر الصدور مرحوم کی پیشکش کی غرض سے۔ ان میں اول درجہ کا جو مرقعہ لکھا گیا تھا اس پر محی الدولہ مرحوم کا نام میں نے لکھا تھا کیونکہ وہ اس کے مبصر تھے۔ دوم وسوم درجہ کے مرقعہ پر مختار الملک مغفور اور اعلیحضرت کے نام نامی لکھ دئے تھے لیکن ہر سہ مرقعوں کو پہلے مختار الملک مغفور میں لے گیا مغفور نے ہر سہ مرقعوں کو ملاحظہ فرمانے کے بعد محی الدولہ والے مرقعہ کی نسبت فرمایا یہ اول درجہ کا ہے تب میں نے ہر چند عرض کیا کہ یہی نذر سرکار ہے لیکن مغفور نے قبول نہ فرمایا اور وہی مرقعہ لے لیا جس پر ان کا نام درج تھا۔ اس وقت مجھ کو ندامت و پشیمانی ہوئی کہ میں انہیں ایسا مبصر کامل نہیں سمجھا تھا۔

باوجود اس کے اوائل زمانۂ دیوانی میں ہر گاہ اہل ملک میں سے کوئی شخص قطعہ لکھ کر گذرانتا تھا تو فرماتے تھے کہ یہ بھی ایک قسم کی نقاشی ہے کیا حاصل اس سے کاش اس کے عوض قانون میں محنت کرتے۔ اس ارشاد سے بظاہر خوش خطی کی ناقدری پائی جاتی مگر در اصل ایسا نہ تھا۔ چونکہ مغفور کو رواج قانون مد نظر تھا اور قانون والوں کی

ضرورت درپیش تھی اس لیے ترغیباً اس طرح فرماتے تھے تاکہ اہل ملک قانون میں لیاقت حاصل کر کے سرکار کو مدد دیں اور بحصول خدمات خود بھی اچھے رہیں۔ مغفور کی قدردانی خوشخطی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک روز نواب صاحب مغفور کی والدۂ ماجدہ نے صحیفۂ کاملہ اپنے پڑھنے کے واسطے مانگا تو فرد مطلوبہ پر مغفور نے۔ صحیفۂ کاملہ خوشخط ندہند۔ لکھ کر مہتمم کتاب خانہ کے پاس روانہ فرمایا۔ اس وقت مولّف کے برادر کلاں میر اسد علی صاحب مرحوم مہتمم کتاب خانہ تھے مغفور کے مطلب کو سمجھ گئے اور ایک معمولی خط کا صحیفہ کاملہ محل میں گزران دیا۔ مطلب مغفور کا یہ تھا کہ مستورات اعلیٰ درجہ کے خط کو کیا جانیں جو اس کو بحفاظت رکھیں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مغفور خوشخطی کے نہایت قدردان تھے ورنہ یہ حکم دیتے کہ اعلیٰ درجہ کا خوشخط صحیفۂ کاملہ دیا جائے کیونکہ مغفور کی والدۂ ماجدہ نے اپنے واسطے مانگا تھا۔

مغفور نے بعض وقت شرح میں انشا پردازی و مذاق سخن بھی ظاہر فرمایا ہے چنانچہ اوایل عہد دیوانی کی مشہور نقل ہے کہ کسی دفتر کے نو ملازم منشی نے لفظ نوع کے کی عین لکھنے کو بھول گیا تھا تو اس پر مغفور نے شرح فرمائی تھی کہ۔ منشی نو لفظ نوع را بہ ترکیب نو نوشتہ است عین خطا کردہ۔

واضح ہو کہ عہد مغفور میں حسب دستور قدیم فارسی تحریر مروّج تھی۔ بعد مغفور کے بعہد وزارت عماد السلطنہ مرحوم حسب استدعائے اہل ہند اُردو لکھنے کی بنا پڑی ہے۔ مولوی احمد عبد العزیز ولا تخلص جو بوجہ لیاقت و کارگذاری ترقی کر کے

بخطاب عزیز جنگ بہادر معزز ہوئے ہیں۔ بزمانۂ آغاز شباب و اوایل ملازمت۔ مولوی چراغ علی معتمد مال کی پیشی میں کارگزار تھے۔ نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر کی رحلت جو ہوئی تو ان کا مادۂ تاریخ دخل الجنۃ اچھا نکل آیا تھا اس لیے مولوی صاحب موصوف نے اس کا قطعہ ۱۲۹۹ ایک پرچہ پر لکھ کر باجازت معتمد صاحب موصوف روزانہ کاغذات کے صندوق میں رکھ دیا جب صندوق مغفور کے ملاحظہ میں گیا اور سب کاغذات کے آخر میں وہ پرچۂ تاریخ بھی ملاحظہ میں آیا تو اس پر تحریر فرمایا کہ۔ ازیں مادۂ تاریخ معلوم نمی شود کہ برائے کیست تاریخ ہماں خوبست کہ درآں نام متوفی باشد۔ صندوق مذکور واپس آنے کے بعد وہ پرچہ مولوی صاحب کو بایں شرح جب ملا تو ان کا دل بڑھا اور دوبارہ قطعہ اس تاریخ کا یعنی میر کبیر رہبر وملک عدم شدہ۔ لکھ کر بدستور سابق دوسرے روز کے صندوق میں رکھ دیا۔ ۱۲۹۹ اس پر مغفور نے یہ شرح فرمائی کہ۔ ایں تاریخ خوبست اما بلا حذف الف اگر می بود خیلی بہتر بود۔ مولا صاحب کو جب پرچۂ دوم بھی باشرح موصوف ملا تو سہ بارہ یہ قطعۂ تاریخ کہ۔ شدہ شمس الامرا سوی ارم۔ لکھ کر اسی طرح ملاحظہ میں روانہ کیا۔ اس روز اتفاقاً مغفور ۱۲۹۹ کو آشوب چشم لاحق تھا اس لیے اس پر فقط یہ تحریر فرمادیا کہ۔ چشم درد میکند۔ اس کیفیت سے علاوہ مذاق سخن کے نہایت خلق و مروت مغفور مترشح ہے ورنہ ممکن تھا کہ ایسا وزیر اعظم کثیر الشغل اور اس کے ملاحظہ میں سرکاری کاغذات کے ساتھ غیر متعلق تحریر مکررات و مرات جائے اور اعتراض و عتاب نہ ہو حتیٰ یہ کہ درد چشم کی حالت میں بھی مغفور کی زبان قلم سے ایسا کلمہ نہ نکلا کہ جس سے کچھ عتاب ظاہر ہوتا یا زحمت دہندہ کے دل کو صدمہ پہونچتا زحمت دہندہ

کوئی عہدہ دار نہیں بلکہ اس وقت صرف ایک کار پرداز دفتر تھے ۔ واقفیت اگر تھی تو صرف اس قدر تھی کہ مولوی محمد نظام الدین صاحب ناظم عدالت کا لڑکا ہے۔

گلبرگہ میں کسی مستغیث نے اپنے معروضے کے ساتھ ایک عینک بھی ملفوف کی تھی ۔ اس وقت مغفور نے بنام حاکم گلبرگہ یہ حکم تحریر فرمایا کہ اس مستغیث نے ہمراہ استغاثہ کے عینک اس لیئے بھیجی ہے کہ اگر حکّام کو حق نظر نہیں آتا ہے تو یہ عینک لگاکر دیکھیں ۔ لہذا مستغیث کے مقدمہ کو عین توجہ کے ساتھ دریافت کرکے جلد اطلاع دیں۔

آغاز شباب میں علم نجوم و رمل ۔ اور علم موسیقی ۔ میں بھی مغفور نے مداخلت حاصل کی تھی نیز گھوڑے کی سواری اور بندوق کے نشانے میں بہت ماہر تھے ۔ فارسی وانگریزی زبان میں اچھے تھے ۔ اور ایک بات اگرچہ چھوٹی سی ہے لیکن اس سے معلومات مغفور کا حال معلوم ہوتا ہے لہذا بیان کرنے میں قباحت نہیں سمجھی جائے گی ۔ یعنی ایک روز مغفور اپنے خانہ باغ میں تفریحاً نکل آئے تھے ۔ گل کاری کے کونڈوں میں سے جو پتّے جھڑے ہوئے تھے ان کو باغ کا مالی بغرض صفائی نکال رہا تھا ۔ یہ دیکھ کر مغفور نے فرمایا جس کونڈے کے پتوں کو اسی کی مٹّی میں دبا دینا چاہیئے کہ اس سے قوّت وقوّت اس درخت کی ہوتی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم فلاحت میں بھی مغفور کو دخل تھا ۔

حزم ووقار وتمکنت مغفور اس کیفیت سے ثابت ہے کہ عہد مغفرت مکان میں جو ہنوز بلدے کے راستے تنگ وناہموار تھے اور گاڑیوں کا رواج نہ تھا تو حسب دستور

دستور قدیم مغفور کی سواری بھی حشم و خدم کے ساتھ جاتی تھی۔ خواہ بارگاہ شاہی پر حاضر ہوتے یا رزیڈنٹ بہادر کی کوٹھی میں جاتے۔

اس مقام پر مولف کو خیال ہوا کہ صرف حشم و خدم کی سواری کہہ کر گذر جانا قدیم حضرات کے لیے کافی ہے کیونکہ ان کی نظروں میں وہ سواریاں ہیں لیکن اس زمانے کے ناظرین کیا جانیں لہذا سابق زمانہ مغفور کی تصویر کھینچ دیجائے تو مناسب ہے۔

واضح ہو کہ ابتدائً آٹھ دس شتر سوار سُرخ وردیاں پہنے ہوئے۔ بعد اُن کے غالب جنگ بہادر کا رسالہ سُرخ وردی کا مع ڈنکا نشان۔ بعدازاں سفید وردی کا رسالہ۔ ان کے بعد دس بارہ مرفعہ چی مرفعہ سجاتے ہوئے۔ ان کے بعد کئی سو عرب کاندھوں پر بندوقیں رکھے ہوئے۔ ان کے آخر میں خود غالب جنگ بہادر اور ان کے بھانجے گھوڑوں پر سوار اگر دھوپ رہی تو سُرخ رنگ کے چتر اُن کے سروں پر ان کے بعد چند متقربین یعنی میر تہور علی صاحب جو بعدازاں مخاطب بہ مختار یار جنگ جلال الدولہ بہادر ہوئے جنید خاں جمعدار وغیرہ چند معززین عمدہ عمدہ گھوڑوں پر سوار رہتے تھے۔ ان کے عقب نقرئی برچھے والے اور خاص بردار۔ اگر عماری کی سواری ہوتی تھی تو بھالے والے بھی رہتے تھے۔ بھالے پر سُرخ بنات منڈھی ہوئی اس پر تخمیناً ایک ایک فٹ کے فاصلے پر نقرئی پٹیاں سرتاسر اور سیاہ ریشمی پرچم۔ عماری اور جھول ہاتھی کی پستئی رنگ کی یہ خاص ان کا بانہ عطیہ شاہی ہے۔

برچھے اور خاص بردار کے پیچھے چوبدار و شاگرد پیشہ اور بوچہ کے جوانان بلند بالا

سبز وردیوں کے مسلّح ۔ بوچے کو نواب صاحب مغفور کے گھیرے ہوئے دھوپ کا وقت رہا تو بوچے کے دونوں جانب زرد اطلس کے چتر۔ یہ بھی خاص عطیہ شاہی ہے بوچے کے آگے تھوڑے فاصلے پر دو سوار خوش آواز ہوتے تھے جن کو جھانگڑے کہتے ہیں۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر یکے بعد دیگرے تان لگاتے تھے۔ خصوصاً کبھی رزیڈنٹ بہادر کی دعوت میں جاکر کوٹھی سے یا اور کہیں سے شب کو واپس ہوتے تھے تو عجب لطف رہتا تھا۔ آگے آگے وہ مرفعوں کا شور اور عربوں کے ضامن بولنے کی دھوم۔ بوچے کے اطراف وہ چوبدار اور جوانوں کا ہجوم۔ اور مشعلوں کی روشنی اور بلند آواز جھانگڑوں کی خوش الحانی اور وہ الغوزہ نوازوں کی دل کشی یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نوشہ جارہا ہے بوچے کے قریب فتح علی خانساماں چھوٹی سی ٹٹّی پر اور سیدی عنبر خانساماں گھوڑے پر سوار رہتے تھے۔

المقصود بعض مصاحبین مغفرت مکان مثل عظمت جنگ بہادر وغیرہ منجملہ ناموافقانِ مغفور کی سواری اتفاقاً راہ میں مل جاتی تو مغفور باوجود اس قدر حشم وخدم کے اپنی ہمراہی جمعیت کو حکم دیتے تھے کہ ایک جانب ہو کر انھیں راستہ دو تاکہ وہ نکل جائیں۔ اُن کی سواری کی یہ کیفیت کہ سَو دو سَو عرب وحبشی مرفعہ والغوزہ بجاتے اور شور مچاتے ہوئے بعض ان میں کے برہنہ تلوار اور جنبیہ ہاتھ میں لیے ہوئے اچھلتے کودتے اور اس قدر زمین پر پاؤں مارتے ہوئے جاتے تھے کہ زمین ادھر تی تھی۔ اور مغفور کی سواری کو دبائے ہوئے جاتے تھے وہ بھی جلد نہیں گزرتے تھے بلکہ دھیمی رفتار کے ساتھ۔ مدارالمہام مغفور کا لحاظ مطلق نہیں کرتے تھے مغفور اگرچہ مدارالمہام نوجوان تھے اور حشم وخدم ان کا

بہت کچھ ان سے بڑھا ہوا تھا لہٰذا ممکن تھا کہ مانند دوسروں کے ان کو بھی جوشِ امارت و وزارت سے غیظ آجاتا لیکن یہ تو ایسے کاموں کے لیے پیدا ہوئے نہ تھے جو اپنی جمعیت کو بھی اچھل کود کا حکم دیتے خواہ اس کا نتیجہ کیسا ہی ہوتا۔ خالق نے انھیں طبیعت مہذب و معقول اور عقل سلیم دے کر دنیا میں بھیجا تھا۔ ان کی اولوالعزمی و عاقبت اندیشی ہمیشہ اس فکر میں رہی کہ بکمال جانفشانی اس ملک کو آراستہ اور اہل ملک کو ایسا مہذب کردوں کہ صفحۂ روزگار پر میرا نام رہ جائے چنانچہ خداوند عالم نے ان کی مراد پوری کی۔

ضبط و تحمل و استقلال مغفور کا ثبوت اس واقعہ شکستگیِ پا کے بیان سے ملتا ہے جو فرانس میں واقع ہوا تھا جس کے باعث تمام پروگرام اور ان منصوبوں کی برہمی ہونا جو اشتیاق لندن میں تھے۔ اور قریب پہونچ کر دفعتاً درماندہ و عاجز و فریش ہو جانا سخت کاہشوں کا سبب تھا۔ کیونکہ فرانس میں صرف ایک روز رہ کر منزل مقصود یعنی لندن میں کہ وہاں سے قریب رہ گیا تھا داخل ہونے والے تھے اور پروگرام کے موافق لندن کا خاص جہاز اور اسپیشل ریل اپنے اپنے مقام پر حاضر اور نواب صاحب مغفور کے منتظر تھے اور رؤسا و امرائے لندن سامان ضیافت کیے ہوئے چشم براہ۔

قطع نظر ان تمام بے لطفیوں کا رنج ہونے کے یہ امر لائق غور ہے کہ جو انسان دور دراز غیر ملک میں بیمار ہو جاتا ہے تو اس کو نہایت ہراس لاحق ہوتا ہے اور عیال و اطفال و عزیز و اقارب یاد آتے ہیں اور ان کی دوری کا سخت صدمہ ہوتا ہے اس امر کی قدر اُسی کو ہوگی جو عالم غریب الوطنی میں کبھی بیمار ہوا ہو۔ لیکن نواب صاحب مغفور

ہی کا ضبط و استقلال تھا کہ ان صدمات و کاہشات دلی کو مطلق ظاہر ہونے نہ دیا پاؤں بندھا ہوا فرشِ بیماری پر بے بس پڑے ہوئے تھے مگر جب کوئی مصاحب و ہمراہی حاضر ہو کر استفسار مزاج کرتا تھا تو حسب معمول اسی خوش خلقی و خوش مزاجی سے جواب دیتے تھے اور خندہ روی کے ساتھ باتیں کرتے تھے۔ جسمی یا روحی صدمہ کسی طرح کا ظاہر نہیں ہونے پاتا تھا۔ اس کے سوائے اگر غور کیجئے تو نہیں ابتدائے وزارت سے ایک مدت تک مغفور کو کن کن آفات و مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ خصوصاً دو زمانے کیسے سخت گزرے ہیں۔

ایک زمانہ اوائل دیوانی مغفور اور غدر دہلی کی شورش عام و آمادگی مفسدان عوام بدانجام۔

دوسرا وقت وہ کہ باوجود کارگزاری و جانفشانی کے معاندوں کی فتنہ پردازیوں سے مغفرت مکان کا بار بار وہ عتاب۔ اس پر اکتفا نہ کر کے دشمنان جانی کا وہ قرابین سر کرنا۔ تلوار سے حملہ کرنا۔ بندوق سے مارنا۔ العظمت للہ۔

ایسے اوقاتِ مشکل و کاہشاتِ جانگسل میں ہمت کو نا ہار کر ثابت قدم رہنے سے مغفور کا ضبط و استقلال کیا کچھ کم ثابت ہوا ہے۔

فیض و کرم ایسا کہ منصب و نظم و متفرقات میں ہزاروں بندگانِ خدا کو پرورش کرنے کے سوائے وابستگان و متوسلان مغفور عموماً بنام شادی و بسم اللہ خوانی وغیرہ اور برائے حج و زیارات بہرہ مند ہوتے تھے۔ شادی کی نذریں ہوتی تھیں

تو متوسلین نوشاہوں کو دو شالے اور متمولین کو سرپیچ حسب حیثیت عطا ہوتے تھے۔

حجاج وزوار عرب و عجم و مشائخین و علماء و شعراء و اردو و صادر کسی کے بھی ذریعہ سے باریاب ہو کر پانسو ۔ سات سو ۔ ہزار بارہ سو حسب حیثیت و مقدر اپنے پاتے تھے۔

اگرچہ منجانب سرکار عالی خزانہ عامرہ سے بھی عطا فرمایا ہو لیکن عطا تو فرمایا ورنہ وہی خزانہ عامرہ مغفور کے بعد بھی تھا اور بحمداللہ اب بھی ہے۔

علاوہ لندن کے عمایدین کو تحایف دینے کے لندن سے مراجعت کے وقت جب عدن پر جہاز پہنچا تو وہاں کے سلطان مسمّی بہ فضل ابن علی نے نواب صاحب مغفور کے لیے دُنبے وغیرہ بطور تحفہ بھیجے تھے۔ نواب صاحب نے ان میں سے کسی قدر قبول فرما کر بالبقی کو واپس روانہ فرما دیا۔ اور سلطان موصوف کے واسطے اپنے پاس سے حسب تفصیل ذیل ہدیہ روانہ فرمایا۔

گھڑی طلائی مع زنجیر و قطب نما ۔ ہمرو اورنگ آبادی ۔ سیلہ نادیڑی ۔ قالین زرین بافت گلبرگہ
۳ عدد ۲ طاقہ ۹ تھان یک
تھالی کٹورہ سرپوش بیدری ۔ کلی یعنی حقہ بیدری ۔ شمع دان بیدری ۔
۱ حصہ یک ۳ عدد ۲ عدد

ان تحفوں کی تفصیل سے گراں قیمتی مقصود نہیں بلکہ مطلب مؤلف کا یہ ہے کہ مغفور نے اپنے ملک کی وہ چیزیں دیں جو رئیس عدن کے لیے نایاب تحفہ متصور ہو اور صنعت بھی اپنے ملک کی ان پر ظاہر ہو۔

بندر بمبئی پر جہاز پہونچنے کے ایک روز قبل منجانب نواب صاحب مغفور جہاز کے کپتان وغیرہ جملہ عہدہ داروں کی دعوت ہوئی۔ عمدہ غذائیں کھلائیں۔ حتّٰی خلاصبان وغیرہ

ادنیٰ و اعلیٰ جہاز والے سب خوان نعمت سے نواب صاحب مغفور کے مستفیض ہوئے۔ اور سوائے بائیس ہزار روپے کمپنی کرایۂ جہاز دینے کے کپتان کو بطور انعام ایک دوشالہ اعلیٰ ایک انگشتری گراں بہا ایک زنجیر طلائی ساعت۔ ایک قلم طلائی عنایت فرمائے۔ اسی طرح اور چار عہدہ داران جہاز کو جو کپتان کے ماتحت تھے انعام عطا ہوئے۔ باقی خلاصیان وغیرہ متعلق جہاز کو ہزار روپے کمپنی انعام مرحمت فرمایا۔ تاریخ روانگی از بلدہ ۷، ربیع الاولی ۱۲۹۳ھ اور ۰ ۔ اپریل ۱۸۷۶ء کو بمبئی سے سوار جہاز ہوئے۔ تاریخ واپسی بہ بلدہ اواخر رجب ۱۲۹۳ھ ۲۵ اگسٹ ۱۸۵۶ء۔ ہمراہیان اعلیٰ و ادنیٰ جملہ (۶۲) اشخاص تھے۔

جب کوئی سفر دہلی و کلکتہ وغیرہ درپیش ہوتا تھا تو جملہ ملازمین ہمراہی کو حسب اندازہ مدت سفر پیشگی تنخواہ دلائی جاتی تھی تاکہ ہر ایک اپنے گھر میں خرچ کے لیے دیدے اور من ابتدائے روانگی ہر ایک کو روزانہ بھتا ملتا تھا۔ نزدیک کے خدمت گزاروں کو مانند شاگرد پیشہ وغیرہ علاوہ بھتے کے غذا بھی مرحمت ہوتی تھی اور یہ فرماتے تھے کہ یہ لوگ اگر اپنے کھانے پکانے میں مصروف رہیں گے تو ہماری خدمت کون کرے گا۔ اور وقت واپسی ہر ایک کو حسب حیثیت انعام عطا ہوتا تھا کہ اپنے عیال و اطفال کے واسطے کچھ تحفہ خرید کر لے چلیں۔ جب شہر میں واپس آ گئے تو چڑھی ہوئی ماہوار برابر دلوادی جاتی تھی اور جو ماہوار بطور پیشگی دی گئی تھی وہ عطیہ میں محسوب ہو جاتی تھی۔ ان امور سے ہنوز بسا واقفین موجود ہیں اور دفتر متعلقہ خانگی گواہ ہے۔

جملہ وابستگان ادنیٰ و اعلیٰ کو ہر سال گوسفندان عید قربان۔ محرم کی فقیری۔ ماہ شعبان کی آتشبازی۔ اور ہر فصل میں تقسیم انبہ وغیرہ جو ہوتی تھی اس کا ذکر مغفور کی فیاضی کے آگے ایک معمولی بات ہے۔ مغفور کی فیاضی وسخاوت پر یہ دلیل بس ہے کہ باوجود معاش کثیر کے بجائے سرمایہ نقد چھوڑ جانے کے تیس لاکھ روپے کا قرض چھوڑ کر مغفور نے رحلت کی ہے۔

نیک طینتی و سیرچشمی کا یہ حال کہ کئی دولتمندوں نے مانند بڈھن خاں جمعدار و غالب جنگ بہادر جمعدار نے لاکھوں روپے نقد اور دولت فراواں مغفور کے حوالے کر کے انتقال کیا اور اختیار دیا کہ اگر لائق نکلے تو وارث کو جس قدر سرکار مناسب جانیں عنایت فرمائیں ورنہ اسی سرکار میں ہم نے پیدا کیا ہے یہی سرکار مالک ہے۔ لیکن مغفور نے اس طرف رُخ نہ کیا۔ بلکہ بکمال حفاظت و امانت داری ہر ایک وارث کو اس کا مال دے دیا۔ اگر وارث صغیر السن مانند کمال خاں جمعدار کے ہو تو اس کے کارخانے کی نگرانی کو متدین لوگ مقرر کر کے حفاظت کی اور اس کے روپے کو منافعہ کے کاموں میں دے کر ترقی کی تجویزیں فرمائی۔ تاآنکہ جب وہ عاقل و بالغ ہو گیا تو کلہم کارخانہ اس کے حوالے فرما دیا۔

ابواب مالگزاری وغیرہ کا انتظام کر کے بکمال جانفشانی محاصل ریاست کو ترقی دی مگر کبھی کسی امیر و جاگیردار کے معاش جایز و اجبی کو شریک خالصہ کر کے ترقی محاصل کا خیال نہ فرمایا۔ بلکہ اکثر یہ لحاظ رہا کہ کسی امیر ریاست و صاحب دولت کا

کارخانہ تباہ نہ ہو اگر کسی نے بوجہ لاولدی اپنے خاندان کے کسی لڑکے کو فرزند بنالیا ہے تو منظوری میں کوئی تامل نہیں فرمایا ہے۔

حسن خلق و مروت و حلم کی یہ حالت کہ کوئی کیسا ہی قصور کرے فی الفور غصہ نہیں آتا تھا۔ خادموں سے کیسے کیسے قصور ہوئے مگر کسی کو سزا نہیں دی۔ سیدی عنبر خانساماں برسر مکافات و سزا ہوتے تو مغفور مانع ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حسب معمول شب کو صدر محاسب ہمنت راؤ کاغذات متعلقہ پیش کرنے کو حاضر ہوئے ان کا ہمراہی چپراسی صندوق یا بستہ کاغذات کا اٹھا لایا تھا اس کو حکم ہوا کہ لیمپ اٹھا لاکر روبرو رکھو۔ وہ چپراسی شاید پیا ہوا تھا۔ لیمپ کو اس بے طوری سے اٹھایا کہ ہاتھ سے چھوٹ کر چور چور ہو گیا۔ صدر محاسب کے ہوش اُڑ گئے مگر مغفور بجائے اس کے کہ خفا ہوتے یہ فرمایا کہ دیکھو کہیں شیشے کے ریزوں سے پاؤں کو اذیت تو نہیں ہوئی۔

بعد ازاں صدر محاسب اپنے ہمراہ دوسرے چپراسی کو لانے لگے۔ جب دو تین روز گزرے تو مغفور نے صدر محاسب سے فرمایا کہ وہ چپراسی کیا ہوا۔ محاسب نے عرض کی کہ اس سے اس قدر نالایقی ظہور میں آنے کے بعد فدوی پھر کس طرح اس کو پیشی میں لاتا۔ تو فرمایا نہیں راؤ جی بشریت کا مقتضا ہے انسان سے خطا ہو جاتی ہے وہ کوئی ایسا قصور نہ تھا۔ حتیٰ کسی نے دشمنی بھی کی ہے تو باوجود اقتدار کے مغفور نے انتقام نہیں لیا بلکہ اس کے ساتھ نیک سلوک کیا۔

نواب رشید الدین خاں وقار الامرا بہادر کی قدیمی ناچاقیاں باہم تمام ریاست میں مشہور تھیں مگر جب ان کے پاس کے جلسہ میں آہنی گولا پھوٹا ہے اور بسبب رزیڈنٹ بہادر شریک جلسۂ مذکور رہنے کے بہادر موصوف سخت پریشان ہوئے تو مغفور نے ان کی مخالفتوں کا مطلق خیال نہ کیا اور بکمال ہمدردی و کوشش بہادر موصوف کے سر سے اس بلائے عظیم کو ٹالا۔ جس کا ذکر اس کے قبل آچکا ہے۔ سبحان اللہ عجیب نفس قدسی خدا نے مغفور کو عطا فرمایا تھا۔

مصاحبین **مغفرت مکان** نے کیا کیا مخالفتیں علانیہ کی تھیں مگر بعد رحلت **مغفرت مکان** باوجود اقتدار و امکان انتقام ہر ایک کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ خدمتیں عطا کیں۔ اگر کسی نے اس بارے میں عرض کیا تو بھی فرمایا کہ نہیں۔ اب یہ لوگ مانند بیواؤں کے ہیں ان کا خاوند فوت ہوا ہے ایسوں سے کیا انتقام لیا جائے ؎

گر دست فتادۂ بگیری مردی　　　　مردی نبود فتادہ را پای زدن

اگر کسی سایل و اہل غرض کی استدعا نامنظوری کے لایق ہوتی تھی تو اس کو ایسے الفاظ ملایم میں ادا فرماتے تھے کہ باوجود ناکامی اہل غرض زیادہ شکستہ خاطر نہ ہوتا۔

ہر گاہ کسی دعوت وغیرہ میں اعزہ و شرفا کے ساتھ مغفور ہم طعام ہوتے تھے تو بمجرد غذا سے فارغ ہونے کے اٹھ جاتے نہ تھے کہ مبادا میرے برخواست کرنے کی وجہ سے یہ لوگ سیر ناشدہ اٹھ جائیں۔ جب دیکھ لیتے تھے کہ سب لوگ فارغ ہوگئے ہیں تو اس وقت برخواست فرماتے تھے۔

مغفور نے بڑی صاحبزادی صاحبہ کی شادی میں جو ۱۲۹۴ھ میں ہوئی علاوہ توڑے تقسیم کرنے کے بہت سے اپنے اہل خاندان و وابستگان قدیم کی دعوت بھی کی تھی۔ اس دعوت کے رقعے بطرز قدیم جس کی تصویر اقسام کاغذ زمانہ سابق کے بیان میں تبلائی گئی ہے سُرخ کاغذ کے تھے اور اس کی عبارت فارسی اُن الفاظ کے ساتھ تھی جو باہم معززین لکھتے ہیں۔ روزانہ (۳۰) اسم کی دعوت کا دستر خوان پر تکلف چنا جاتا تھا۔ اور خود مغفور مہمانوں کے ساتھ بے تکلف ہر روز شریک طعام ہوتے تھے اور بکمال اخلاص و مدارات ہر ایک پر توجہ فرماتے تھے۔ جب جملہ مہمان غذا سے فارغ ہو جاتے تھے تو اس وقت خود برخواست فرماتے تھے اور ہاتھ دھونے کے لئے آسرے میں چلے جاتے تھے۔ مہمانوں کے واسطے حقّوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہاتھ دھلانے کے بعد شاگرد پیشہ ہر ایک سے پوچھتے تھے کہ مطلوب ہو تو حقّہ حاضر ہے اگرچہ اکثر مہمانوں نے مغفور کے لحاظ سے حقّہ نہیں پیا لیکن مغفور نے خاطر داری میں کمی نہ کی۔ جب جملہ مہمان حقّہ اور پانی سے فارغ ہو جاتے تھے اُس وقت مغفور پھر برآمد ہو کر سب مہمانوں کے ساتھ بیٹھتے تھے اور وقت رخصت ہر ایک کو پھولوں کے ہار پاندان عطر حسب شان دیکر رخصت فرماتے تھے۔

مولوی میر کاظم علی صاحب مرحوم اوایل عمر میں جو ہنوز مولوی نہیں کہلاتے تھے امیدوارانہ صبح کے دربار عام میں سلام کے لیے جاتے تھے۔ ایک روز بوقت برخواست دربار بسبب انتظام چوبداران و کثرت اہل دربار صاحب موصوف کی

دستار سر سے گر گئی۔ صاحب موصوف نے اپنی دستار اٹھالے کر سر پر رکھ لی اور چلے جانے کو تھے کہ مغفور نے ملازموں کو ارشاد کیا کہ انھیں ٹھہرالو۔ اور بعد برخواست دربار بالاخانہ پر صاحب موصوف کو اپنے روبرو طلب فرمایا اور دوشالہ اُڑھا کر رخصت کیا۔ جب یہ خبر پھیلی تو چند روز کے بعد اسی وقت صبح کے دربار عام میں ایک صاحب نے عمداً اپنی دستار گرائی۔ مغفور نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ انھیں یہاں سے بڑھادو مغفور کے اس حکم کا منشا یہ تھا کہ اگر ایسوں کو دوشالے دیے جائیں تو ہر روز دو چار دستاریں دربار میں گرتی رہیں گی۔

طرفہ یہ کہ باوجود اس قدر خلق و حلم و مروت کے مغفور کا رعب و داب ایسا تھا کہ روبرو جانے کے بعد کوئی کیسا ہی طرار ہوتا تو اُس کی طراری باقی نہیں رہتی تھی۔ عہدداران نزدیک و دور کو مغفور کا خوف و لحاظ ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا۔

مولوی میر حیدر علی خاں۔ مولوی میر چراغ علی خاں۔ مولوی سید حسین صاحب موتمن جنگ بہادر وغیرہ عہدہ داران اعلیٰ جن سے نواب صاحب مغفور بالاخانے کی گلیاری میں ملتے تھے وہ سب پہلے سے آکر کتاب خانہ میں آکر مولف کے برادر کلاں میر اسد علی صاحب کے پاس بیٹھتے تھے۔ جس جس کی یاد ہوتی وہ پیشی میں جاکر آتا تھا۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں ڈپٹی کلکٹر جن کی تقریر و تحریر ہند میں مشہور ہے یہاں وارد ہوئے اور باریابی کا دن آیا تو مولوی مہدی علی خاں نے ڈپٹی صاحب سے کہا کہ دیکھئے یہ مختار الملک بہادر کی پیشی ہے ذرا سنبھلے رہئے۔ ڈپٹی صاحب نے جواب دیا

کیا کہتے ہو۔ مجھ کو بڑے بڑے حکام یورپین سے ملاقاتیں رہی ہیں یہ ایسے کیا ہیں جو مجھ پران کا رعب ہوگا۔ الحاصل جب ڈپٹی صاحب کی یاد ہوئی اور پیشی نواب صاحب مغفور میں گئے ہوئے تھے اس لیے مالگزاری واراضی کے متعلق حسب دستور انگریزی نہایت وثوق سے بیان کرنے لگے۔ نواب صاحب مغفور نے فرمایا ہر ملک کی زمین ایک ہی قسم کی نہیں ہوتی۔ جہاں کا جیسا مقتضا ہے حسبہٗ عمل کرنا چاہئیے۔ اور ایسی کچھ ردّ و قدح کی کہ ڈپٹی صاحب سے کچھ بن نہ پڑی اور قائل ہو گئے۔ جب مرخص ہو کر باہر آئے تو مولوی مہدی علی خاں سے کہا تم نے آج کس شیر سے مجھ کو ملایا ہے۔ واقعی عجیب مدبر و بیدار مغز حاکم ہے ماشاءاللہ۔

تہذیب نواب صاحب مغفور کا ذکر مجلاً یہ کہ موسم گرما میں اگر کبھی سر سے ٹوپی اتارے ہوئے رہتے تھے اس وقت کوئی طفل بھی باریاب نہیں ہونے پاتا تھا۔ اگر کسی کو اجازت باریابی دیتے تھے تو پہلے ٹوپی سر پر رکھ لیتے تھے۔ بعد فراغ غذا کلی پیتے تھے مگر سوائے محلسرا باہر کسی نے پیتے ہوئے نہ دیکھا۔ اور علی الصباح بیت الخلا میں حُقّہ پیتے تھے تو اس کی راکھ مع باقی ماندہ حُقّہ ایک کاغذ کے پرچہ میں پوٹلی باندھ کر رکھ دیتے تھے۔ اس کو خاکروب لیجاتا تھا۔ مغفور کی اس احتیاط و اخفا سے ثابت تھا کہ حُقّہ پینے کو خلاف تہذیب جانتے تھے۔ غیظ کے وقت چلا کے بات کرنے کی آواز کسی نے سُنی اور نہ کبھی خوشی کی حالت میں مغفور کے قہقہہ کی صدا کسی کے گوش زد ہوتی تھی۔

سادگی و بے تکلفی جو لازمہ اہل تہذیب کا ہے نواب صاحب مغفور کی خلقت میں تھی۔ لباس و اسلحہ و یراق اسپ وغیرہ تمام سامان مغفور کا سادہ و ثقہ ہوتا تھا۔ ۱۹۰۳ء میں ملکہ معظمہ کی شہنشاہی کا دربار جو دہلی میں منعقد ہوا تھا اس میں جملہ روسا و راجگان ہندوستان سراپا غرق جواہر با لباس زرین تھے۔ مگر نواب صاحب مغفور نے اپنے رئیس صغیر السن اعلیٰحضرت غفران مکان کا لباس سادہ یا دستار سفید رکھا۔ کمربند جس کو یہاں بگلوس کہتے ہیں صرف اس کی تقطیع میں کوئی ایک نگینہ اعلیٰ جواہر کا نصب تھا۔ اور خود بھی اسی طرح با قبائے سیاہ و دستار سفید با کمربند تھے۔ ان تمام رؤسا کے زرق و برق میں اس رئیس معظم و وزیر اعظم کی سادگی و وضعداری عجیب لطف دے رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ ہم ایسے تکلفات سے مستغنی ہیں۔ تمام اہل دربار انہیں کو دیکھ رہے تھے۔ ہر ذی فہم و شعور نواب صاحب مغفور کی عقل و زیرکی کا مدح خواں تھا۔

وعدہ کے نواب صاحب مغفور ایسے سچے تھے کہ جس امر میں کسی سے وعدہ فرماتے تھے وہ یقین کر لیتا تھا کہ میری کامیابی ہوگئی۔ حالانکہ مغفور ہزارہا اہل غرض و حاجتمند کا مرجع تھے لیکن کسی نے نہ کہا کہ ان کا وعدہ وفا نہیں ہوتا۔ امیدواران منصب کو البتہ سال دو سال یا اس سے زیادہ بسبب عدم جائداد امیدواری کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ جو منصبدار فوت ہوتا تھا تو اس کے فرزند کے نام کامل جائداد پدری جاری ہوتی تھی۔ فرزند نہ ہوتا تو بھائی۔ بھتیجا۔ بھانجا نبیرہ وغیرہ کے نام جاری ہوتی تھی۔ جس منصبدار متوفی کی فقط دختر ناکتخدا یا زوجہ رہتی تو اس کے نام جائداد متوفی میں سے حسب مناسب

کچھ اجرا کرتے اور کسی قدر سرکار میں بچت ہوتی تھی۔ اتفاقاً شاذ و نادر جس کا کوئی بھی وارث نہ ہوتا تو اس کی جائداد کامل سرکار میں بچت ہوتی تھی۔ اس قسم سے جائدادیں بتدریج فراہم ہونے کو لامحالہ عرصہ ہوتا تھا۔ ورنہ جدید منصب کہاں تک جاری کیا جاتا۔ مگر جب امیدواری دراز کے بعد کسی کے نام ماہوار منصب اجرا کرنا منظور ہوتا تھا تو ان بچی ہوئی جایدادوں میں سے سال دو سال قبل کی تاریخ سے جاری فرماتے تھے جس کے باعث پہلی تقسیم پر وہ امیدوار ایک رقم معقول اٹھا کر باغ باغ اور برسوں کی ریاضت امیدواری کا ثمرہ دل خواہ پاکر نہال ہو جاتا تھا۔ ایسی اجرائیاں اکثر ماہ محرم اور ماہ رمضان میں فرمایا کرتے تھے۔

تعمیل حکم نواب صاحب مغفور کی یہ کیفیت تھی کہ کیسا ہی عہدہ دار اعلیٰ درجہ کا ہوتا ان کا حکم جس بارے میں دیکھ لیتا تھا بغیر چون و چرا فی الفور تعمیل کر دیتا تھا۔ کسی معتمد یا صدر المہام کی مجال نہ تھی کہ تعمیل میں کوئی عذر پیش کرتے یا خلاف ضابطہ و قانون ہے کہہ کر ترمیم و تنسیخ کے لیے واپس روانہ کرتے۔ چنانچہ مؤلف کے ایک عنایت فرما جاگیردار معقول و معتبر بیان فرماتے تھے کہ ایک روز دفتر مالگزاری میں ضرورتاً میں گیا تو وہاں ایک مثل میری نظر میں آئی۔ اس میں دیکھا کہ ایک درخواست پر مغفور اوّل نے طولانی شرح لکھی ہے۔ اس پر معتمد مالگزاری مولوی مہدی علی خاں نے کچھ عذرات لکھ کر ملاحظہ میں واپس بھیجا ہے تو اس پر مغفور نے تحریر فرمایا ہے کہ سرکار نے جو کچھ مناسب جان کر حکم دیا ہے وہ عین قانون و لائق تعمیل ہے۔ اس پر معتمد موصوف نے پھر کچھ لکھ کر پیشی میں

روانہ کیا ہے تو اس پر مغفور نے فقط لفظ اُسْکُتْ تحریر فرمایا ہے۔

سبحان اللہ اس ایک لفظ اُسْکُتْ سے کیا کیا مطالب مترشح ہوتے ہیں عتاب۔ چشم نمائی۔ ہدایت۔ شان حکومت۔ استقلال رائے۔

نیز ایک واقعہ صحیح ہے کہ مرزا غلام سجّاد صاحب اشہر منصبدار جو مشاہیر اہل الملک سے اور تحصیلدار بھی تھے ہر سال مجالس عشرہ محرم میں میر روشن علیخان شاہسوار اوستاد نواب صاحب مغفور کے ہاں بپاس خاطر میر صاحب موصوف منبر پر مرثیہ پڑھتے تھے جن کی اعلیٰ پڑھنتی کی وجہ سے میر صاحب کی مجلسیں خوب ہوتی تھیں لہذا مرزا صاحب موصوف کی رخصت کے لیے میر صاحب کو ہر سال سفارش کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لیے نواب صاحب مغفور نے آخر کو درخواست پر یہ شرح فرمائی کہ مرزا غلام سجّاد تحصیلدار ہر ماہ محرم کے غرّہ سے بلدہ میں آجایا کریں۔ انھیں ہر سال حصول رخصت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حکم کو دیکھ کر کرم الدولہ بہادر صدالمہام نے غالبًا بہ تعلیم معتمد پیشی یہ عذر لکھا اور ملاحظۂ نواب صاحب مغفور میں واپس روانہ کیا کہ ایسی مدامی رخصت انھیں عطا ہوگی تو دوسرے تحصیلداروں وغیرہ کے لیے یہ ایک نظیر تازہ ہو جائے گی اور ایسی رخصت کا خواہاں ہوگا۔

اس پر مغفور نے تحریر فرمایا کہ سرکار نے بطور خاص و بطور مستثنیٰ مرزا غلام سجّاد تحصیلدار کو ایسی اجازت دی ہے دوسروں کے لیے یہ ہرگز نظیر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ مرزا صاحب موصوف نے جب تک تحصیلداری پر معمور رہے اسی حکم کی

بنا پر ہر محرم کے غرّہ کو بلدے میں آجاتے تھے۔ نواب صاحب مغفور کو یہاں تک اپنے حکم کا لحاظ تھا کہ ایک روز کسی شاگرد پیشہ کی غلط فہمی سے گاڑی لانے کا حکم بگیخانے میں پہنچا اور گاڑی تیار ہو کر خانہ باغ میں آگئی اور عرض ہوئی کہ گاڑی حسب الحکم حاضر ہوئی ہے۔ چونکہ وقت بھی عصر کا تھا مغفور برآمد ہو کر اس گاڑی پر سوار ہو گئے اور خانہ باغ میں چند گردشیں کر کے اُتر گئے۔ مگر یہ نہ فرمایا کہ میں نے کب حکم دیا اور یہ گاڑی کیوں آئی۔ محض اس لیے کہ حکم کے اعتبار میں فرق نہ آئے۔

آداب ولحاظ وخیر خواہی ولی نعمت میں مغفور کا مثل ونظیر نہ تھا۔

جو ملازم موروثی وقدیم اپنے آقا کا جان نثار ومتدین وکارگزار کمال درجہ کا ہوتا ہے اس کو لامحالہ ایک نوع کا ناز ہوتا ہے، اور قدردان آقا ایسے ملازم کو عزیز کرتے ہیں اس کے ناز اٹھاتے ہیں۔ مگر مختار الملک مغفور نے بہ پشتینی اطاعت گزار اور موروثی وزیر وفادار ہونے کے سوائے بذات خود بھی غفران منزل ومغفرت مکان کی فرماں برداری وخیر خواہی انتظام ملک میں جیسی کی ہے کسی پر مخفی نہیں خصوصاً اعلیحضرت غفران مکان کی خیر خواہی ووفاداری میں جس کا بیان کسی قدر ذکر رحلت مغفرت مکان کے ضمن میں ہو چکا ہے، وہ حصہ لیا ہے کہ جب تک سلطنت ابد مدت آصفیہ بفضلہ باقی ہے اس سے بقائے خاندان مغفور بھی وابستہ وپیوستہ رہے تو بجا ہے۔ مقصود تو یہ عرض کرنا ہے کہ باوجود اس قدر حقوق وسرمایہ ناز

رکھنے کے مغفور اپنے آقائے صغیر السن کا وہ ادب کرتے تھے کہ اس سے بالاتر کوئی خانہ زاد نہ کرے گا۔ چنانچہ شرطوں کے ایام میں ایک روز مولف نے بچشم خود دیکھا ہے کہ ملک پیٹھ کے قصر شرط گاہ پر اعلیحضرت غفران مکان بزمانۂ صغیر سنی تشریف فرما تھے اور اتالیق و مصاحبین وغیرہ سب حاضر اور مصروف تماشا بینی و چائے خوری تھے لیکن مختار الملک مغفور کا یہ حال تھا کہ روبروئے اعلیحضرت غفران مکان دست ادب بستہ دور استادہ تھے اور بغیر اپنے آقا کے کسی جانب رُخ نہیں کر رہے تھے۔

اور ایک واقعہ زبانی اکرام جنگ مرحوم، تہوّر خاں کے فرزند نے اپنی تالیف موسومہ بہ نوبہار دکن میں بیان کیا ہے کہ ایک روز کوہ شریف پر اعلیحضرت غفران مکان تشریف فرما تھے اور بمقتضائے سن بالائے کوہ شریف دوڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر نواب صاحب مغفور سے رہا نہ گیا باوجود طبع مہذب و درد پا ہمراہ حضور پرنور مثل سایہ کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے کہ مبادا نصیب دشمناں کہیں لغزش پا سے ہرج ہو۔ اکرام جنگ بہادر کا بیان تھا کہ نواب صاحب مغفور کی اس تکلیف شاقہ اٹھانے کو دیکھ کر براہ ہمدردی ہم لوگوں کے دلوں پر صدمہ ہو رہا تھا مگر مغفور کے ابرو پر ذرا بل نہ آیا۔

اور ایک واقعہ صحیح متعلق ادب یہ کہ ایک روز ہمراہ رکاب اعلیحضرت غفران مکان شکار میں مغفور بھی تھے۔ جب شکار سے واپسی ہوئی اور گھوڑوں پر سے سب اترے شاگرد پیشہ ہائے شاہی ہر ایک مصاحب و اتالیق کے

موزے اتار رہے تھے اسی طرح نواب صاحب مغفور کے بھی موزے اتارنے کے لئے دو شاگرد پیشہ حاضر ہوئے تو مغفور ہرگز راضی نہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ تم لوگ میرے ولی نعمت اعلیحضرت کی خدمت میں رہنے والے ہو تمھارے ہاتھ سے میں اپنے موزے اتروائوں خلاف ادب ہے۔ یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ تا آنکہ مغفور کے ملازمین خاص نے حاضر ہو کر موزے اُتارے۔

نیز ایک واقعہ صحیح متعلق خیر خواہی و ادب یہ کہ ایک روز ہم طعامی خداوند نعمت **غفران مکان** سے نواب صاحب مغفور شرفیاب تھے اور **غفران مکان** نے لیمو کی چٹنی لے کر اپنی غذا میں ملائی۔ اُس روز **غفران مکان** کو زکام لاحق تھا لہٰذا نواب صاحب مغفور بکمال خیر خواہی و نمک حلالی بے چین ہو گئے۔ **غفران مکان** اب چاہتے تھے کہ وہ لیمو آمیز غذا تناول فرمائیں کہ نواب صاحب مغفور نے فی الفور دست بستہ عرض کی کہ فدوی کو ایک عرصہ سے الوش مبارک کی تمنّا ہے اُمیدوار ہوں کہ یہی اُلوش مبارک مرحمت ہو۔ **غفران مکان** نے حسب استدعائے مغفور رکابی اپنے روبرو کی مغفور کو عطا فرمائی۔ مغفور اُٹھ کر آداب شکریہ بجا لائے اور **غفران مکان** کی نظر بچا کر ملازمین کو جو اشارہ کیا تو دستر خوان پر کہیں چٹنی کا نام نہ رہا۔ واہ رے ادب و تہذیب مغفور اگر عرض کرتے کہ زکام کی حالت میں لیمو کی چٹنی کا استعمال مناسب نہیں فدوی کا معروضہ قبول ہو تو ممکن تھا مگر مغفور کے ادب و تہذیب نے اس کو بھی خلاف ادب جانا اور کس حُسن سے **اعلیحضرت غفران مکان** کو چٹنی کے استعمال سے

بازرکھا۔ سبحان اللہ۔

یہ دو واقعات مذکورہ خود غفران مکان اپنے مصاحبوں سے بیان فرماکر آبدیدہ ہوئے تھے۔

الغرض اس قسم کے صدہا واقعات نیکو صفات مغفور کے ہوں گے جن کا کمترین مؤلف کو علم نہیں۔

عقاید ایسے کہ ہر سلخ ماہ محرم میں عاشور خانۂ محل کے جملہ علم حسبِ عادت بزرگاں خود آپ ہی استاد کرتے تھے اور آپ ہی اُٹھاتے تھے۔ محرم کی پہلی تاریخ سے بارہ ۱۲ تاریخ تک بجائے کارچوبی کے سبز اطلس یا مخمل کی ٹوپی زر دریشم کے کام کی پہنتے تھے اور رسوم عزاداری بجالاتے تھے اور پکّے شیعہ تھے مگر تعصّب نام کو طبیعت میں نہ تھا۔ فریقین کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک رکھا بلکہ اہلِ سنّت کی رعایت بلحاظ رئیس ور عایا زیادہ ملحوظ رہی اور اپنے مذہب والوں کو کسی قدر داب کر رکھا۔ اس کی تصدیق کے لیے یہ امر کافی ہے کہ روز عاشورہ بی بی کے علم کے سامنے جو قدیم سے شیعیان ماتم کرتے تھے اُس کو اور علی اصغرؓ کے جھولے وغیرہ کو بغیر شکایت و درخواست اہل سنّت اٹھانا موقوف کرادیا۔ صرف اس ہنگامے کے لحاظ سے جو بسبب قتل مولوی محمد زماں خاں مرحوم فرقہ مہدویہ پر ہونے کا اندیشہ تھا۔ اگر اور کوئی وزیر ہوتا تو اپنے رسوم مذہبی کو جو قدیم سے جاری تھے اس طرح موقوف نہ کرتا۔ نیز نواب صاحب مغفور کی بے تعصبی اس امر سے بھی ہویدا ہے کہ مغفور کے جملہ

خانہ زاد سنّت و جماعت تھے۔ اگر کچھ بھی تعصّب طبیعت میں ہوتا تو اپنے خانہ زادوں کو اپنے مذہب کے مخالف رہنا ہرگز گوارا نہ فرماتے بلکہ ابتدا ہی سے اُن کی تعلیم و تلقین اپنے مذہب کے موافق فرماتے۔ اگر کوئی مخالف رہتا تو اُس سے ناراض رہتے۔ مگر مغفور نے اپنے لطفِ عمیم سے اُن سب کو اس طرح پرورش فرمایا کہ کبھی کسی خانہ زاد کو یہ خیال بھی نہ ہوا کہ مخالفتِ مذہب کی وجہ سے مجھ پر عنایت کم ہے۔ بلکہ ایسے مورد عنایات رہے کہ جو باقی ہیں نواب صاحب مغفور کی عنایات کو یاد کر کے اب تک روتے ہیں۔

اسی بے تعصّبی کے باعث انتہا یہ کہ مولوی حامد علی صاحب لکھنوی نے اپنی تالیف نامہ موسوم بہ منتہی الکلام کو جو ردمیں شیعوں کی ہے نواب صاحب مغفور کی خدمت میں گزرانا۔ مزید براں یہ جسارت کی کہ دوبارہ حاضر ہوکر پوچھا کہ آپ نے اُس کتاب کو ملاحظہ فرمایا۔ اُن مغفور نے فرمایا میں سنتا ہوں کہ اس کتاب کا کسی نے جواب لکھا ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کی جی ہاں لکھنؤ میں مولوی دلدار علی نے لکھا ہے میں اُس کا جواب بھی لکھ رہا ہوں مغفور نے مسکرا کر فرمایا مولوی صاحب اس سے کیا حاصل اُس کا بھی کوئی جواب لکھ دیگا۔ پھر منتہی الکلام کہاں رہا۔

تدیّن۔ اگرچہ نواب صاحب مغفور بظاہر از روئے ثروت و وزارت و حکومت ممالکِ محروسہ سرکار عالی محوِ دنیا خیال کیے جاسکتے تھے لیکن فی الحقیقت ایسے نہ تھے۔ مغفور دنیا کے لئے عقبیٰ سے ہرگز غافل نہ تھے۔ موت ہمیشہ اُن کے پیشِ نظر تھی۔ احکامِ خدا و رسول کی اُنھیں خبر تھی۔ رمضان شریف میں تلاوتِ کلام اللہ فرماتے تھے۔ نماز اور روزے کے پابند تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کسی سفر سے واپسی کے وقت اورنگ آباد میں جب آئے تو ۲۰ تاریخ ماہ رمضان کی تھی۔ اس روز داروغہ باورچیخانہ کو حکم دیا کہ آج میں سحر کروں گا۔ یہ حکم سن کر ہمراہی تمام متعجب تھے کہ ایام رمضان تمام سفر میں گذر گئے کہیں روزہ نہیں رکھا گیا۔ آج کیوں روزے کا قصد فرمایا ہے۔ نواب بشیر الدولہ بہادر بھی ہمراہ تھے بمطابقت نواب صاحب مغفور بہادر موصوف نے بھی تیاری سحر کا حکم دیا۔ اس کی خبر مغفور کو جب ہوئی تو بہادر موصوف سے فرمایا کہ یہاں میرا مکان موروثی ہے اور یہ میرا وطن ہے۔ میں جب یہاں آگیا ہوں تو میرے لئے اب سفر نہیں رہا اس لئے روزہ اب مجھ کو واجب ہے۔

بوجہ رواج علم و زبان انگریزی و صحبت بعض اہل زمانہ لباس انگریزی کا استعمال یہاں کم کم شروع ہو گیا تھا مگر اہل حیدرآباد انگریزی لباس پہن کر مغفور کے روبرو بخوف سرزنش جانے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ بعد مغفور کے انگریزی لباس علانیہ مستعمل ہونے لگا۔ اہل یورپ کے ساتھ مغفور میز پر غذا کھاتے تھے لیکن اپنے دولتسرا میں یا کسی عزیز وغیرہ کی دعوت میں سوائے دسترخوان کے میز پر نہیں کھاتے تھے۔ مغفور کی چائے تیار کرنے والے اور باورچی وغیرہ سب مسلمان تھے چنانچہ ان میں کے بعض ہنوز اسٹیٹ میں موجود ہیں۔ ڈھیڑوں کے ہاتھ کا کھانا پینا کبھی جائز نہیں جانتے تھے۔

مغفور کی دینداری و عاقبت اندیشی اس امر سے ہویدا ہے کہ جو سفر دور و دراز درپیش ہوتا تو ہمراہ سامان دنیوی کے ایک صندوق اخروی بھی رہتا تھا۔ جس میں کفن و کافور وغیرہ اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔ اور باوجود کثرت کار و ہجوم افکار زیارت و فاتحہ قبور بزرگان کے لئے

میر مومن نور اللہ مضجعہ کے دائرہ میں اکثر بروز پنجشنبہ جایا کرتے تھے۔ یہ عمل مغفور کا عین دینداری و عاقبت اندیشی پر دال ہے۔ وزرا و امراے دنیا کا تو کیا ذکر ہے ان کے روبرو موت کا ذکر تک نہیں آنے پاتا ہے بلکہ علما و مشائخین میں بھی کوئی شاذ و نادر ایسے موت کو پیش نظر رکھنے والے ہوں گے۔ اصل یہ ہے کہ نواب صاحب مغفور کی کمال دانائی و عقلمندی کا مقتضا یہی تھا۔ اگر ایسا نہ کرتے تو عجیب تھا۔

الحاصل سر سالار جنگ مغفور اوّل کی توصیف جو کچھ کہ اس مختصر تالیف میں ہو ہیچمداں نے کی ہے اس کی نسبت مشتی از انبار و اندکی از بسیار اگر کہا جاوے تو یقین ہے کہ صاحب دانشان انصاف پرور و راستی پسندان باخبر مبالغہ نفرمائیں گے۔

مغفور ممدوح دو امر عظیم میں بفضلہ ایسے کامیاب ہوئے ہیں کہ ہر انسان عاقل ہو نہیں سکتا۔ ایک حسن انتظام ملک دکن۔ دوسرا ازدیاد اتحاد سرکار نظام و گورنمنٹ ہند و لندن۔ اگرچہ ہر دو امر مثل آنکھوں کے دیکھنے کو علحدہ ہیں لیکن غور سے دیکھیں تو مانند نگاہ کے ہر ایک دوسرے سے متحد و لازم و ملزوم۔ ان ہر دو متذکرہ کی تفصیل و تصریح سی سالہ اگر قلمبند کی جائے تو کئی دفتر ہوں اور ہر دفتر دستور الوزرا قرار پائے۔

چنانچہ ویسراے گورنر جنرل ہند لارڈ رپن نے بتاریخ ۱۰، ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۱ھ تقریب دربار جلوس ثانی و بنائے حکمرانی اعلیحضرت غفران مکان میں جو کلمات خیر خواہانہ کہے تھے ان میں کے چند فقروں کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو کہ مغفور ممدوح کی نسبت کیا فرمایا ہے وہو ہذا۔ آپ کی طفولیت کے زمانے میں آپ کی اور آپ کی رعایا کی خوش نصیبی کا باعث

تھا کہ ایک ایسا شخص انتظام ریاست پر مامور تھا جو ہندوستان کے منتظموں میں اعلیٰ درجہ رکھتا تھا اُس کی دانائی اور اس کی وفاداری آپ کے ساتھ بڑی ہوئی تھی۔ آپ کی طفولیت کے زمانے میں بہت سی سخت مشکلیں اس کے درپیش آئیں لیکن باوجود اس کے اُس نے ان پر غالب ہوکر اس کامیابی کے ساتھ امور ریاست کو انجام دیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ آپ کی اور گورنمنٹ آف انڈیا کی شکر گذاری کا پور استحق ہے۔

سالار جنگ نے آپ کے زمانۂ طفولیت میں ریاست کے انتظام میں بہت کچھ اصلاحیں کیں۔ آمدنی کو بڑھایا۔ اور جان و مال کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ یہاں تک کہ اپنے مرنے کے وقت بھی اصلاحات کی سوچ رہے تھے۔

مجھ کو امید تھی کہ جب آپ مسند نشین ہوں گے تو اپنے کامل تجربہ سے وہ آپ کے معین رہیں گے اور سرگرمی کے ساتھ آپ کی خدمت بجا لائیں گے لیکن خدائے تعالیٰ کو یہ بات منظور نہ تھی اور ایسے وقت پر انھیں دنیا سے اٹھا لیا جب کہ آپ کو ان کی مدد کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت تھی۔

اس مسرت انگیز موقع پر اُن کی عدم موجودگی سخت رنج و افسوس کا باعث ہے۔ اگرچہ وہ خود زندہ نہیں ہیں لیکن اُن کی کارگزاریاں باقی ہیں جن میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے وزرا وسعت دیں گے اور ان کی توسیع کو اپنا فرض منصبی سمجھیں گے الخ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مختار الملک مغفور اوّل کی دیانت و دانائی و بیدار مغزی و معدلت و نیک طینتی کی تعریف مؤلفِ ہیچمدان کیا کر سکتا ہے مگر بقدر فہم خود اجمالاً عرض

کرتا ہوں کہ ریاست دکن پر بدنظمی کا ابر چھا گیا تھا جس کی تاریکی تمام ملک میں پھیل گئی تھی تاآنکہ بافضال خدائے تعالیٰ و بکرم جناب خیر الورا علیہ التحیتہ والثنا اُس تاریکی میں ایک نیر اعظم آسمان نظم ونسق فخر وزرائے ماسبق پیدا و ہویدا ہو گیا جس کے باعث وہ تاریکی دور ہو کر ریاست تمام روشن ہو گئی۔ باصاف تر الفاظ میں کہنا چاہیئے خالق عالم کو منظور ہوا تھا کہ گلخن کو گلشن فرمادے اور ریاست دکن جو ضعیف ہو گئی تھی اس کو نوجوان دلہن بنادے۔

لہذا ایک انسان ایسے دل و دماغ کا پیدا فرما دیا۔ پس جملہ اہل ملک کو لازم ہے پروردگار عالم کے اس عطیۂ عظمیٰ کا شکریہ شب و روز ادا کرتے رہیں اور مختار الملک مغفور اول کے لئے جس کو محسن خاص و عام کہنا زیبا و بجا ہے، دعائے مغفرت و علوے درجت سے دریغ نہ کریں کہ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ خداوند عالم جس بندہ کو بہ نسبت عام بندوں کے صفات پسندیدہ و اقبال بلند بطور خاص عطا فرماتا ہے اور دنیا میں معزز و محترم و فرمان روا رکھتا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ انسان بہ نسبت عام انسانوں کے زیادہ تر مورد رحمت پروردگار ہے اور ایک نوع کی خصوصیت اُس انسان کو منجانب اللہ حاصل ہے۔ اور یہ امر بھی مشہور و مسلّم ہے کہ جب کسی رئیس یا امیر عالی رتبہ کا وقت رحلت آتا ہے تو ستارہ دنبالہ دار آسمان پر نکلتا ہے یا یوں کہیں کہ جب ستارہ دنبالہ دار نکلتا ہے تو کوئی ایک رئیس یا امیر عالی رتبہ دنیا سے اُٹھ جاتا ہے۔ بہرحال ہر دو قول کا ایک ہی مطلب ہے یعنی اس کی خصوصیت منجانب اللہ ثابت اور لائق تسلیم اہل ملت ہے۔

چنانچہ یہ علامت خصوصیت **مغفور اوّل** کے لئے بھی جو ظاہر ہوئی تھی سب پر

اظہر من الشمس ہے کہ وقت انتقال پُرملال مغفور ستارۂ دنبالہ دار بہت بڑا جانب شرق طالع ہوا تھا۔ اور سنہ رحلت بھی وہ پایا کہ ہر ایک کے لوح دل پر کندہ ہے یعنی برابر ۱۳۰۰ھ گویا تیرھویں صدی کو ختم کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔ اور شب شب جمعہ تھی۔

خبر علالت سن کر یوں تو صبح سے تمام شہر میں ایک پریشانی تھی۔ وقت مغرب جلو خانہ تمام مخلوق سے مملو تھا۔ ہر جانب مغفور کا ذکر خیر تھا ہر لب پر دعائے صحت تھی تاآنکہ بعد مغرب رحلت ہو گئی اور علاقہ داران مغفور روتے ہوئے باہر نکلے ہیں۔ اس شب کی حالت بھی نظروں میں ہے۔ اِدھر جلو خانہ کا اُدھر منڈی کے جلو خانہ کا مجمع پریشان ہوا۔ جوق جوق بکمال افسردگی و مایوسی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جا رہے تھے۔ بلدے میں ایک اداسی چھائی ہوئی تھی۔ روز جمعہ یعنی روز دفن منڈی سے لے کر میر مومن قدس سرہٗ کے دائرہ تک مخلوق خدا کا ایک ازدحام تھا جملہ امرا و اعزہ و عہدہ داران اعلیٰ و ادنیٰ نعش کے ہمراہ تھے۔ ایلچی بیگ کی کمان کے روبرو جنازہ پہنچ کر ذرا تھم گیا کیونکہ اعلیحضرت غفران مکان برآمدۂ بالاخانے میں برآمد تھے اپنے خیر خواہ وزیر کا جنازہ ملاحظہ فرما کر بیتاب گریاں ہوئے بعد ازاں حسب الحکم اقدس جنازہ بڑھ گیا۔

اس واقعہ جانگزا کی تاریخیں صدہا لکھی گئی ہیں۔ انہیں دنوں میں چند قطعات تاریخ کمترین مولف نے بھی کہے تھے۔ طغیانی رود موسیٰ میں تلف ہو گئے۔ صرف ایک مادۂ تاریخ یاد ہے۔ گم بشد معدن فطرت زدکن ۔ جنازہ وزیر اعظم خوب مادہ تاریخ ہے۔
۱۳۰۰ھ ۱۳ھ

اس مادے کے مدعی اُس وقت کئی حضرات تھے۔

الحاصل خداوند عالم بحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار الملک مغفور اول کو غریق رحمت اور ان کے درجات کو عالی فرمائے۔ اور ان کے چراغ خاندان نواب مستطاب قمر رکاب گردوں قباب عالیجناب **میر یوسف علیخاں سالار جنگ** بہادر دام اللہ اقبالہ مدار المہام سرکار عالی کو با صحت و عافیت و با زدیاد اقبال و عظمت یکصد وسی سال سلامت رکھے اور اس چراغ سے نام نامی مغفور کا تا روز قیامت مسلسل روشن رہے چنانچہ نواب صاحب ممدوح کی سرفرازی خطاب کا مادۂ تاریخ جس کو فال نیک سمجھنا چاہیئے طبع مولف سے نکل آیا تھا سو معہ اشعار ہدیہ ناظرین یہ ہے ؎

پُر جگر بُرد بار شیر افگن ❊ حبذا شہریار ملک دکن
شہریاریکہ مہر رایش تافت ❊ از دکن تا جزایر لندن
برق عدلش بسوخت خار ستم ❊ دکن اکنون ست رشک گلشن
بسکہ روزی عطا کند۔ از رشک ❊ ہمہ تن رخنہ گشتہ پرویزن
زیں شہ ما شہاں بیاموزند ❊ بصد آرام خلق پروردن
مور ولطف اوست ہر کہ ومہ ❊ دالہ او غریب واہل وطن
بود سالار جنگ دستورش ❊ خیر خواہ و عقیل واہل فطن
از رہِ قدر دانی والطاف ❊ داشتی دوستش بوجہ حسن

بعد از وزان سبب با خداوش ❊ می نوازد بلطف سرّ و علن
دوست دارد نبیرهٔ او را ❊ یعنی یوسف علی خانِ زمن
از ره لطف و مهر در دربار ❊ حکم دادش برای آوردن
بنوازش خطاب جدّش داد ❊ بر سر خانداں نہادمنن
خواند سالار جنگ او را باز ❊ تازگی بر گرفت رسم کہن
دانش شاہاں بگوی مصرع سال ❊ نام سالار جنگ شد روشن ۱۳۱۶ھ
نام شہ مستدام روشن باد ❊ بعنایات قادر ذُو المن
سال و مہ روز و شب بود یارب ❊ از دُر مدعا شس پُر دامن
بہر شاہِ مدینہ باد مدام ❊ دکن آباد و شاد شاہ دکن
باد سالار جنگ پیوستہ ❊ مورد لطف ایں خدیو زمن
بارالہا چو جدّ خویشش شود ❊ بجمیع صفات مستحسن
عمر و اقبال روز افزوں بادُ ❊ صاحب علم باد و با ہر فن
خاطر مصطفیٰ و بہر علیؓ ❊ پئے زہراؓ پئے حسینؓ و حسنؓ

ضمیمہ

نواب سر سالار جنگ مختار الملک مغفور اولؔ کا ذکر سلسلۂ نسب شیخ اویس ثالث سے مغفور اول ممدوح تک مقدمۂ تالیف ہذا میں مرقوم ہو چکا ہے۔ اس ضمیمہ میں بقیہ متفرق کوائف خاندان عالیشان و حالاتِ متعلق مغفور ممدوح عرض کیے جاتے ہیں جو انتظام ملکی سے تعلق نہیں رکھتے۔

واضح ہو کہ منیر الملک بہادر ثانی جدِ حقیقی نواب صاحب مغفور کی طبیعت میں خاندانی سخاوت و فیاضی کمال درجہ کی تھی مگر وسواس اس قدر طبیعت میں تھا کہ اگر کوئی شخص از قسم فرش و خیمہ و سامان پخت و پُز یعنی دیگیں وغیرہ کسی تقریب یا شادی میں مستعار لیجاتا اور اتفاقاً اس گھر میں کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو پھر وہ سامان گو کتنی ہی قیمت کا ہوتا واپس نہیں لیتے تھے۔ یعنی اس سامان کو منحوس سمجھتے تھے۔ ڈیوڑھی سے نکلتے ہی کوئی میت راہ میں ملتی تو سواری واپس ہو جاتی تھی لیکن جب جوان فرزند یعنی میر محمد علیخان شجاع الدولہ بہادر نے رحلت کی تو وسواس نام کو نہ رہا۔ فرزند مرحوم موصوف کی یادگار میر تراب علی خان سالار جنگ بہادر تھے ان کا مشہور سنہ میلاد ۱۲۴۴ھ تھا مگر حدیقۂ مختاریہ میں سید روشن علی خاں توفیق ہے۔

کے گزرانے ہوئے مادہ ہائے تواریخ میں ۱۲۸۱ھ مرقوم ہے۔

الغرض نواب سالار جنگ بہادر مغفور اول بعمر چہار سالگی تپ شدید میں جب مبتلا ہوئے تو دادا سے رہا نہ گیا اور جوش محبت میں بے تحاشا دعا کی کہ پروردگار اگر میرے اس جگر گوشہ کی حیات آخر ہوگئی ہے تو اس کے عوض مجھ کو دنیا سے اٹھالے اور اس یتیم کو زندہ رکھ۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کئی بار نبیرۂ بیمار کے اطراف پھرے جس کو صدقے ہونا کہتے ہیں۔

ازبسکہ صدق دل سے دعا کی تھی قبول ہوگئی۔ ادہر نبیرۂ علیل کو آثار صحت شروع ہو گئے اور ادہر دادا صاحب علیل ہوکر راہی ملک بقا ہوئے۔ اللہ اللہ اولاد کی بھی کیا محبت ہوتی ہے۔

منیر الملک بہادر ثانی پچیس لاکھ روپے کا قرضہ چھوڑ کر جب مرحوم ہو گئے نواب سراج الملک بہادر بزرگ خاندان ہوئے جن کی دیوانی وغیرہ کا اجمالاً ذکر مقدمہ تالیف ہذا میں آچکا ہے۔

میر تراب علی خان سالار جنگ بہادر کو صحت تو ہوئی تھی لیکن آغاز شباب تک لاغری ونقاہت کے آثار نمایاں تھے۔ رنگ میں زردی اور ہاتھوں کی سبز رگیں نمایاں تھیں۔

مچھلی کا خالص تیل اس قدر استعمال فرمایا تھا کہ بہادر ممدوح مغفور کو کراہت باقی نہیں رہی تھی۔ والد مولف کا بیان تھا کہ نواب صاحب مغفور خالص مچھلی کے

تیل کو مانند شہد کے انگلی سے چاٹتے تھے۔ اور عہد طفلی میں نواب صاحب مغفور کے دو دانت اوپر کے بہت اونچے اور نوعے بدنما تھے اس لئے کسی قدر گھسوا دیئے تھے۔

نیر الملک بہادر مرحوم نے اس نبیرہ پر جو اپنی جان فدا کی، علاوہ مقتضائے محبت کے یہ ہونہار نبیرہ جان بخش ریاست تھا بھی اسی لائق۔ گویا نیر الملک بہادر مرحوم کو منجانب اللہ یہ توفیق ہو گئی۔

الحاصل ۱۲٦۹ھ میں نواب صاحب مغفور دیوان ہوئے۔ منجملہ قطعہ بند تاریخ دیوانی مصنفۂ مرحوم میرزا ہمدم شیرازی جن کے فرزند ڈاکٹر میرزا علی حکیم الممالک مرحوم تھے اور ڈاکٹر میر یوسف علی صاحب و میر اسحاق علی صاحب ہیں۔ بنظر اختصار اواخر کے چند اشعار برائے ہدیۂ ناظرین لکھ دیے جاتے ہیں ؎

فلک رتبہ نواب سالار جنگ ٭ تراب علی نور چشم جہاں

سہ باستان میر احمد لوا ٭ سہ راستان آصف جم نشاں

وزیر خردمند دانش پذیر ٭ جوان و جوان بخت روشن رواں

بجائے نیاکان بمسند نشست ٭ بہ تدبیر پیر و بہ بخت جواں

پے سال تاریخ ہمدم بگفت ٭ وزارت مبارک بہ صدر جہاں

خدایا ز چشم بدش دور دار ٭ بحق محمد شہ انس و جاں ۱۲٦۹ھ

شادی نواب صاحب مغفور کی ۱۲۷۰ھ میں ہوئی۔ جلوخانہ معروف بہ

سنڈی میں سے دولتسرائے والد عروس نواب میر غلام حسین خاں فخر الملک بہادر مرحوم تک دورویہ سراچے نصب کئے گئے تھے۔ ان سراچوں میں سے شبگشت بھی ہوئی اور بازگشت بھی **قطعہ** تاریخ شادی منظومہ سید عبدالوہاب صاحب وہاؔب تخلص یہ ہے ؎

میکنم شکرِ حق از شادی سالارِ جہاں ✤ گشت اتمام زافضال رسول الثقلین
پئے تاریخ چو میکرد تفکر وہاؔب ✤ قلمش کرد رقم گشتہ قران السعدین

واضح ہو کہ عروس معظمہ کا نام حیات النسا بیگم تھا۔ بعد شادی شوہر کے گھر میں عزیز النسا بیگم نام اور دولہن پادشاہ خطاب قرار پایا دولہن پادشاہ موصوفہ کے والد اجدا امرائے قدیم سے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ امیر کمال الدین عہد اکبر بادشاہ میں خواف سے ہند میں آئے اور ملازمانِ شاہی میں خصوصیت حاصل کی۔ ان کی اولاد ہر ایک بادشاہ کے عہد میں مراتب امارت و مناصب عالی سے سرفراز رہی ہے۔

از انجملہ میر معین الدین مخاطب بہ امانت خان عہد عالمگیر پادشاہ میں لاہور۔ ملتان۔ کابل۔ کشمیر کی دیوانی پر معمور ہوئے تھے۔

بعد ازاں اسم بامسمی ہونے کی وجہ سے عالمگیر پادشاہ نے دیوانی دکن و بخشیگری و وقایع نگاری سے سرفراز فرمایا۔

ان کے فرزند صمصام الدولہ شاہ نواز خاں بہادر سرکار آصفیہ

میں مرتبہ عالی پر تھے۔ تاریخ ماثرالامرا انھیں کی تالیف ہے۔

المختصر ان کی امارت قدیمی ہے نواب صاحب ممدوح یعنی والد ماجد عروس معظمہ موصوفہ کے سخاوکرم و خلق و مروت و شرفانوازی میں بے مثل و نظیر تھے جن کے یادگار و اثمار نامدار۔ نواب خانخاناں بہادر سابق وزیر افواج سرکار عالی اور نواب فخرالملک بہادر وزیر عدالتیہا و امور عامہ سرکار عالی ہیں۔

خانہ باغ جس کو نظام باغ کہتے ہیں اس کی اور اس کے بنگلہ کی تیاری بھی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ **روشن باغ** مع قصر عالی واقع سرورنگر ۱۲۷۱ھ میں تیار و تعمیر ہوا۔ اس کی تاریخ یہ ہے جو حیدر علی حیدر تخلص نے گذرانی ہے ؎

زہی رفیع گلستاں کہ غیرتِ خلد است ٭ معطر است ز نفحات او ابلغ دماغ
چو خواستم عدد سال آن ز ملہم غیب ٭ بگفت بالب خنداں عجب بہاریں باغ
۱۲۷۱ھ

(گلزار شگفتہ بہار) بھی کسی نے کہا ہے۔
۱۲۷۱ھ

۱۲۷۵ھ میں ایک صاحبزادی متولد ہوئیں اور دو ڈھائی برس کی عمر میں دانتوں کے صدمے سے رحلت کیں۔ یعنی دانت نکل آنے کے لئے ڈاکٹر مکالین نے مسوڑے چیرے تھے اس کے ہرج سے جو بخار آیا تو پھر اترا نہیں۔

چونکہ جب تک کسی نے یہاں مسوڑے چیرنے کا نام بھی نہیں سنا تھا حیدرآباد میں یہ ایک نئی بات تھی لہذا تمام حیدرآباد میں چرچے تھے کہ نواب سالار جنگ بہادر نے ڈاکٹر کے کہنے پر اپنی دختر کو ہلاک کیا تعجب ہے ان کی

دانائی سے۔ بھلا دنیا میں کوئی مسوڑے چیر کے بھی دانت نکالتا ہے۔

صاحبزادی موصوفہ کا **قطعہ** تاریخ تولد گزرانیدہ غلام محی الدین متین تخلص یہ ہے ؎

مختار ملک را کہ جہاں راست زو پناہ ٭ میلاد نور چشم عفیفہ نمود شاد
بنت وزیر شاہ دکن با بہار جاہ ٭ تاریخ عرض کردہ متین از برائے نذر

علیا جناب نور النسا بیگم صاحبہ جو بڑی صاحبزادی صاحبہ کہلاتی ہیں ۱۹ ربیع الآخر ۱۲۷۱ھ میں متولد ہوئیں اور ۱۲۸۴ھ میں صاحبہ ممدوحہ کی تقریب بسم اللہ خوانی ادا ہوئی۔ مادۂ تاریخ عرض کردۂ منشی محمد صدیق صاحب یہ ہے۔

بحمد اللہ مبارک بسملہ خوانی ز دلبند۔

جناب صاحبہ بیگم صاحبہ جدۂ حقیقی نواب صاحب مغفور نے ۱۹ صفر ۱۲۸۶ھ میں رحلت کی۔ **قطعہ** تاریخ گزرانیدۂ سید روشن علیخاں توفیق یہ ہے ؎

حکم تکریمش برضواں گشت از رب مجید ٭ بر در جنت جناب صاحبہ بیگم رسید
نور عین میر عالم عالم فردوس دید ٭ سال رحلت ایں دل افسردۂ توفیق گفت

ہمراہ جنازۂ مرحومۂ ممدوحہ جمیع مخلوق دیکھنے کا تھا کیونکہ خود نواب صاحب مدار المہام مغفور پیادہ پا تھے۔

بڑی صاحبزادی صاحبہ موصوفہ کی شادی ۱۲۹۲ھ میں نواب مکرم الدولہ بہادر سے ہوئی قطعہ تاریخ جو مولف نے بہادر موصوف کی خدمت میں

گذرانا تھا اس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔ داماد وزیر اعظمی
۱۲۹۴ھ

اس مقام پر بہادر موصوف کا تھوڑا سا حال بیان کر دینا مناسب ہے۔

واضح ہو کہ احتشام جنگ مکرم الدولہ بہادر خواہر زادہ نواب صاحب مغفور تھے ان کا اصلی نام میر پرورش علی خاں تھا۔ ان کا سال تولد، ار ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۲ھ ہے۔ مکرم الدولہ بہادر کے والد کو قیصر جنگ میر یاور علی خاں قیصر الدولہ بہادر خطاب دلوایا۔ داروغگی اصطبل حضوری دلوائی اور اپنے نزدیک رکھا قیصر الدولہ بہادر مرحوم جاگیر دار ابن میر جمشید علی خاں مرحوم نہایت سلیقہ شعار و منتظم طبیعت تھے۔

نواب صاحب مغفور نے مکرم الدولہ مرحوم کو تعلیم و تربیت کی اور دربار وغیرہ میں اپنے ہمراہ لیجاتے تھے سنہ ۱۲۸۰ھ میں پیشگاہ **اعلیحضرت** سے خطاب دلوایا اور صدر المہام مال کیا۔ جاگیر دلوائی۔ کوئی سفر درپیش ہوتا تو انھیں اپنا ہم قرار دیتے تھے۔

باوجودیکہ دُلہن پادشاہ محل خاص نواب صاحب مغفور راضی نہ تھیں لیکن نواب صاحب مغفور نے جو ابتدا سے انھیں اپنی دختر کلاں دینے کا ارادہ فرمایا تھا یا ہمشیرہ سے وعدہ کیا تھا پورا کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ پیوند مبارک نہ ہوا شادی ہونے کے بعد مکرم الدولہ بہادر سے مالیخولیا کے آثار ظاہر ہونے لگے تا آنکہ رفتہ رفتہ جنون ہو گیا۔

نواب صاحب مغفور نے بہت کچھ علاجات کئے اور بعد مغفور کے

بڑی صاحبزادی صاحبہ نے بصرفِ زرِ کثیر برسوں مداوا کیا مگر صحت کامل حاصل نہ ہوئی تا آنکہ سنہ ۱۳۲۳ھ میں اکرم الدولہ مرحوم ہو گئے۔ ان کا باغ و قصر واقع لنگم پلی سنہ ۱۲۸۰ھ میں تیار ہوا۔

عُلیا جناب سلطان بخت افروز بیگم صاحبہ یعنی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ

سنہ ۱۲۸۵ھ میں بروایتی سنہ ۱۲۸۲ھ میں متولّد ہوئیں۔ اُن کی شادی سنہ ۱۳۰۲ھ میں نواب میر دلاور علیخاں بہادر خلف میر بہادر علیخاں سطوت جنگ بہادر مرحوم سے بعہد دیوانی عماد السلطنہ بہادر ہوئی اور پیشگاہ اقدس سے بہرام جنگ بہادر خطاب آبائی ملا۔ خدمت معتمدی متفرقات سرکار عالی سے سرفراز ہوئے۔

عماد السلطنۃ بہادر مستعفی ہونے کے بعد خدمت معتمدی علیحدہ ہو گئی مگر تنخواہ خدمت کئی سال تک ملتی رہی کیونکہ بیوجہ خدمت سے علیحدگی ہوئی تھی۔ اور داماد مغفور کے ہیں۔ سنہ ۱۳ھ میں بہرام الدّولہ بہادر خطاب پایا۔

لائق علیخاں بہادر فرزند نواب صاحب مغفور بتاریخ نہم جمادی الاولے سنہ ۱۲۷۸ھ متولد ہوئے۔ ان کا قطعۂ تاریخ میلاد گزرانیدہ سید زین العابدین ضیف تخلص یہ ہے ؎

شد تولد چو نیک بخت ازل ٭ فخر اقبال و زیب و زین وزیر

ضیف تاریخ او رقم بنمود ٭ راحتِ جان و نور عین وزیر

تیئیس ۲۳ برس کی عمر تھی کہ ماہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۰۱ھ میں بروز مبارک جلوس ثانی

اعلیٰحضرت غفران مکان مدار المہامی کا اعزاز آبائی حاصل فرمایا موروثی خطاب سالار جنگ منیر الدولہ مختار الملک بہادر سے سرفراز ہوئے۔ نیز بطریقہ ایران خطاب عماد السلطنہ پایا۔

اس عہدۂ جلیلہ کی تہنیت میں مختصر قصیدۂ تاریخی جو مولف نے گزرانا تھا وہ یہ ہے

ساقیا مے دہ کہ دی بگذشت و خرم شد چمن — عاشقان را باز یاد آمد از آن عشق کہن
نطق طوطی را کنون پیدا است تاثیری دگر — گوئیا سر کردہ است افسانۂ نل و دمن
بسکہ بشگفتہ گل احمر ہزار اندر ہزار — ساحت گیتی شدہ یکسر چمن اندر چمن
این بروی گل ندانم قطرۂ از شبنم است — یا مزین گوش جانان گشتہ با دُرّ عدن
ہست از باد صبا جنباں بہر سو شاخ گل — یا مگر ماریست سبز و مہرہ دارد در دہن
نالۂ بلبل کہ پیش گل نیارم صبر کرد — چشمک نرگس کہ ہاں می بین و لیکن دم مزن
مایۂ عیش و سرور ناظرین در چار سوست — جعفری و یاسمین و یاسموں و نسترن
مرحبا باغ جناں یا حیدرآباد است این — حبذا گلزار فردوس است یا ارض دکن
کار و بار ہر یک ایدون جملہ عیش است و نشاط — وان نشاط و عیش را وجہ است چہ وجہ حسن
صدر اعظم میر عالم سرور و سالار خلق — معدن جود و کرامت منبع فہم و فطن
صاحب دانش منیر الدولہ مختار ملک — شد بفضل حق وزیر خسرو ملک دکن
واجب و لازم کہ نا مقدور وصف او کنیم — گرچہ وصف اوست مار التقمہ بیش از دہن
مطلع
بر تو دائم باد ظل ظل رب ذو المنن — ای وزیر اعظم شاہ دکن سالار من

شد مقرر تا وزارت بر تو بگرفتہ قرار — عاقلان را عقل در سر دل بہ پہلو جان بتن
صیت رحم تو مسخر کرد دلہا را بلی — رحم باید تا بدست آید دل اہل وطن
حاتم طے غرق دریای خجالت میشدی — پیش سیلہ چشمش گر بدیدی بحر سخاوت موجزن
ای مطاع روزگار از حیطۂ فرمان تو — کس بروں ناید بود کیفیت مور و لگن
ہر کہ سر پیچد ز حکمم از خنجر اقبال خویش — سینہ اش را چاک کن چون کلک او را سر بکن
کس بعہدت کے تواند جور بر زالی کند — گو بود سام نریمان گو بود او تہمتن
بے عدیل و بے نظیر و بے مثالستی بدہر — باچنین خُلق حسن بخت جوان رای کہن
حق ببالای تو تشریف وزارت کردہ راست — اے وزیر ابن وزیر ابن وزیر مؤتمن
باب فردوس آشیانت گوی نیکی بردہ است — تا توانی اندرین میدان تو ہم چوگان بزن
ایمن از شر عدو دارد ہمارہ رب پاک — کامران باشی قرنہا از طفیل پنجتنؑ
ہست دانش ای ولی نعمت نکو پروردہ است — رحم فرما و دگر پسند او را ور محن
مصرع سال وزارت را بدہ حسن قبول — سروری کن ای وزیر لایق شاہ دکن

ماہ رجب سنہ ۱۳۱۰ھ میں استعفا دے کر عازم سفر لندن و روم وغیرہ ہوئے. مراجعت کے وقت علیل ہو گئے تھے چنانچہ حیدرآباد میں داخل ہو کر بتاریخ ۸ ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۰۶ھ انتالیس سال کے سن میں وفات پائی۔

عماد السلطنۃ مرحوم کو اگرچہ بظاہر اپنے والد ماجد سے تعلیم امور وزارت پانیکا موقع ملا تھا نہ پیشی میں رہ کر کبھی کام کیا لیکن دل و دماغ خداداد پائے تھے۔

حافظہ ایسا تھا کہ آقا سید علی صاحب سناد الملک مغفور نے ہرگاہ کوئی قصیدہ عربی سنایا ہے تو نصف سے زیادہ اشعارِ قصیدہ انھیں یاد ہو گئے ہیں۔

نیز یہ کیفیت مشہور ہے کہ کسی انگریزی جلسہ میں عماد السلطنہ کو اسپیچ پڑھنی تھی مگر بسبب عدیم الفرصتی مولوی سید حسین صاحب کو اسپیچ کا مسودہ لکھنے کے لئے حکم دیا۔ مولوی صاحب نے پانچ یا چھ ورق کی اسپیچ انگریزی زبان میں نہایت فصیح و بلیغ مرتب کر کے گزرانی اور عرض کیا کہ چند مرتبہ اس کو ملاحظہ فرمائیں تو مناسب ہے۔ مگر بہادر ممدوح نے ایک مرتبہ بھی نہ دیکھا تاآنکہ روزِ جلسہ آگیا۔ مولوی صاحب متفکر ہیں کہ بغیر مطالعہ کافی اس قدر طولانی اسپیچ کس طرح پڑھیں گے۔ جب وقت جلسہ میں جانے کا قریب پہونچا تو ممدوح نے اوراق اسپیچ مذکور کو طلب فرما کر شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمایا اور چاک کر کے پھینک دیا۔ مولوی صاحب یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ اس قدر طولانی عبارت ایک مرتبہ کے مطالعہ سے کیا یاد ہوئی ہوگی۔ مگر جب وقت آیا تو کھڑے ہو کر اسپیچ مذکور کا ایک ایک فقرہ اس فصاحت و خوبی کے ساتھ بشدّ و مدّ ادا فرمایا کہ مولوی صاحب بے ساختہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ کہنے لگے۔ اس نوجوانی میں بہادر ممدوح نے دیوان ہو کر وہ کام کئے ہیں کہ بڑے بڑے تجربہ کار مان گئے تھے۔

رزیڈنٹ بہادر نے کسی تقریب میں خلاف دستور بغیر لباس درباری اعلیحضرت غفران مکان سے ملاقات کی تو اس روز اپنے آقا کے حفظ اعزاز میں کیسی جرات دکھائی ہے اور رزیڈنٹ بہادر پر الزام قایم کرنے پر کس بیباکی سے آمادہ ہو گئے تھے

کہ رزیڈنٹ بہادر کو بغیر معذرت کے اور معافی چاہنے کے چارہ نہ ہوا۔

جمعدار عروب سلطان نواز جنگ بہادر نے جو کوتوال اور کوتوالی پر حملہ کیا تھا جس کے باعث کوتوالی بے وقعت ہونے کو تھی مگر عماد السلطنہ بہادر کی دلیری و شجاعت نے وقعت کو توالی کو باقی رکھا۔ مقام غور ہے کہ اعراب کثیر کا جمعدار اور برسر فساد و آمادہ پیکار۔ اس کے بالاخانوں پر صدہا عرب مسلح بھری ہوئی بندوقیں لئے ہوئے موجود و مستعد۔ ایسے وقت میں تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر مکان جمعدار مذکور واقع چار مینار پر چلے گئے۔ اور جمعدار کی نسبت وہ کلمات تنبیہانہ فرمائے کہ سننے والوں کے ہوش اڑ گئے اور کسی عرب کی جرأت نہ ہوئی کہ کچھ جواب دے۔ اور وہیں کھڑے رہ کر جمعیت باقاعدہ کو چار مینار و مکہ مسجد اور اس کے اطراف و جوانب مورچہ بندی کا حکم دیا۔

چونکہ اس کے قبل حسن بن عبداللہ ہدایتانہ پیام لے گیا تھا اور جمعدار مذکور سے سرکشی آمیز جواب سن کر آنے سے خوفناک تھا اس لئے حسن نے وقت عزم بے تحاشہ دامن عماد السلطنہ بہادر کو خشکی میں تھاما اور بکمال عجز و الحاح عرض کیا کہ اس وقت للہ آپ چار مینار کی طرف جانے کا ارادہ نہ فرمائیں۔ بہادر ممدوح نے حسن کو پلٹ کر دیکھا اور دامن کو بغیظ چھڑا لے کر فرمایا کہ شاید اپنی ہمقومی کے لحاظ سے تو چاہتا ہے مجھ پر ان عربوں کا رعب ڈالے۔ دیکھ تو سہی ان مفسدوں کا کیا حال کرتا ہوں۔ یہ فرما کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ واہ رے دلیری و شجاعت۔

اور یہ امر مسلّم ہے کہ جو انسان شجیع ہوتا ہے وہی سخی بھی ہوتا ہے **لمؤلفہ**

ہوگا جو عالی نژاد و مرتبا ٭ ہے مسلّم وہ بہادر ہوئیگا

جب بہادر ہے تو دل ہوگا وہی ٭ دل بڑا جس کا ہے بس وہی سخی

ہر شجیع انساں سخی ہوگا ضرور ٭ بخل جس میں ہے نہیں ہرگز وہ سور

عماد السلطنہ مرحوم کی سخاوت بھی مشہور ہے محتاج بیان نہیں۔ اُن کی ایک ادنیٰ سخاوت کا ذکر ہے کہ ایک روز محل سے برآمد ہوکر خانہ باغ کی طرف چلے۔ سیدی عنبر خانساماں اور ایک عرب موسیٰ نام جو ہنوز موجود ہے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ ایک مرد ایرانی محتاج آگیا اور اپنی زبان میں عرض حال کرتا ہوا چلا۔ موسیٰ عرب نے بایمائے سیدی عنبر خانساماں اس مرد ایرانی کا ہاتھ پکڑکر روک لیا۔ عماد السلطنہ بہادر نے پلٹ کر جو دیکھا تو فرمایا چھوڑدو کیوں روکتے ہو۔ اور حکم دیا کہ عنبر بھائی اس کو پانسو روپے اسی وقت دے دو۔ اس حکم سے عنبر بھائی کی طبع کفایت شعار نہایت متاسف و متالم ہوئی کہ ایک ادنیٰ فقیر کو اس قدر رقم۔ لیکن بغیر دیے کے چارہ نہ تھا فی الفور دیے گئے۔

زور قلم و حُسنِ رائے کو جملہ معتمدین مانے ہوئے تھے۔ لیاقت و ذکاوت ایسی اور وزارت وہ کہ تیس سال کی عرق ریزی نواب صاحب مغفور سے ملک آراستہ و پیراستہ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ولی نعمت و آقا کمال درجہ کا مہربان و شفقت فرما۔ کس لطف سے بسر ہوتی اور کس زور کی مدار المہامی کی جاتی۔ مگر افسوس ہی کہ

نااہل و ناعاقبت اندیشوں کی صحبت نے جوہر خداداد کو خاطر خواہ ظاہر ہونے نہ دیا۔ عرصۂ قلیل میں ولی نعمت سے بگاڑ ہو گیا تا آنکہ سنہ ۱۳۱۱ھ میں استعفائے مدار المہامی دے دیا۔

سیدی عنبر خانساماں کا بیان تھا کہ عماد السلطنہ مرحوم کو وزارت جانے کا مطلق رنج نہ تھا لیکن بلدے میں آنے کے لیے حصول اجازت کی قید جو لگائی گئی تھی اس صدمے نے انھیں مارا۔

نواب اسعاد تعلیخان غیور جنگ شجاع الدولہ نیر الملک بہادر ثالث

(معین المہام مال)

اگرچہ دوسرے سال یعنی ۱۲۷۹ھ میں متولد ہوئے لیکن دراصل اپنے برادر گرامی عماد السلطنۃ مرحوم سے تخمیناً چھ مہینے کے چھوٹے تھے۔ ان کی میلاد کا قطعہ تاریخ گزرانیدۂ سید احمد احمد تخلص یہ ہے ؎

شد بمختار دکن پیدا خلف ؞ زندہ باشد تا قیام عالم است
احمدا تاریخ سال اسعدش ؞ گو نیر الملک و میر عالم است

بعد رحلت عماد السلطنۃ جملہ حق شناس نواب صاحب مغفور کی امیدیں **نیر الملک بہادر ثالث** سے وابستہ ہوئی تھیں اور الطاف **غفران مکان** سے سب کو قوی امید تھی کہ یہ اپنی خدمت موروثی یعنی خدمت وزارت سے سرفراز ہوتے لیکن قضا نے مہلت نہ دی۔ بعد اپنے برادر مرحوم کے علیل ہوئے تا آنکہ بتاریخ چہارم جمادی الاول ۱۳۰۷ھ وہی ستائیس۲۷ سال کی عمر میں ان کا بھی انتقال ہوا۔

ان کے انتقال کے قبل ایک روز اعلیحضرت **غفران مکان** بکمال مرحمت بغرض عیادت تشریف فرما ہوئے تھے تو نیر الملک بہادر نے اپنے بزرگوں کے

حاصل کئے ہوئے جملہ اسناد و وثایق اور معاہدے وغیرہ متعلق ریاست کو پیشکش غفران مکان کر دیا خوب کیا کہ مقتضائے وقت یہی تھا۔

انتقال عماد السلطنتہ سے زیادہ نزان کے انتقال کے روز جملہ متعلقین اور بڑے بڑے عہدہ دار رو رہے تھے کیونکہ بعد عماد السلطنہ کے وجود منیر الملک بہادر باعث تسکین قلوب تھا۔ مگر منیر الملک بہادر کے بعد بالکل مایوسی ہوگئی تھی۔ ان کی نسبت سیدی عنبر خانساماں کا بیان تھا کہ ان کو اس کمشن کے صدمے نے مارا جو دریافت قرضہ نواب صاحب مغفور کے متعلق بعہد دیوانی آسمانجاہ بہادر قایم ہوا تھا۔ ان کی نشانی صرف ایک دختر کریم النسا بیگم صاحبہ تھیں جب یہ دختر یتیم ہوگئی تو جناب بڑی صاحبزادی صاحبہ نے اپنے زیر پرورش رکھا اور کمال اہتمام سے تعلیم و تربیت فرمائیں لیکن افسوس ہے کہ سن تمیز کو پہونچ کر کریم النساء صاحبہ نے بھی قضا کی۔

چراغ خاندان و یادگار نیاکان فرزند عماد السلطنت مرحوم

عالیجناب نواب میر یوسف علیخان سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ

مدار المہام سرکار عالی

بتاریخ ۱۴ ماہ شوال ۱۳۰۶ھ بمقام پونا متولد ہوئے۔ کیونکہ بسبب علالت و بغرض ہواخوری عماد السلطنہ مع محل وہیں تھے۔ جب طبیعت بہت بگڑی تو بلدے میں آگئے۔ وفات عماد السلطنہ کے وقت نواب صاحب دام اقبالہٗ متولد ہوکر پچیس ۲۵ روز ہوئے تھے۔ ان کے میلاد مبارک کا **قطعہ بند** تاریخی طبعزاد مولف ہیچمداں یہ ہے ؎

حق نے عماد السلطنہ کو وہ پسر دیا ٭ اقبال میں جو بے بدل و بے نظیر ہے
اس کے بزرگ ہوتے چلے آئے ہیں امیر ٭ فضل کریم سے یہ قدیمی امیر ہے
اس کے سراج تک تھے جد اور نیر ملک ٭ یہ سارے خانداں کا سراج منیر ہے
مختار ملک کے ہے یہ فرزند کا پسر ٭ پوتا وزیر کا ہے یہ ابن وزیر ہے
مانند اپنے جد کے یہ گل باغ دہر میں ٭ مستوجب عنایت رب قدیر ہے

نام شہنشہ کن اس کا ہے حرز جاں ٭ محبوب حق معین ہیں علی دستگیر ہے
دست کرم سے اس کے جہاں ہوگا مستفیض ٭ فرمان فیض ہاتھ کی ہر اک لکیر ہے
اس خانداں کا لال ہے یہ جسکا آستاں ٭ امید گاہ و مرجع برنا و پیر ہے
دانش اب اس کے مولد فرخندہ فال کا ٭ کہہ سال۔ خاندان کا سراج منیر ہے
۱۳۰۶ھ

بعد رحلت نیر الملک بہادر ثالث موصوف انتظام کارخانہ کے لئے کمیٹی قائم ہوئی ایک یورپین مسٹر لو کلارک نام معتمد اور میر مجلس نواب بہرام الدولہ بہادر قرار پائے۔ راجہ شیوراج بہادر حسن بن عبداللہ۔ داراب جی اراکین مقرر ہوئے۔ چندے کام چلا بعد ازاں اعلیحضرت غفران مکان نے براحم خسروانہ اس کارخانہ کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور بذریعہ سرور الملک بہادر معتمد پیشی انتظام ہونے لگا۔ تاآنکہ انگریزی اخباروں نے نسبت انتظام اسٹیٹ سالار جنگی معتمد صاحب موصوف کی شکایت لکھی۔ اس پر رزیڈنٹ بہادر نے استفسار کیا تو معتمد صاحب نے رفع بدنامی کے لئے یہ کارروائی کی کہ والدۂ نواب صاحب مغفور زینت النساء بیگم صاحبہ نے جو ۱۳۱۲ھ میں رحلت کی تو ان کی تین ہزار چار سو چہتر روپے ماہوار بنام عُلیا جناب عزیز النسا بیگم صاحبہ المخاطب بہ دُولہن پادشاہ جاری کردی اور ان کی ماہوار دو ہزار تین سو نو روپے بھی بحال رکھے یعنی جملہ چھ ہزار ایک سو روپے ماہوار عُلیا جناب دُلہن پادشاہ کے نام بامید منظوری اعلیحضرت غفران مکان جاری کردی۔ اور نواب صاحب مغفور کی خواصوں کو جو پندرہ روپے ماہانہ پاتی تھیں ان کے نام سو سو روپے ماہوار جاری کی۔ سیدی عنبر خانساماں کی

ماہوار نواب صاحب مغفور میں سو روپے تھی۔ عہد عماد السلطنہ مرحوم میں سو روپے اضافہ ہوئے تھے۔ اب اس پر معتمد صاحب نے اور تین سو روپے اضافہ کر کے پانسو روپے تنخواہ اضافہ کر دی اور خواستگار صافی نامہ ہوئے ایسے بافیض معتمد صاحب کو صافی نامہ کون نہیں لکھ دے گا۔ چنانچہ جمیع خرد و کلاں و وابستگان نواب صاحب مغفور کی جانب سے صافی نامہ متضمن خوبی انتظام و اظہار رضامندی اہل اسٹیٹ حسب مقصود معتمد صاحب لکھدیا گیا معتمد صاحب نے یہ صافی نامہ حاصل کر کے اعلیحضرت غفران مکان کے ملاحظہ میں لایا اور رزیڈنٹ بہادر کو بتلا کر اخباروں کو جھوٹا کر دیا۔

بعدازیں سرکار عالی نے اپنے علاقے کے ایک اول تعلقدار کارگزار وا ماور راے للتا پرشاد صاحب کو بعد ازاں مخاطب بہ راجہ للتا پرشاد بہادر ہوئے ہیں اسٹیٹ سالار جنگی پر ماہ آذر ۱۳۰۲ف میں متعین و ناظم قرار دے کر مجلس مالگزاری سے متعلق فرمادیا۔ اور اس پر خاص اپنی نگرانی رکھی۔ ناظم صاحب موصوف کے حسن انتظام میں کوئی کلام نہیں لیکن بے اقتداری اور حکام بالا کے احکام سے ناچاری تھی۔ برایں ہم ناظم صاحب کے انتظام سے قرضہ عہد عماد السلطنہ مرحوم وغیرہ کی ادائی شروع ہوئی نیز عہد سراج الملک مرحوم کی سنواتی قرضہ کا سود در سود جس کو نواب صاحب مغفور واجب الادا نہیں سمجھتے تھے۔ اگر یہ قرضہ واجب الادا ہوتا تو مغفور باایں ہمہ عدل گستری و تدین ادائی سے ہرگز اغماض و انکار نفرماتے اور کب کا ادا کر دیا جاتا۔

الغرض ایسے قرضے کے دعویداروں نے بھی موقع پاکر مجلس مالگزاری میں پیروی کی

اور بنام ناظم صاحب ہر چند مجلس کو لکھا کہ سود در سود ہے ایک ایک روپے کے پانچ پانچ روپے ہو گئے ہیں اس کا سود تو بند کر دیا چاہئے جیسا کہ مولوی مشتاق حسین صاحب نے راجہ رائے راں بہادر کے اسٹیٹ میں تصفیہ کیا ہے۔ تو جواب آیا کہ آپ کو سوائے تعمیل حکم کے کوئی عذر کرنے کا حق نہیں ہے۔ لہذا ناظم صاحب ناگزیر تعمیل حکم کرنے لگے تا آنکہ ۱۳۱۸ف تک میں جملہ قرضہ واجبی و ناواجبی پینتیس۳۵ لاکھ تیئیس۲۳ ہزار تین سو پنتالیس۴۵ روپے سات پائی ادا کر دیا گیا۔

قصر بارہ دری موسومہ بہ گلزار محل کے تختہ ہائے خاتمبندی وغیرہ بسبب کہنگی کے بوسیدہ ہو گئے تھے لہذا ۱۳۱۴ھ میں حسب منظوری **اعلیٰحضرت غفران مکان** اس قصر کی ترمیم معقول کی گئی ہے۔ علاوہ ترمیم کے بالائے سقف چاروں گوشوں پر چار کوشکیں جدید جو تعمیر ہوئی ہیں ان سے رفعت و شان قصر مذکور اور بڑھ گئی ہے۔ جملہ تعمیر و ترمیم مذکور میں تیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔ **قطعہ بند** تاریخ ترمیم مذکور جو مولف نے اسی سال کہہ کر گزرانا تھا پیش کش ناظرین ہے ؎

دفتر خاصۂ مختار الملک ٭ خواست سلطان کہ شود نیکو باز
حکم فرمود بہ للتا پرشاد ٭ کہ توی بہر نطامت ممتاز
ہست عنبر علی نیکو نام ٭ خانساماں و بناظم دمساز
نیست با او بکفایت ہمراہ ٭ اوست با ایں بامانت انباز
ہر دو از بہر حفاظت اسٹیٹ ٭ آفریدہ است چہ خوش نکتہ نواز

هست منجملہ حسن عملش ٭ ایں کہ گلزار محل نوشدہ باز
وہ چہ خوش نظمی ناظم کہ کنوں ٭ شدہ محکمتر و خوب از آغاز
کوشکی تو چو بہر گوشہ فزود ٭ گشت از چار طرف سرافراز
بہر یوسف علی خان معز ٭ کہ امیریست بسی با اعزاز
بادایں قصر الٰہی مسعود ٭ بکنش بہر نی عمر دراز
آں چناں بخت عطا کن کہ شود ٭ شل جد بہر دکن مایۂ ناز
بازچوں از سر نو تزیں یافت ٭ قصر گلزار محل با سروساز
دانش ایں مصرع تاریخش گفت ٭ یافت گلزار محل تزئیں باز

۱۳۱۴ھ میں دربار سالگرہ مبارک کے دو ایکروز قبل فرمان اعلیحضرت غفران مکان بلادرخواست محض براحم خسروانہ صادر ہوا کہ میر یوسف علی خاں کے لئے مابدولت نے خطاب سالار جنگ بہادر منظور کیا ہے لہٰذا اس دربار سالگرہ مبارک میں وہ حاضر رہیں۔

حسب الحکم اقدس واعلیٰ نواب میر یوسف علی خاں بہادر شام کے سات بجے چومحلہ مبارک میں پہونچے تا انعقاد دربار استراحت کے لئے تہنیت محل مرحمت ہوا۔ جب صبح کے پانچ بجے اعلیحضرت غفران مکان برآمد ہوئے تو بعد ادائے آداب سلام و نذر مدارالمہام وقت اقبال الدولہ بہادر نے اپنے اور پیشکار مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے بیچ میں صاحبزادہ کو یعنی نواب میر یوسف علیخاں بہادر،

کو جائے دی۔ صاحبزادہ ممدوح ہنوز درست بیٹھے نہ تھے کہ غفران مکان نے گوشۂ مسند مبارک کی جانب ارشاد فرمایا لہذا صاحبزادہ ممدوح فی الفور وہاں سے اٹھ کر گوشۂ مسند کے قریب آداب بجالاکر بیٹھ گئے۔ جب عطائے خطابات کی نوبت آئی تو پہلے نبیرہ میر پادشاہ یعنی رحمن علی پادشاہ کو خطاب سیف الملک بہادر عطا ہوا۔ ان کے بعد ہی نواب میر یوسف علی خان بہادر کو سالارجنگ بہادر کا خطاب موروثی مرحمت ہوا۔ بعدازاں اور بہت سے لوگوں کو خطابات عطا ہوئے۔ اس روز صبح کے پانچ سے نو بجے تک دربار منعقد رہا۔ نذریں رہیں اور خلعت و خطابات عطا ہوتے رہے۔

غفران مکان نے نواب سالارجنگ بہادر کو سب سے علحدہ بیچ میں گوشۂ مسند کے پاس جو بٹھایا تو علاوہ اظہار مرحمت کے بمقتضائے کمسنی بہادر ممدوح اچھا بھی معلوم ہوا چنانچہ دوسرے دربار میں غفران مکان نے ولیعہد بہادر دام اقبالہ کو ہمراہ لاکر اسی مقام پر بٹھلایا۔ اس سے مراحم خسروانہ و کمال دوراندیشی غفران مکان مترشح تھی۔ شاید یہ خیال مبارک میں آیا ہو کہ میں نے ازراہ شفقت جیسے اپنے بچوں کو نزدیک روبرو بٹھاتے ہیں انھیں بٹھایا ہے مگر مخلوق اس کے خلاف کوئی بات پیدا نہ کرے لہذا اپنے نورچشم و ولیعہد کو بھی اسی مقام پر سالارجنگ بہادر کے ساتھ بٹھلاکر اس مقام کو معزز و محترم تر فرمادیا۔ فرق اتنا تھا کہ ولیعہد بہادر گوشۂ مسند پر تشریف رکھے تھے۔ اور نواب سالارجنگ بہادر

ان کے عقب فرش پر۔ مگر بعد اس کے تیسرے چوتھے دربار میں جو دیکھا گیا تو نواب آصف یاور الملک بہادر و نواب سلطان الملک بہادر اسی مقام پر بیچ دربار میں تشریف فرما تھے۔ چونکہ صرف ایک رواق میں دیوان خانہ مبارک کے دربار منعقد ہوتا ہے اور لب زہ رو بقبلہ مسند مبارک ہوتی ہے۔ روبروئے مسند سے عقب مسند مبارک تک اہل دربار پہلو بہ پہلو حسب گنجایش رواق حلقہ باندھے بیٹھتے ہیں مسند اور اہل دربار کے درمیان تھوڑی جائے خالی رہتی تھی۔ جب سے عزیزین موصوفین بھی بیچ میں بیٹھنے لگے تو مسند کے پاس سے اہل دربار تک بلالحاظ پشت و رو ایک مجمع ہو گیا۔ دربار کی وہ شان باقی نہ رہی۔

قصیدہ تاریخی خطاب خاتمۂ باب دوم میں مقام مناسب پایا ہے جس کا مصرع تاریخ یہ ہے۔ نام سالار جنگ شد روشن
۱۳۱۶ھ

والدۂ ماجدہ نواب صاحب دام اقبالہ نے متصل دروازۂ پل افضل گنج زمین علاقہ بارہ دری پر بصرف زرِ ذاتی تقریباً پنجاہ ہزار روپیہ بنگرانی سیدی عنبر خانساماں دکانیں پختہ و حسین بنوا کر بنام نامی فرزند عزیز خود حسب معروضۂ مولف یوسف بازار نام رکھا جس کی تعمیر و افتتاح کے قطعات تاریخ یہ ہیں۔

یوسف علی ابن نور چشم سالار ۔ یوسف بازار شد بنا مش نیار
۱۳۱۸ھ

ایضاً بابت افتتاح

یوسف علی نامور ذیشاں کا ۔ یوسف بازار ہو گیا ہے تیار
دانش سنہ افتتاح مسعود کا ہاں ۔ کہہ۔ کیا ہی ہے افتتاح یوسف بازار
۱۳۱۸ھ

روشن باغ واقع سرورنگر میں نواب صاحب دام اقبالہٗ بغرض ہوا خوری مقیم تھے اور اساتذہ جن میں مولف بھی تھا ہمراہ رکاب حاضر تھے۔ ایک روز نواب صاحب ممدوح نیم اس راہوار پر سوار ہو کر حسب معمول باغ میں گشت لگا رہے تھے کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی جس کے باعث نواب صاحب ہاتھ کے بل زمین پر آ ئے۔ اور بائیں ہاتھ کے استخواں کو صدمہ پہنچا۔ میجر دسٹر لاری ڈاکٹر نے آکر باندھا اور بفضلہ جلد ہاتھ درست ہو گیا قطعجات تاریخ صحت عرض کردہ مولف یہ ہیں۔

نمای سالار جنگ رای خدای یکتا ✤ بعمر و دولت بہ جود و جرات بفہم و فطنت
بخاطر پخستن ہمارہ نگاہ دارش ✤ زہر بلا و علالت و حزن و رنج و محنت
بدارش اندر جہان صد و بست سال یا ز ✤ بنام نیکو بکام خاطر بہ عین عزت
شود ہر آں کو سوار مرکب بیفتد آری ✤ ولی بمردان چہ باک زیں صدمۂ زحمت
بفضل داور صحیح و بہ گشت دست نواب ✤ نہ چوں شود بہ کہ بعد ہر رنج ہست راحت
چو فکر تاریخ این مسرت نمود دانش ✤ بگفت ہاتف۔ یسار نواب یافت صحت
۱۹ ۱۳ھ

ایضاً ولہ

ززیں سالار جنگ آمد چو پائیں ✤ بدستش صدمۂ گردید وارد
ولیکن زود بہ گشتہ یسارش ✤ بفضل ورافت خلاق واحد
الٰہی در امان خویش دارش ✤ بود منکوب ہر کو ہست حاسد
چوں سال صحت او خواست دانش ✤ ندا آمد۔ شفا بخشید ایزد
۱۹ ۱۳تر

ایضاً اردو

گیا شکوۂ دست سالار جنگ ٭ بلطفِ نبیؐ شکر ربِّ عزیز
کیا سال صحت یہ دانشؔ نے عرض ٭ بلا مل گئی شکرِ ربِّ عزیز

۱۹ ۱۳ ۸

سنہ ۱۳۲۰ھ میں جب بفضلہ پندرہواں سال شروع ہوا تو ماہ رمضان کے روزے رکھے اور تقریب روزہ کشائی بتکلف ادا ہوئی۔ مولف نے اس تقریب کے بھی یہ دو قطعۂ تاریخ گذرانے۔

روزہ کشائی اگر شد بتکلف ادا ٭ از پے سالار جنگ ہیچ بنا شد شگفت
سال ہمایون آن دانشِ مدحت سرا ٭ گفت کہ۔ سالار جنگ روزۂ اوّل گرفت

۱۳۲۰

ایضاً اردو

جو صایم ہیں نوّاب سالار جنگ ٭ برآئی تمنّا خدائی کی آج
کرو عرض دانشؔ یہ مصراع سال ٭ ہے تقریب روزہ کشائی کی آج

۱۳۲۰

جب کہ مختار الملک مغفور شہر لندن میں تھے ان کے ہمراہوں میں سے کسی نے خبر دی کہ ایک انگریز کی دوکان میں کلام اللہ مطبوعۂ دہلی رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سُنتے ہی مغفور نے حکم دیا کہ جس قدر کلام اللہ اُس کے پاس ہیں وہ سب ہدیہ کرلاؤ حسب الحکم مغفور کے ملازمین فی الفور گئے اور جملہ ایک سو بیس کلام اللہ مع چند کتب تواریخ قلمی اُس کی دوکان میں تھے سو رقم ہدیہ دیکر لے آئے۔ وہ جملہ کلام اللہ کتاب خانہ میں زیر نگرانی مولف رکھے ہوئے تھے سنہ ۱۳۲۱ھ میں سیدی عنبر خانساماں کو یہ

خیال ہوا کہ یہ کلام اللہ بیکار رکھے ہوئے ہیں ان کو وقف کر کے بنظر ثواب تقسیم کر دینا مناسب ہے۔ چونکہ اسٹیٹ نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ زیر نگرانی سرکار عالی تھا لہذا سرکار عالی سے اجازت حاصل کر کے سو کلام اللہ کی چرمی جلدیں بنوائیں اور ساتھ ہی اس کے مساجد بلدہ و بیرون بلدہ کی فہرست بھی لکھوائی اور حسب شان و کلانی مسجد تقسیم کلام اللہ قرار پائی یعنی کہ مسجد جو سب سے بڑی ہے اُس کے حصہ کے پانچ کلام اللہ اُس سے جو چھوٹی مسجدیں ہیں ان کے لئے حصہ بقدر رتبہ کسی کو تین کسی کو دو کسی کو ایک چنانچہ مساجد جاگیرات کے بھی حصے لگا دیے۔

مولف نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا خانساماں صاحب کلام اللہ الیسوں کو دیجئے جو تلاوت کرتے رہیں اور معطی و مالک کو ثواب حاصل ہو۔ مسجدوں میں اس طرح بھیجدینے سے کیا حاصل۔ جواب ملا کہ کوئی پڑھے یا نہ پڑھے ہمیں اس سے غرض نہیں فقط مسجدوں میں بھیجدینا کافی ہے۔

مولف نے کہا یہ تو بلا تشبیہ گھی کے چراغ ہو گئے کہ مسجدیں رکھ کر چلے آتے ہیں خواہ کوئی بھی اٹھالے۔ اُس پر کچھ اثر نہ ہوا اور تقسیم کلام اللہ حسب بیان بالا ہونے لگی۔ آخر کار ایک روز مولف نے کہا کہ خانساماں صاحب آج آپ حسب مرضی اپنے کلام اللہ تقسیم کر رہے ہیں لیکن کل کے روز مالک اسٹیٹ اگر پوچھے کہ سو کلام اللہ تم نے اپنے ہم مذہبوں کو دیے اور اصل مالک و معطی کے کسی ہم مذہب کو یا کسی عالم کو ایک بھی نہ دیا۔ اس کا کیا سبب ہے۔ تو آپ اس وقت کیا جواب دیں گے۔ یہ سن کر کسی قدر انکی آنکھیں

کھلیں مگر کیا حاصل سب تقسیم ہو چکے تھے۔ صرف تین جلدیں باقی تھیں سو بغرض تقسیم مؤلف کے حوالے کئے۔

خانساماں موصوف نہایت امین شخص تھے مگر کمی عقل کی وجہ سے ایسی خرابیاں بعض وقت وقوع میں آتی تھیں۔ چنانچہ اسی لیے نواب صاحب مغفور کو باوجود عدیم الفرصتی جزئیات خانگی میں بھی بذاتِ خود توجہ کرنی پڑتی تھی۔ مثلاً ہر فصل میں آم کی تقسیم کے وقت پیوندی عمدہ آم منتخب لوگوں کے لیے چھوٹی کشتیوں میں بالاخانہ پر مسند کے روبرو لے جا کر رکھتے تھے۔ مغفور ملاحظہ فرمانے کے بعد لے جاتے تھے اور متوسلین کے واسطے دو دو سو تخمی آم کی بڑی کشتیاں نیچے کے دالان میں چن کر اطلاع دیجاتی تھی تو مغفور بالاخانے کے برآمدے میں آکر ملاحظہ فرماتے تھے۔ جب کہیں وہ کشتیاں تقسیم ہوتی تھیں۔ اس ادنیٰ کام کے لئے مغفور یہ زحمت گوارا فرماتے تھے کہ خانساماں مذکور مبادا ازراہ جزرسی و کوتاہ اندیشی خراب آم تقسیم میں لگا دے جس کے باعث میری بدنمائی ہو۔ خانساماں موصوف کے چند صفات عمدہ کی وجہ سے مغفور چاہتے تھے۔ امانتداری۔ خیر خواہی۔ حاضر باشی۔ نیک روی۔

نواب صاحب دام اقبالہٗ ایک روز بمقتضائے سن فٹ بال کھیلنے میں شریک تھے اور اُس میں داہنے ہاتھ کو صدمہ پہنچا تھا اس کی صحت کے قطعہ جات اور تہنیت و تاریخ تقریب علی بند **نواب صاحب دام اقبالہٗ** گذرانیدۂ مؤلف یہ ہیں ؎

مہر گردونِ دولت و اقبال ﴿ آنکہ سالار جنگ چارم ہست
بود مصروف بازیٔ فٹ بال ﴿ چشم زخمی رسید و دست شکست
تا خبر یافت ڈاکٹر گملٹ ﴿ آمد و عظم دست را بر بست
شکر حق رفت درد از دستش ﴿ در سر دشمنانِ اُو بنشست
لیکنوں از شکستگی اثرے ﴿ استخواں آں چناں بہم پیوست
شامِل حالِ نیک فالش باد ﴿ صد و سی سال فضلِ ربِّ الست
مصرعِ سال عرض کُن دانشؔ ﴿ سعد یارب بواد صحت دست
۱۳۲۲ھ

ایضاً فصلی

چارم سالار جنگ فرخندہ تبار ﴿ دستش بعلاج شد از اوّل استوار
گفت ایں مصرع یہ سال فصلی دانشؔ ﴿ محکم گردید دست پاک سرکار
۱۳۱۴ ف

ایضاً اُردو

خوش ہیں سالار جنگ فضل حق سے ﴿ جو ہاتھ کو پہنچا تھا وہ صدمہ نہ رہا
اچھا ہوا ہاتھ سال فصلی دانشؔ ﴿ کر عرض کہ۔ سرکار کے ہاتھ آئی شفا
۱۳۱۴ ف

قطعۂ تہنیت و تاریخ تقریب علی بند مبارک

سالار جنگ از فضل حق و رافت حیدرؑ ﴿ فرمود علی بند حمایل بصد اقبال
آمین ہمہ گویند دعائیہ تو دانشؔ ﴿ تقریب علی بند شود سعد۔ بگو سال
۱۳۲۲ھ

سنہ ۱۳۲۷ء میں نواب صاحب دام اقبالہٗ نے اپنے ولی نعمت غفراں مکان سے اجازت حاصل کر کے برائے ملاحظۂ جاگیر خود اجنٹا جو ضلع اورنگ آباد میں واقع ہے پہلے پہل ارادہ فرمایا تھا اس کے قطعہ جات تاریخ روانگی و واپسی عرض کردہ مؤلف یہ ہیں ؎

مہر گردونِ نیر الملک ہے سالار جنگ ٭ جس کے فرقِ پاک پر ظلِّ خدا کا سایا ہے
محسن ملکِ نظام الملک تھے مختار ملک ٭ معدنِ خُلق و کرم۔ یہ خاص انکا پوتا ہے
یہ بھی ہو کیونکر نہ اپنے جدّ امجدّ کا نظیر ٭ جدو آبا کی طرح فرزند اکثر ہوتا ہے
جو کہ ہے جاگیر اجنٹا عزم سیر اُس کا کیا ٭ فضلِ حق سے یہ سفر پہلے پہل فرمایا ہے
عرض کر تاریخ دانشؔ اس مبارک عزم کی ٭ لو اجنٹے کا سفر نواب نے فرمایا ہے
۱۳۲۷ء

ایضاً بابت واپسی مع الخیر

اجنٹے سے نواب سالار جنگ آج ٭ مع الخیر واپس جو تشریف ہیں لائے
تو دانشؔ نے خوش ہو کے اس واپسی کا ٭ کہا سن۔ مع الخیر سالار جنگ آئے
۱۳۲۷ء

جناب دلہن پادشاہ کو دفعتاً تپ شدید لاحق ہوئی۔ ہر چند علاج کیا گیا مگر فائدہ نہ بخشا تا آنکہ بتاریخ ۱۸ ماہ شعبان ۱۳۲۵ء رحلت کی۔ چونکہ بڑی صاحبزادی صاحبہ کے مکان میں رحلت ہوئی تھی اس لیے حکم اعلیحضرت غفراں مکان بنام نواب سالار جنگ بہادر صادر ہوا کہ تم اپنی جدّہ ماجدہ کی میّت کو بیٹی کے مکان سے اٹھالاؤ اور اپنے گھر سے اور اپنی ذات خاص سے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو

چنانچہ ویسا ہی کیا گیا۔ اور بعد ادائی تقریب فاتحہ چہلم حسب طریقہ خاندان۔ خوش دامن صاحبہ مرحومہ کی جانشین بہو ہوئیں یعنی علیا جناب زینت بیگم صاحبہ والدۂ نواب صاحب دام اقبالہ مسند نشین و قایمقام دلہن پادشاہ مرحومہ کی ہوئیں قطعہ تہنیت و تاریخ عرض کردۂ مولف یہ ہے ؎

بحمد اللہ زینب بیگم اپنے گھر کی اعظم ٭ پس از خوش دامن جنت مکاں اب ہوگئی ہیں
کیا ہے مصرع تاریخ دانش نے یہی عرض ٭ مبارک ہو بزرگ خانداں اب ہوگئی ہیں

نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ کی طفولیت و تعلیم کے زمانہ میں جو مولف بھی معلم تھا بر بنائے استفسار احوال نواب صاحب ممدوح اپنے اقارب و احباب سے مولف نے اکثر کہا ہے کہ یہ صاحبزادہ نہیں ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے عقل و ذکاوت۔ اولی العزمی و تحمل افضال خدا سے اس سن میں ایسا پایا ہے کہ بوڑھوں کو نصیب نہیں مختصر یہ ہے کہ مختار الملک مغفور کا نبیرہ ہے۔ یہ بیان مولف کا سنے ہوئے حضرات بحمد اللہ ہنوز جی و قایم ہیں اور ان کو مولف کے قول کی تصدیق ہو رہی ہے اور ہوتی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مشہور ہے کہ مالک اسٹیٹ ہوشیار ہو تو واگذاشت اسٹیٹ کے لئے اٹھارہ برس کا سن از روئے قانون کافی سمجھا جاتا ہے لیکن (اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی) یہاں نواب صاحب ممدوح کی ہوشیاری و ذکاوت نے یہ اُلٹا اثر بخشا کہ ارباب غرض نے بطور خیر خواہی اندیشہ نوجوانی و ناتجربہ کاری وغیرہ عُذر امکان

کے ذہن نشین ایسا کچھ کر دیا کہ بر بنائے تحریک مہاراجہ مدار المہام سابق جواب صاف پیشگاہ خسروی سے صادر ہوا کہ سرکار جب مناسب جانے گی علم واگذاشت اسٹیٹ دیا جائے گا۔ آیندہ کسی کو اس بارے میں عرض کرنے کی ضرورت نہیں غفران مکان کی عام عدل گستری و رعایا پروری میں کلام نہیں۔ نواب صاحب ممدوح کے حال پر تو خاص توجہ رہی ہے لیکن خاصۂ طبع یہ بھی تھا کہ جس کی جانب سے رخ پھیرا اس کی مٹی خراب۔ پھر قیامت تک اُس کو اُمید توجہ نہیں۔ لا تولا ہے اگر کسی کے حق میں نعم بھی فرمایا ہے تو سال ہائے سال اُس کو ناکامی میں گزر گئے ہیں کسی مقرب و مصاحب کی مجال نہ تھی کہ سفارشانہ کچھ عرض کرتا۔ جب تک کہ خود بدولت ہی کے دل میں نہ آئے پس مقام غور ہے کہ ایسے مالک و خداوند کے جواب صاف نے اولی العزم و غیور طبع نواب نوجوان کے دل پر کیا اثر بخشا ہوگا۔ اور اسی مایوسی میں تقریباً پانچ سال تک عدم اختیار و بیکاری کا صدمہ خاطر نازک پر کس درجہ رہا ہوگا۔ اگر وہی عہد باقی رہتا تو نصیب دشمناں نواب صاحب ممدوح کا زمانہ شباب جو لاقیمت و لاجواب ہے ضائع جاتا اور جوہر خداداد و صفات حمیدۂ آبا و اجداد ظاہر نہ ہونے پاتے اور وہی عین مقصود بدخواہوں کا تھا۔ تا آنکہ جس کا خیال بھی نہ تھا دفعتاً دو تین روز کی علالت میں غفران مکان کی رحلت ہو گئی۔ اور بعد فاتحۂ سوم بتاریخ ہفتم ماہ رمضان ۱۳۲۹ھ جلوس کا دربار منعقد ہوا۔ بحمد اللہ اعلیحضرت بندگان عالی نواب میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ سابع مدظلہ العالی

مادمت الایام واللیالی کا عہد مبارک آیا۔ مایوسی جاتی رہی۔ اُمیدیں بندھ گئیں۔ برائے شرکتِ دربار جارج پنجم قیصر ہند جب سفر دہلی درپیش ہوا تو اعلیحضرت مدظلہ العالی نے نواب صاحب ممدوح کو بھی ہمراہی کا شرف بخشا۔ اس عزیمت و مراجعت کے قطعہ جات تاریخ گزرانیدہ مؤلف یہ ہیں۔

برائے حضور پرنور مدظلہ العالی بابت عزیمت

خوشا تقدیرِ تو عثمان علیخاں سوی تو آمد ❊ چنین شاہ جوان اقبال رادیدی تو کے دہلی
رسان این سال مقدم اے صبا از جا دانش ❊ کہ۔ آمد آصف ہفتم سوے تو مژدہ اے دہلی
۲۹ | ۱۳ ھ

ایضاً بابت مراجعت

یکم ذالحجہ بشکر حق بر اسپیشل ٹرین ❊ شاہ ذیجاہ دکن عثمان علیخان شد سوار
از پے دربار خاصِ جارج پنجم بشد ❊ عازمِ دہلی بصد شوکت۔ بحفیظ کردگار
با امیرانِ معظم با وزیر سلطنت ❊ رفت زین گلزار ملک و باز آمد چون بہار
مژدۂ بہر دکن شد گفت چوں دانش سنہ ❊ شادمانی اے دکن کاز دہلی آمد شہریار
۲۹ ۱۳ ھ

برای نواب سالار جنگ بہادر بابت عزیمت

شد سوی دہلی روان موکب سالار جنگ ❊ سرور و سردار ما ہمسفر شہ بشد
خواست چو دانش سنہ از وال نشاداں خود ❊ گفت کہ۔ سالار ما ہمسفر شہ بشد
۲۹ ۱۳ ھ

ایضاً بابت مراجعت از دہلی

از دہلی چو برگشت سالار جنگ ٭ بہ حفظ خداوند دادار ما
رقم کرد دانش چہ نیکو سنہ ٭ کہ۔ آمد مع الخیر سالار ما
۲۹ ۱۳ھ

ایضاً بابت عزیمت و مراجعت

زدہلی شاہ با اجلال و ہم سالار جنگ آمد ٭ بہمراہی شاہ خویش بود اکنوں بحمد اللہ
بدہلی رفت با اقبال و ہم سالار جنگ آمد ٭ ہمایوں سال عزم واپسی کن عرض ای دانش
۲۹ ۱۳ھ

بعد مراجعت اعلیحضرت مدظلہ العالی نے نواب صاحب ممدوح کی ذکاوت طبع کو بذات خود ملاحظہ فرماکر بکمال مراحم خسروانہ واگذاشت اسٹیٹ کا فرمان مبارک بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ صادر فرمایا۔ اس کی تہنیت کا قصیدۂ تاریخی جو مولف نے پڑھ کر گزرانا ہے وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو کہ صرف مدح نہیں ہے بلکہ مولف نے اپنے فرض خیر خواہی کو بھی کس حسن سے ادا کیا ہے۔

قصیدہ

چہ آید ز من شکر پرودگار ٭ کہ احسان لطفش بود بیشمار
عطا چوں بمن رانمودہ امیر ٭ چو سالار جنگ نکو نامدار

کرامت نمودہ امارت باو ❊ ز آباو اجداد عالی تبار
سراج منیر علو دودمان ❊ زعالی نژادان نکو یادگار
درِ کان سالاری و سروری ❊ مہ آسمان سخاو وقار
میان امیران معظم امیر ❊ محقق وزارت بر شہریار
زِ گلزار عزت گل سر سید ❊ زِ بحر شرافت دُرِ شاہوار
عقیل و جلیل و جمیل و جوان ❊ ذہین و زرنگ و زکی ہوشیار
میانِ جوانان جوانی رشید ❊ بہ نزدیک پیران بسی کردہ کار
بصحرائے صولت یکی نرہ شیر ❊ بمیدانِ جرات زہی شہسوار
بود باطن و ظاہرش محض خیر ❊ چہ نیکو شعار و چہ نیکو دثار
ازان رہ کہ بودہ یتیم صغیر ❊ ہمہ دخل و خرجش ہمہ کاروبار
براہ مراحم بصد التفات ❊ نگہداشت بیکر خود شہریار
بگردید تا آن کہ عاقل جوان ❊ بفضل حق و رافت کردگار
ہمہ کارخانہ بدستش سپرد ❊ بہر باب کردش عطا اقتدار
بحمد اللہ نواب شد کامیاب ❊ خدا داردش دایماً کامگار
درست آید آن چہ کہ آید بدیر ❊ بود وصل نیکو پس از انتظار
زمانے با امیدواری گذاشت ❊ کہ حالے شود حال امیدوار
چہا مصلحت بودہ است اندرین ❊ چہ داند کسی غیر پروردگار

کنون خواہم آرم بسوی تو روے ﴾ دعا و ثنایت کنم بندہ وار

مطلع ثانی

الا اے سرو سرورِ نامدار ﴾ بیاز آستین دستِ قدرت برار
تو ای یوسفِ مصرِ فیض و کرم ﴾ درِ فیض وا نا توانی بدار
مراد تو چون داد خالق تو نیز ﴾ مراد دل خیر خواہاں برآر
کند دست فیض تو اقدام اگر ﴾ کندت با قدام جان ہا نثار
تو ئی یادگار نیاکان بلے ﴾ عیاں از تو نیکو شعار کبار
کنم احتیاطاً من این التماس ﴾ کہ دولت چو باروت و عیش است نار
جوانی بود گوئیا بادوباد ﴾ پے نار سوزان ممد است و یار
بشد روز و شب آنکہ سرگرم عیش ﴾ نبہ کار و بارش شد انجام کار
ولی چون توئی کے پند و عقیل ﴾ کہ چون شب بود روز ہم خفتہ دار
پس از روز آید شب از بہر آن ﴾ کہ خوب است آسودگی بعد کار
ہر آنکس کہ عقلش بود بیشتر ﴾ فزوں است او را غم روزگار
عقیل جوان مرد را شیوہ است ﴾ رسیدن بدرد صغار و کبار
بود جوہر جد بہ گوہر ترا ﴾ کنوں وقتش آمد بکن آشکار
کس آسان نیاورده دل ہا بدست ﴾ کشی تا نہ زحمت نیابی شکار
کنی تا نہ بر خویشتن عیش تلخ ﴾ کشی کے ز شہرت مئے خوشگوار

تو و پسند لئے لئے دعا کن دعا ٭ بہ لقمان مشو دانشش آموزگار
الٰہی مہ و سال این نونہال ٭ بہر یک بہی خواہ بخشد ثمار
برومند از میوۂ دل شوی ٭ بود جاہ و اقبال تو برقرار
نکو خواہ تو خرم و شاد باد ٭ بماند ہمارہ عدو خوار و زار
شنو عرض تاریخ و ہم تہنیت ٭ ہمایوں و سعد این شواد اقتدار

واگذاشت اسٹیٹ گویا مقدمہ تھا عہدۂ جلیلہ وزارت کا کہ اس سرفرازی کے چار ہی مہینے بعد بتاریخ ۲۵ ماہ رجب ۱۳۳۰ھ بلا درخواست و کوشش محض بافضال الٰہی و الطاف آصفجاہی نواب صاحب دام اقبالہٗ کے لئے مانند جدّ مغفور دفعتاً فرمان مبارک شاہی متضمن سرفرازی وزارت شرف صدور بخشا۔ مولّف کتاب خانے میں حاضر تھا اُس روز کی بھی کیفیت دیدنی تھی۔ نواب صاحب دام اقبالہٗ بقصد مہتاب باغ واقع کوہ شریف تشریف فرما ہوئے تھے کہ نواب صادق جنگ بہادر ایڈی کانگ اعلیحضرت مدظلہ العالی فرمان وزارت لائے۔ لہٰذا فی الفور مہتاب باغ کو ٹیلیفون کے ذریعہ سے اطلاع کی گئی۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ جو مراد دلی بے اطلاع دفعتاً برآجاتی ہے اُس کی خوشی حد سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے وابستگان اسٹیٹ اعلیٰ و ادنیٰ کمال خرسند تھے ہر ایک کی باچھیں کھلی جارہی تھیں اور یہ کہہ رہے تھے کہ ستائیس برس کے بعد خدا نے پھر یہ دن دکھلایا شکر ہے۔ ٹیلیفون کو مہلت نہ تھی مہتاب باغ سے ملا ہوا تھا کہ جلد واپس تشریف لائیں۔ ڈیوڑھی والے اور تماشائی سب کی

آنکھیں راستے پر لگی ہوئی تھیں جیسے کہ نوشاہ کی آمد پر مشتاقانہ لوگ چشم براہ ہوتے ہیں جلوخانہ تماشائیوں سے مملو تھا۔ پندرہ دقیقے گذرے ہوں گے کہ نواب صاحب دام اقبالہٗ کی موٹر نمایاں ہوئی۔ سب کی زبانوں سے نکلا وہ آئے وہ آئے۔

نواب صاحب موٹر سے اُتر کر داخل آئینہ خانہ ہوئے۔ اُس وقت از بسکہ مؤلف بھی خوش تھا بے ساختہ مجمع میں داخل ہو کر قریب پہنچ گیا اور چاہا کہ نواب صاحب کی شادمانی کا اندازہ کروں۔ واہ رے ضبط و استغنا۔ خندہ و تبسم تو کجا چہرے سے آثارِ بشاشت بھی پائے نہ گئے بلکہ نوعے فکرمندی عیاں تھی۔

صادق جنگ بہادر سے ایک ساعت تنہائی رہی، جب بہادر موصوف فرمان مبارک پہنچا کر واپس ہوئے اور نواب صاحب دام اقبالہٗ برائے نذر عطائے وزارت بالباس درباری برآمد ہو کر موٹر میں سوار ہوئے تو عام مخلوق نے بہ کمال خوشی ہُرے کہا اور تالیاں بجائیں۔ بعد فراغ نذر بارگاہ خسروی سے جب واپس تشریف لائے تو جملہ وابستگان و مصاحبین وغیرہ نے جوشِ مسرت میں جلوخانے کے پھاٹک پر جمع ہو کر نواب صاحب کی سواری کو بہ کمال التماس روکا اور سب کے سب مل کر اپنے ہاتھوں سے موٹر کو آئینہ خانے کے زینوں تک لائے۔

عہدہ دیوانی سے سرفراز ہونا خصوصاً نواب صاحب ممدوح کے لئے کوئی نادر بات نہیں ہے مگر یہ امر البتہ نادر و لائق غور ہے کہ نواب صاحب کی سرفرازی سے عام خوشنودی ظاہر ہوئی۔ اہل اسلام و ہنود۔ عیسائی و پارسی۔ ملکی و غیر ملکی وغیرہ کلہم شادمان ہوئے۔

اور خوشی کی نذریں گزرانیں۔ اِس کو بجز مقبولیت منجانب اللہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ مختار الملک مغفور اوّل کے احسانات مدنظر مخلوق ہیں تو بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب صاحب ممدوح یادگار و راحت روح مغفور اوّل کے ہیں۔ لیکن مغفور اوّل کی جانفشانیاں اور احسانات کو کماحقہٗ جاننے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو زمانۂ قبل مدار المہامی مغفور اوّل کے حالات ریاست کو معائنہ کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ویسے معمّر لوگ اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ اور اس زمانے کے حضرات مغفور اوّل کے احسانات کو کامل طور پر کیا جانیں۔ پس یہ مقبولیت ہمارے نواب صاحب دام اقبالہٗ کی صرف بوجہ احسانات جدّ مغفور نہیں بلکہ یا قبال خداداد ذاتی بھی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ وہی اقبال خالق عالم نے انھیں عطا فرمایا ہے **لمؤلفہ**

محسن ملکِ نظام الملک تھے مختار ملک ٭ معدنِ خلق و کرم یہ خاص اُن کا پوتا ہے

یہ بھی ہو کیونکر نہ اپنے جدِ امجد کا نظیر ٭ جد و آبا کی طرح فرزند اکثر ہوتا ہے

بفضلہ و کرمہ ابتدا ہی میں اس دانائی و اولی العزمی کے ساتھ کارگزار اور حق رسانی پر ایسے مستعد ہیں کہ دوسرے تجربہ کاروں سے سالہائے سال میں ممکن نہ ہو۔ اور کیونکر ہوتا کہ یہ صفات خداداد ان کے موروثی ہیں ہر ایک کو کیونکر نصیب ہوں گے۔ خداوند عالم اس چراغ خاندان نیر الملکی کو یکصد و سی سال با اقبال روز افزوں سلامت اور چشم زخم و شر اعدا سے محفوظ و با عافیت رکھے بحق محمدؐ و آلہ الامجاد علیہم الصّلوٰۃ والسلام۔

قصاید قطعہ جات تاریخی و تہنیت عہدہ جلیلہ وزارت کثرت سے گذرانے

اور گزرانے جا رہے ہیں۔ ان سب کی گنجائش اس مختصر تالیف میں نہیں ہے لہذا چند قطعہ جات تاریخی عرض کردہ مؤلف پر اکتفا کیا گیا ہے وَھُوَ ھٰذَا۔

قطعہ تاریخ سرفرازی عہدۂ جلیلۂ وزارت و مدار المہامی سرکار عالی

جوان سال و جوان اقبال آصفجاہ معظم ہست ❊ جوان سالار جنگ او را وزیر از فضل یزدان شد

رقم زد مصرع سال وزارت دانش مداح ❊ جوان با قبال شہ را ایں جوان اقبال دیوان شد

۱۳۰۰ھ

ایضاً

سالار جنگ چارم گشتہ وزیر اعظم ❊ دانش دو سال برخوان با بہجت و مسرت

سالار جنگ حمد یزدان شدہ است دیوان ❊ سالار جنگ آری چون جد کند وزارت

۱۳۰۰ھ ۱۳۰۰ھ

قطعہ تاریخ تشریف آوری اعلیحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی

در وزارتکدۂ مدار المہام بہادر ممدوح بپذیرائی دعوت بتاریخ ۱۱ شعبان سنہ ۱۳۰۱ھ

اقبال روز افزونِ او ہم چون بنا شد نوجوان ❊ از فضلِ داور ہست آری نوجوان سالار جنگ

مصرع تاریخ قدوم شاہ اے دانش بگو ❊ کہ مہمان شاہ دکن شد میزبان سالار جنگ

۱۳۰۰ھ

ایضاً

منزل سالارجنگ آمد چو شاہ کج کلاہ ٭ از مسرت ہا دل وابستگاں چوں گل شگفت
سال ایں فرخندہ مقدم دانش از فرط سرور ٭ شاہ حق آگاہ آمد در وزارتگاہ گفت
۱۳۳۰ھ

الحمد للہ والمنہ ختم ہوئی کتاب ریاض مختاریہ سلطنت آصفیہ۔ اس تالیف کے ختم کا قطعہ بند تاریخ یہ عرض کیا ہے۔

شد ما یہ رحمت بہر دکن مختار الملک ٭ کز فرط ریاضت گلخن را بنمود چمن
ہست ریاض مختاریہ این تالیف ٭ زان کہ درین شد شرح ریاض سرو علن
مصرع سال تالیف ای دانش تو بگو ٭ گشت معاینہ جزر و مدی ملک دکن
۱۳۳۰ھ

ALLAMA IQBAL LIBRARY
24481